TIGHT BINDING BOOK

UNIVERSAL LIBRARY
OU_188036
UNIVERSAL LIBRARY

Author شاہوز علی محمد لکھنوی ع

Title حیات فریاد

This book should be returned on or before the date last marked below

قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُو الْأَلْبَابِ

حیاتِ ابد

١٣٦٦

معروف بہ

حیاتِ فریاد

تصنیف

زبدۃ المحققین قدوۃ المورخین فخر الادباء، ملک الشعراء، خان بہادر مولانا حضرت سید علی محمد
شاد مرحوم رئیس عظیم آباد،

بفرمائش

جناب مستطاب مولوی سید حسین خاں صاحب خلف حضرت شاد مرحوم،

باہتمام مسعود علی ندوی

مطبع معارف دار المصنفین اعظم گڈھ میں چھپی،

عرض حال

محترم ناظرین! احقیر کے والد محترم حضرت خان بہادر سید علی محمد شاد مرحوم کا انتقال اس عالمِ فانی سے گزشتہ ماہ جنوری ۱۹۲۷ء مین ہوا، بلحاظ سن شریف یہ کوئی غیر متوقع واقعہ نہ تھا لیکن حضرت مرحوم کے اعزا و احباب کے لیے یک بیک انتقال کا سانحہ نہایت درجہ جگر خراش و تکلیف دہ ہے خصوصاً مجھ ناچیز کے لیے تو اس قدر اندوہناک و پرحسرت و الم ہے کہ احاطۂ تحریر سے باہر ہے، حضرت والد مرحوم نے اپنی غیر منطبع تالیفات و تصنیفات نظم و نثر کا بہت بڑا ذخیرہ چھوڑا ہے، پچاس ساٹھ جز سے زیادہ تو حضرت کا کلیات مشتمل بر غزلیات و خمسہ جات و رباعیات و قطعات وغیرہ ہے، ڈیڑھ سو سے زیادہ مرثئے ہین، اور کوئی مرثیہ سوا سو بند دن سے کم نہین ہے، نثر کی کتابون کا الگ معتد بہ ذخیرہ ہے، یہ کل چیزین انشاء اللہ تعالیٰ رفتہ رفتہ چھپوانی ہین، لیکن سب سے مقدم کتاب حیاتِ فریاد کی طباعت پیش نظر ہے، یہ تالیف والد مرحوم نے انتقال کے کچھ دنون پیشتر ختم کی، اور ایسے وقت مین شروع کی تھی جبکہ بوجہ کبر سنی بہت مضمحل ہو گئے تھے، اس پر سے عارضہ موتیابند کی شدت نے اور بھی تکلیف دی، جیساکہ دیباچہ سے ظاہر ہوگا، افسوس اُس کا ہے کہ نظر ثانی کرنے کی نوبت نہین آئی تھی، کہ بینائی نے بالکل جواب دیدیا،

حضرت کا قصد آپریشن (قدح چشم) کا تھا جب دن کو بھی سوجھائی دینا موقوف ہوگیا، تو حضرت نے کل مسودون کو ایک مخملی جزدان مین رکھکر ارشاد فرمایا کہ ہفتہ عشرہ مین آپریشن کرواتا ہون، بینائی اگر پلٹ آئی تو نظر ثانی کرکے اس کے چھپوانے کا انتظام کرونگا، اور اگر آپریشن کامیاب

نہ ہوا تو حالت موجودہ ہی مین چھپوادونگا پھر فرمایا جس مصیبت و تکلیف سے مین نے یہ کتاب تالیف و مرتب کی ہے اسکو میرا دل جانتا ہے، مین چاہتا ہون کہ جلد یہ کتاب شائع ہوجائے مگر افسوس اور ہزار افسوس یہ حسرت اپنے دل مین لے گئے، ارشاد مذکور الصدر کے کئی روز بعد دفعۃً حضرت کی حالت لمحہ بلمحہ سقیم ہوتی گئی تا اینکہ داعیِ اجل کو لبیک فرمایا،

بہ نظر حالات بالا کتاب حیات فریاد کا طبع کرانا مین اپنا فرض اولین سمجھتا ہون، ایک دفعہ یہ بھی فرمایا تھا کہ بوقت نظر ثانی بہت سے واقعات کا جواب یاد آتے جاتے ہین اضافہ کرنا ہے، خصوصاً باب چہارم مین،

مرحوم کو اس کتاب کی طباعت و اشاعت کی اسقدر عجلت تھی کہ ہنوز تکمیل کو نہین پہنچی تھی کہ کئی مطبع والون سے یہان گفتگو کی، پھر جناب مولٰنا سید سلیمان صاحب کو اسکی طباعت کے بارے مین خط لکھا، دادا صاحب حضرت فریاد کی تصویر کا بلاک بنواکر پانسو کاپیان چھپواکر رکھلین، اخیر مین یہ طے فرمالیا تھا کہ مطبع معارف مین یہ کتاب چھپیگی، اسی وجہ سے مین نے جناب مولٰنا سید سلیمان صاحب کو طباعت کی جانب متوجہ کیا اور مطبع معارف مین چھپوانے کا بندوبست کیا، گویا حضرت کی وصیت پوری کی، باری تعالےٰ اس کتاب کو مقبول خاص و عام کرے، تاکہ والد مرحوم کی محنت ٹھکانے لگے، اور حضرت کی روح پرفتوح خوش ہو، مین جناب مولانا سید سلیمان کا دل سے شکرگذار ہون، کہ جنابنے بخوشی تمام یہ زحمت اپنے سرلی، مسودون کے بعضون مین بعض جگہ غلطیان رہگئی ہین اس کا سبب یہ ہے کہ بوجہ موتیا بند کے حضرت ٹٹول ٹٹول کر لکھتے تھے، جا بجا بہت سے الفاظ مسودون مین پڑھے نہین گئے، بعض جگہ حضرت مرحوم نے غالباً بر وقت یاد نہ آنے کی وجہ سے ایک ہی مصرعہ لکھدیا ہے یا کوئی لفظ چھوڑدیا ہے، شاید اس خیال سے کہ آئندہ یاد جب آئیگا تو لکھدونگا، بہرحال بجنسہ نقل کردیگئی ہے،

احقر العباد سید حسین خان،

پیش لفظ

حیاتِ فریاد

کارنامۂ حیاتِ شاد

ناظرین! آیندہ اوراق مین جناب شاد عظیم آبادی مرحوم کی زندگی کا آخری کارنامۂ حیات ملاحظہ فرمائین گے، یہ الفاظ نہین جادو کے منتر ہین، جن کے زور سے سو برس کی مردہ ہڈیان زندہ ہوکر چلتی پھرتی نظر آتی ہین، یہ پورب کے باکمالون اور قدردانون کا مرقع ہے، اور اس کے بکھرے ہوئے تمدن کی تصویر ہے، کہنے کو تو مرحوم شاد نے یہ صرف ایک باکمال یعنی اپنے استاد حضرت فریاد عظیم آبادی کی سوانح عمری لکھی ہے، مگر درحقیقت یہ اُس عہد کی علمی و تمدنی تاریخ ہے، آزاد نے جس طرح آبِ حیات مین اردو کے پہلے (دہلی) اور دوسرے مرکز (لکھنؤ) کے باکمالون کی تصویر اتاری ہے، شاد نے حیاتِ فریاد مین اردو کے تیسرے مرکز (عظیم آباد) کے باکمالون کی مرقع کشی کی ہے،

شاد نے زندگی کے ابتدائی کارنامون کو اپنے خاتمۂ عمر مین انجام دیا، اور انھین اوراق کے خاتمہ پر اپنی زندگی کا آخری لمحہ بھی ختم کردیا، تاکہ ان مقدس اوراق کے بعد ان کے دستِ قلم

کسی اور بیگانہ تصنیف کو چھو نہ سکیں، شاد کا یہ آخری کارنامۂ حیات امید ہے کہ کارخانۂ حیات کے خاتمہ تک اردو دنیا مین قائم و باقی رہے گا،

ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما،

سید سلیمان ندوی، دار المصنفین،

اعظم گڈہ، ۲۱ر دسمبر ۱۹۲۷ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ

جو مثل شاد نادانی سے دولت اپنی کھو بیٹھے
وہ غافل اپنی پیاری زندگی کو آپ رو بیٹھے

جس باکمال نے زبانی لکچروں کے ذریعہ مسٹر جان مارشمین سے تاریخ بنگال مسٹر کارکرن سے دو جلدون مین تاریخ چین، مولانا عبداللہ عبیدی سے ترقی علوم وفنون اہل اسلام سے نادر مضمون پر ایک دلچسپ سالہ بلا مراجعت کتاب لکھوا دیا ہو جسکی فصیح وبلیغ نظمین بصورت غزلیات ورباعیات وقصائد وقطعات ہر ہفتہ کلکتہ کے اخبارات آئینۂ گیتی نما وسلطان الاخبار دو دو رہین کے پانچ پانچ چھ چھ کالمون مین بیس برس تک چھپتی رہین، حساب کرنے سے لاکھون شعر ہوتے ہین، جس نے اکثر تصنیفین نظم ونثر دوسرون کے نامزد کر دین جسکی زبان فیض ترجمان علوم وفنون کے خزانہ کی کنجی اور بولتی کتاب ہو کیا افسوس وحسرت کی بات ہے کہ اسی کے حالات زندگی سے لوگ ناواقف رہ جائین، سب ملا کر بیس برس کی مدت کچھ کم نہین، اگر توفیق رفیق ہوتی تو صرف اسی یگانۂ روزگار حضرت استاد علیہ الرحمہ کی سوانحمری تو کیا جس فن کی کتاب چاہتا جمع کر لیتا، یہ بات نہین کہ اس طویل مدت مین مجھکو کبھی سوانحمری لکھنے کا خیال نہ آیا ہو آیا اور اکثر آیا مگر فوراً ہی جب یہ خیال آیا کہ بھلا خاندانی یا حضرت کے نجی حالات جمع بھی

ہو گئے تو جس قدر مطلوب ہے اس قدر کلام کہان سے جمع ہو سکے گا اور پھر ایسے یگانۂ عصر کا کلام اگر کچھ درج بھی کر دیا گیا تو ناظرین پر کیا اثر پڑے گا، یہ تو معلوم تھا کہ حضرت کے پاس ان کا کوئی کلام بالاستیعاب نہین ہے۔ چنانچہ مولانا عبدالرؤف وحید مرحوم نے مختصر حالات حضرت استاد مرحوم کے جواہر منتخب کے ضمیمہ مین ۱۳۰۰ھ مین طبع و شایع کئے ہین تو یہی رونا روئے ہین وہ لکھتے ہین کہ :-

"حضرت فریاد از غایت استغنا و وارستہ مزاجی ہیچ گاہے بجمع تدوین و نظم و ترتیب و حفظ و نگہداشت گفتہ ہاے خود نپرداختہ، وازین جاست کہ اکثرے ازان دررِ غررِ معانی تلف شد،"

علاوہ حضرت کی غایت استغنا کے اور بھی اسباب حضرت کے کلام کے تلف ہونے کے ہوئے، جنکا کچھ ذکر آگے آئیگا، حضرت کی زندگی مین جب جب سوانحعمری لکھنے کا خیال آیا تو قصداً اس کا اظہار حضرت کے سامنے اسلیے نہین کیا کہ کلام کے تلف ہوجانیکی یاد حضرت کو آئے گی تو ضرور قلق ہوگا، ہر چند حضرت کو اردو کی طرف بہ مقابل فارسی مطلق توجہ نہ تھی آپ کے دوبارہ کلکتہ تشریف لیجانے کے کچھ عرصہ پیشتر حضرت کے ایک شاگرد کے شاگرد نے حضرت کو دھوکہ دے کر عرض کیا کہ بہت سا کلام حضرت کا متفرق و منتشر ہے حکم ہو تو ایک جا کر دون، اس پر اصرار کیا، ہمارے حضرت نے چودہ پندرہ جزء کا اردو دیوان اور کچھ متفرق غزلین حوالہ کر دین اور فرمایا کہ سب کو ایک جگہ صاف کر دو، وہ دبا بیٹھے اور کہہ دیا گھر مین آگ لگی دیوان جل گیا، سرِ دیوان یہ مطلع تھا،

کعبہ و دیر مین جلوہ ہے نمایان اونکا　　دو گھرون کا ہے چراغ اک رخِ تابان انکا

کلکتہ مین جب حضرت کے مکان مین آتشزدگی ہوئی تھی اس مین بھی حضرت کا بہت سا کلام اور تصنیفین جل کر تلف ہو گئین، خلاصہ یہ کہ اس تذبذب مین زمانہ ختم ہو گیا، حضرت کا سن

ہمارے سرون سے اُٹھ گیا، اب یہ مثل قدرِ نعمت بعد زوال دل مین چٹکیان لینے لگی حضرت
کے انتقال کے کچھ دنون بعد تک بھی کچھ واقف کار پرانے بزرگوار زندہ تھے اگر رجوع کرتا تو
مدت ہوتی کہ کتاب تمام ہو جاتی اور موجودہ حالت سے معلومات اس مین زیادہ ہوتے،
کئی سال ہوئے کہ مجھکو حضرت کے سوانح لکھنے کا پھر جوش پیدا ہوا مگر ایک ایسا سخت
واقعہ پیش آیا کہ برسون اسمین تعویق ہو گئی، کچھ عرصہ تک تو تصنیف ہی سے نفرت ہو گئی تھی خصوصاً
اپنے حضرت کے حالات جمع کرنے کے متعلق یہ سوچکر وحشت رہی کہ حضرت مرحوم کی وراثت
جب ملی ہے تو تمھاری کوئی تصنیف پوری اور کامیاب نہ ہوگی، تاوقتیکہ حضرت کی سوانحعمری نہ لکھو
مجھے یہ بھی اچھی طرح معلوم نہ تھا کہ میرے قبلہ وکعبہ ہر دوجہان استاد مرحوم کا چراغ خاندان
(سیدؔ ہمایون میرزا صاحب بیرسٹرایٹ لا متخلص حقیرؔ) دکن مین روشن ہو کر اپنی خاندانی قابلیت و
لیاقت، علم وکمال، نام ونشان ملکی وقومی فوائد کو آہستہ آہستہ بڑھا رہا ہے، اور خدا نے اپنے
فضل وکرم سے ایک خاتون بھی اس کو ایسی دی ہے کہ تمام محامد اوصاف مین فائق اور حقیقت مین
سرتاج خاتونان ہند ہے، اس کا تو ہم کو یقین کلی تھا کہ جس باپ کا یہ بیٹا اور جس خاندان کا یہ یادگار
ہے غیر ممکن ہے کہ بغیر ترقی کئے وہ رہ سکے، یعنی کبھی نہ کبھی اس پھول کی خوشبو اور اس جوہر
بے بدل کی شعاع پھیلے گی، بہت دن انتظار کرنا نہ ہوا، دو تین ہی مراسلات اور اس کے قابلانہ
تصانیف اور خیالات بلند عزم مستقل کشادہ دل سچی محبت وسیع واقفیت بھری دینداری نے بتادیا
کہ جو تو نے سوچا تھا اس سے بھی کہین دوچند نکلا، فالحمد للہ علی ذلک آج ہمارے حضرت کی روح
پرفتوح جنت مین پھولون نہ سماتی ہوگی،

سلہ فال قرآن کے رو سے سید ہمایون میرزا صاحب کا نام سید عاشق حسین ہے مگر ان کی والدہ محترمہ نے اپنے خاندان
کے نامون کی مناسبت سے سید ہمایون میرزا رکھا اور شہرت عرف کو دی،

افسوس ہے کہ ہمارے حضرت نے زندگی مین اسکی خوشی نہ اٹھائی کیونکہ حضرت کے انتقال کے وقت بھائی ہمایون میرزا صاحب بہت کمسن تھے، وہ لوگ بھی نہ رہے جنکو خالص محبت تھی کہ دیکھکر باغ باغ ہوجاتے، غرض عزیز موصوف کی تحریک وتشویق نے یہ کتاب لکھنے پر مجھے آمادہ کیا، اوّل تو برابر اپنے محبت آمیز مکاتیب کے ذریعہ سے نہ فقط دکن حیدرآباد ہی سے بلکہ حال مین جب دوبارہ وہ مع اپنی خاتون مکرمہ کے سفر وسیاحت یورپ کو تشریف لے گئے تھے، تشویق کا اظہار حالت سفر مین بھی کرتے رہے اور یورپ سے واپس آنے کے بعد حضرت کا کچھ کلام بھی بھیجکر مجھے مرہونِ منت کیا، باوجودیکہ ہمارے بھائی ہمایون میرزا صاحب کے مشاغل اور مصروفیتین گوناگون ہین، متعدد تصانیف وتالیفات ان کے قلم سے نکلی ہوئی ہین، پھر اپنے شغل بیرسٹری مین بھی مشغول ہین، لیکن برابر اس کتاب کی ترتیب وتکمیل کی طرف مجھے متوجہ کرتے رہے،

کسقدر خوشی کی بات ہے کہ انکی خاتون محترمہ بھی قومی وملی رفاہِ عام کے کامون مین ہمہ دم مشغول ومصروف رہتی ہین، تعلیم وتلقین نسوان کے لیے انجمنین سوسائٹیان اور مدارس قائم کرنے اور انکو ترقی دینے مین انہماک واستقلال کیساتھ بلاخیالِ مخارج کثیر مصروف ہین، پر انکی تالیف وتصنیف کا سلسلہ بھی جاری ہے، رسالہ النسا، انھین کے زیر قلم وزیر حمایت ہی، دکن کا یہ پہلا زنانہ پرچہ ہی جو چھ سات برس سے حیدرآباد سے نکل رہا ہے[1]

اس درمیان مین خدا جانے کتنے رسالے مختلف بلادِ ہند سے نکلے، چار دن اپنی روشنی دکھا کر ایسے غائب ہوگئے کہ کوئی نام تک نہین جانتا، مگر یہ پرچہ جس آب وتاب کے ساتھ پہلے

---

[1] یہ عجب حسن اتفاق ہی کہ پہلا اخبار جو مشرقی زبان فارسی مین ہند سے نکلا وہ آئینۂ گیتی نما تھا جسے سنہ ۸۵ء کے قبل ہمارے حضرت نے نکالنا شروع کیا تھا، اس کے مالک واڈیٹر خود ہمارے حضرت تھے، دکن سے جو پہلا زنانہ پرچہ النسا، نکلا وہ بھی انھین کے گھر سے انکی بہو صاحبہ صغرا بیگم صاحبہ نے نکالا،

دن نکلا تھا اسی رنگ و روپ سے برابر نکلا کرتا ہے۔ ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء اللہ
تعالیٰ ان دونون میان بی بی کے مقاصد دلی برلائے، یہ امر مین نفس الامر کہتا ہون کہ حیدرآباد
دکن کو ان دونون بے نظیر ہستیون کے وجود ذی وجود پر فخر و ناز کرنا چاہیئے کہ جو کچھ ان دونون
نے اس حاکم نشین شہر اور مخزن و معدن علم و امارت مین اپنی ہمت و علمی و مالی فیاضی سے
کر دکھایا اور استقلال کے ساتھ جو کچھ کر رہے ہین مغتنمات سے ہے،

اس کتاب مین جو مضامین ہین اون کے ماخذ کی کیفیت یہ ہے کہ ایک تو خود حضرت
رضوان مآب ہی نے وقتاً فوقتاً بعض حالات بیان فرمائے تھے، راقم نے اپنے بزرگون سے
بھی بہت کچھ سنا تھا پھر مولوی بندہ علی خان صاحب مرحوم کی زبانی جو کچھ سنتا آیا اور یاد رہا
زیب صفحۂ کتاب کیا،

خانصاحب مرحوم بہت دیرینہ سال اور ہمارے حضرت کی نانیہالی محلسرا کے قریب
مسکن پذیر تھے، اور ہمارے حضرت سے چودہ پندرہ سال عمر مین زیادہ تھے، انکی برابر اس
گھر مین آمد و رفت رہی، اور وہین علمی قابلیت حاصل کی، علاوہ ان کے جناب مستطاب آغا محمد
حسین خانصاحب مغفور خلف الصدق نواب آغا علی خان مؤلف تذکرۂ نشتر عشق ہین،

آغا صاحب مرحوم کا قدیم خاندان بھی حضرت کے نانیہال کے متصل مسکن گزین اور
نہایت باوقار رؤسا مین شمار ہوتا ہے آغا صاحب ہمارے حضرت سے تین چار برس چھوٹے
تھے، قریب العہد ہونے اور کثرت سے آمد و رفت کے سبب سے بہتیرے حالات حضرت کے
بیان فرمایا کرتے تھے، بعض واقعات اس کتاب مین حضرت کی زندگی کے اور خاندان کے
متعلق جناب مستطاب جامع علوم قدیم و جدید مخترمی جناب مولوی سید ہادی علی خان جنت
آرام گاہ کے بیان کئے ہوئے بھی ہین جنھون نے تقریباً بہتر سال کی عمر مین سولہ سترہ سال ہوتے

ہین کہ انتقال فرمایا،

آپ ہمارے حضرت کے حقیقی ہمشیرزادہ تھے، آپ کا آبائی خاندان بھی ہمیشہ سے ممتاز و موقر اور محلہ مغلپورہ مین امتیاز خاص رکھتا ہے، عربی علوم مین دستگاہ حضرت مولانا آقا محمد ایسے بے نظیر وحید فاضل سے حاصل کی اور جب تک تحصیل کو پورا نہ کرلیا باز نہ رہے، پھر اس زمانہ تاریک مین جبکہ علی الخصوص رُوسائے خاندانی کے نزدیک تحصیلِ زبان انگریزی عیب بلکہ جرم عظیم تھی تحصیل انگریزی شروع کردی اور اپنے ماموں صاحب کے ساتھ کلکتہ مین رہ کر امتحانات مروجہ اس وقت کے پاس کئے اور اس زبان مین اتنی ترقی کی کہ مین نے بولٹن صاحب سکریٹری گورنمنٹ کو یہ کہتے سنا کہ ہندوستانیون مین ہادی علیخان کے برابر انگریزی کم لوگ جانتے ہین،

آپ نے ایسی قابلیت کیساتھ اسپیشل رجسٹراری کی خدمت انجام دی کہ ہمیشہ گورنمنٹ اور پبلک آپکی مداح رہی آپ نے اپنی روشن خیالی کی وجہ سے اپنے تینون صاحبزادون کی تعلیم اعلیٰ درجہ کی دلوائی بڑے صاحبزادہ مولوی سید عبدالحمید خان بی اے وکیل جج منجھلے خانبہادر سید احمد علی خان بی اے ڈپوٹی مجسٹریٹ چھوٹے سید یحیٰی علیخان بی اے بی ال وکیل ہین اور یہ سب حضرات بڑے لائق وسعادتمند ہین، گو مختصر حالات ہادی علی خان صاحب مرحوم کے بیان کئے ہین، مگر دیباچہ طویل ہوگیا،

غرضکہ مولوی ہادی علی خان صاحب کا بھی مرہونِ منت ہون کہ آپ سے بھی بہت کچھ حالات حضرت کے منکشف ہوئے،

الغرض راقم اس کتاب کے مواد کے جمع کرنے مین ان سب صاحبون کا نہایت ممنون احسان ہے،

واضح ہو کہ جتنا ہی چاہا کہ یہ کتاب اطمینان وغور وفکر کے ساتھ مرتب ہو، مطالب زیادہ

ہون عبارت مختصر ہو لیکن اتنا ہی بعض امور نے مجبور کر دیا اور اپنے خیال کا پابند نہ رہ سکا،
مین معترف ہون کہ اس کتاب مین جا بجا طوالت ہو گئی ہے، مگر تاہم وضاحت ضروری
ہے، بے اطمینانی کی بڑی وجہ یہ ہوئی کہ اوّل تو مجھ کو خود بھر شائقین کتاب کو یہ اندیشہ تھا کہ میری
عمر جب کہ قریب الاختتام ہے، اور اسی سے متجاوز ہے یہ کتاب شروع کیگئی ہے، ایسا نہ ہو کہ
کتاب ختم نہ ہو اور مصنف جو پکا آم ہے موت کے شکنجہ مین آجائے، پھر کسی دوسرے سے یہ
کام انجام نہ پا سکے یہ خیال و اندیشہ ایک حد تک بجا بھی تھا، علاوہ ازین جب اس کتاب کا
مسودہ لکھنا آغاز کیا تو آنکھون مین عارضہ موتیا بند تیزی سے شروع ہو گیا یہان تک کہ چند ہی
ہفتون مین دن کو بھی ٹٹول ٹٹول کر مواد فراہم کرنا بہت دشوار ہو گیا چہ جائیکہ شب کو،
مزید برآن اسی قلیل زمانہ مین جو کتابین راقم کی تصنیفات زیر طبع تھین ان کے مسودون
کی دیکھ بھال الگ اور کاپیون اور پروف کی اصلاح و تصحیح الگ، اس موقع مین کوئی مدد
دینے والا بھی نہین، خود کوزہ و خود کوزہ گر و خود گل کوزہ، جن دقتون کا سامنا مجھے کرنا پڑا اسکو
میرا دل جانتا ہے، خدا کا شکر ہے کہ حضرت کی روح پر فتوح کی برکت و تصرف سے اس کتاب کو ختم کیا،

یہ کتاب ۷ بابون پر منقسم کیا ہے

باب اوّل - بیان حسب و نسب حضرت کے دادیہال اور نانیہال کے حالات،

باب دوم، حالات عہد طفلی سے لیکر ایام شباب تک کے اور نیز حالات ہمعصر و قریب العہد شعراء امراء وغیرہ کے،

باب سوم - مرشد آباد و کلکتہ کے سفر و قیام کے حالات، تقرر عہد ہائے اتالیقی مرشد زادگان و سفارت و نیابت،

باب چہارم - مراجعت بوطن و واقعات تا رحلت،

باب پنجم ۔ اخلاق وعادات و مذاق طبعی و عقائد مذہبی وغیرہ،

باب ششم ۔ حضرت کے اساتذہ و تلامذہ کے حالات،

باب ہفتم، مقدمہ نفس شاعری حضرت کا اردو فارسی کلام،

فقیر

علی محمد شاد،

دہم نومبر ۱۹۲۶ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب اوّل

حالاتِ نسب نظام الملّۃ حضرت سید شاہ الفت حسین فریاد علیہ الرحمۃ

چہ نام است این الٰہی تا کہ اندر کام جان آمد
ز ہر سو در مشامم نکہتِ باغِ جنان آمد

استادی و مولائی نظام الملّۃ حضرت سید شاہ الفت حسین فریاد رحمہ اللہ مقام بلدہ عظیم آباد (صوبہ بہار) اپنے نانیہال مین کتمِ عدم سے جلوہ گاہِ شہود مین رونق بخش ہوئے، تاریخ ولادت علی اختلاف الاقوال پنجم رجب المرجب ۱۲۱۹ھ ہزار و دو صد و نوزدہ ہجری ہے، مولد مبارک محلّہ دھولپورہ[1] متصل محلہ حاجیگنج ڈھائی کنگرہ کی مسجد کے سامنے پورب کی طرف حضرت کی نانیہالی عمارات کا صدر پھاٹک تھا، حسنِ اتفاق سے جس تاریخ وقت اور مہینے مین آپکے جدّ امجد اور پدر بزرگوار پیدا ہوئے تھے اسی تاریخ اور اوسی وقت اور اسی ماہ مبارک رجب الخیر مین حضرت بھی پیدا ہوئے

[1] دھولپورہ دراصل دولپورہ تھا، یہان روزانہ سہ پہر کو امرائے عظام و منصب داران شاہی کی سواریان بڑے تزک و احتشام سے نکلا کرتی تھین، از ان جملہ ایکس نقرئی عماری کے ہاتھی ہوتے تھے، ہمارے حضرت کے نانیہال کا بھی انھین امرائے عظام مین شمار تھا،

جس وقت حضرت کی ولادت باسعادت ہوئی حضرت ناناصاحب باہر کہین تشریف لیگئے تھے تھوڑی دیر کے بعد تشریف لائے، اس مولود مسعود نے اس وقت تک آنکھین نہ کھولین، جب تک حضرت کے ناناصاحب نے آکر اپنی گود مین لیکر اذان واقامت نہ کہی جتنی دیر آنکھین بند رہین سارے گھر مین عجب طرح کی خلفل رہی،

ایک مجذوب کی پیشین گوئی

ایک مجذوب کچھ عرصہ سے ڈھائی کنگرہ والی مسجد مین رہا کرتا تھا حضرت کی ولادت کے روز حضرت کے بڑے ناناصاحب کی خدمت مین دوڑا آیا، ہاتھ بڑھا کر کہا، کمال علی مبارک ہو تیرے گھر دوسرا سعدی پیدا ہوا، سعدی ہے دوسرا سعدی ہے، یہ کہکر خوب قہقہہ لگا کر ہنسا اور چلایا (یہ اشارہ ہمارے حضرت کی طرف تھا)

آغا محمد خان کی زبانی ایام رضاعت کے حالات

مرحوم ومغفور آغا محمد حسین خان[1] فرماتے تھے، کہ ولادت کے تقریباً دو مہینے کے بعد حضرت کی والدہ ماجدہ سخت علیل ہوگئین، رضاعت غیر ممکن ہوگئی، اور خاندان کے دستور بموجب ایسی مرضعہ جو ہر طرح خود شریف اور شریف الخاندان ہو تو وہ دودھ پلانے کے قابل سمجھی جاتی تھی ایسی مرضعہ کی تلاش مین ایک دن سارا گذر گیا، گو دو عورتین بلائی گئین، لیکن حضرت نے چھاتی منھ مین لے کر منھ پھیر لیا، اور دودھ نہ پیا، دوسرے روز آغا صاحب کی والدہ نے ایک شریف زادی کو بھیجا، حضرت نے اس کا دودھ پینا شروع کیا، آغا صاحب نے فرمایا کہ انکی والدہ فرماتی تھین کہ اور بچون کی طرح باآواز بلند نہ روئے البتہ آنسو بہتے تھے اور رونے کے عوض

---

[1] آغا محمد حسین خان مرحوم خلف نواب آغا علیخان مرحوم مؤلف تذکرہ نشتر عشق ہمارے حضرت سے عمر مین تین چار سال چھوٹے تھے، گو خود شاعر نہ تھے لیکن سخن فہم اور ہمارے حضرت کے کلام کے شیفتہ، ان کے بزرگون کا مکان بھی دھولپورہ مین ہمارے حضرت کی نانہالی عمارات کے متصل تھا دونون خاندانون مین بیحد ارتباط و اخلاص تھا آغا صاحب مرحوم کو حضرت کے خانوادے کے اور حضرت کے بچپنے اور شباب کے حالات خوب معلوم تھے ان کے انتقال کو تقریباً چالیس سال ہوئے،

پاکیزگی نسب

ہاتھ پاؤن زیادہ پھیکے لگتے تھے، حضرت کے بچپنے کے خصوصیات مین سے یہ بھی تھا کہ تعویذ سے نفرت تھی، گلے یا بازو مین تعویذ پہنایا یا باندھا جاتا تو بہت بیقرار ہوجاتے یہانتک کہ اُتار دینا پڑتا حالانکہ اگلے زمانہ مین امرا پر منحصر نہین غربا کے بچے تک بغیر تعویذ کے نہین ہوتے تھے

علوی خاندان مین اور پاکیزگی حسب نسب مین حضرت کے دادیہال اور نانیہال کے سب بزرگوار ضرب المثل تھے، جتنے طبقاتِ ان خاندان سے منسوب ہین سب مین کوئی نہ کوئی ایسا چمکتا ہوا ستارہ ہو کہ آسمانِ برتری پر اسکی جگہ ہے، حضرت اکثر خود ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ امام موسیٰ کاظم علیہ السّلام سے لیکر مجھ تک اکتیسوین پشت ہے، حضرت کے نانیہال اور دادیہال دونون خاندانون کے شجرے اور نسب نامے مفصل جو قدیم تھے باہمہ استغنائے مزاج وہ حضرت کے پاس محفوظ تھے، مگر اتفاقِ وقت کہ جہان حضرت کی نایاب تصانیف معدوم ہوگئین، یہ نسب نامے بھی تلف ہوگئے، ان چیزون کے تلف ہونے کے مختلف اسباب تھے، منجملہ جنکے ایک سبب یہ بھی ہوا کہ حضرت کے انتقال کے وقت بھائی ہمایون میرزا صاحب بہت کمسن تھے، حضرت کے والد سے لیکر دس پشتون تک کے اسما راقم کے پاس حضرت کے زمانہ سے مرقوم تھے بعد کو آغا محمد حسین خانصاحب کی ایک پرانی کتاب سے چھ نام اور بھی ہاتھ آئے، کتاب مذکور اگر ناقص الطرفین نہ ہوتی اور آخر کے اوراق تلف نہ ہوئے ہوتے تو یقیناً دونون خاندانون کے پورے نام دستیاب ہوتے، جیسا کہ عنوان مین آغا صاحب نے یون لکھا ہے،

"نسب نامہ حضرت سید شاہ الفت حسین صاحب فریاد سلمہ اللہ تمام وکمال از کتاب بیاض آنحضرت نقل گرفتہ شد مرقومہ ۱۲ رمضان ۱۲۵۳ھ در دیوان خانہ نواب کاظم علی خان بہادر"

اسکی نقل کو بھی نوے برس سے کچھ زیادہ ہوگئے،

ان سولہ پشتون کے اسمائے گرامی یہ ہین:-

سیّدی و مولائی حضرت سید شاہ الفت حسین فریادؔ ابوہ حضرت[1] سید شاہ نور الحسن، ابوہ سیّد شاہ محب اللہ[2]، ابوہ حضرت[3] شاہ عطاء اللہ بغدادی، ابوہ حضرت[4] سید شاہ مجیب اللہ، ابوہ حضرت[5] سید شاہ جلال، ابوہ حضرت[6] سید شاہ احمد طرسی، ابوہ حضرت[7] سید شاہ داسم، ابوہ حضرت[8] سید شاہ داصل، ابوہ حضرت[9] سید شاہ قاضی عین اللہ، ابوہ حضرت[10] سید شاہ رکن اللہ، ابوہ حضرت[11] سید شاہ معتصم، ابوہ حضرت[12] سید شاہ عین الدین، ابوہ حضرت[13] سید شاہ جمال، ابوہ حضرت[14] سید شاہ رکن الدین، ابوہ حضرت[15] سید شاہ انوار، ابوہ حضرت[16] سید شاہ عبد الجلیل الکبیر، ابن حضرت امام زادہ زید بن امام برحق حضرت امام موسیٰ کاظم صلوٰۃ اللہ علیہ و علی آبائہ و ابنائہ الطاہرین،

حضرت زید جن تک یہ نسب نامہ منتہی ہوتا ہے کتبِ سیر و تاریخ میں آپ ملقب بہ زید النار ہیں

حضرت زید النار کے لقب کا سبب

کتاب[1] عمدۃ الطالب فی نسبِ آل ابی طالب میں اسکی وجہ یہ لکھی ہے کہ جب آپ نے خلفائے بنی عباس پر لشکر کشی کی اور بصرہ فتح ہو کر آپ کا لشکر شہر کے اندر بغلبہ داخل ہوا، تو آپ کے حکم سے بنی عباس کے گھر اور نخلستان اور اسباب سب جلا دیئے گئے، اس وجہ سے آپ کو زید النار پکارنے لگے،

حال کے مورخون کا تعصب

زمانہ حال کے بعض مورخون نے خلفائے بنی امیہ و بنی عباس کو بدنامی سے بچانے کے لئے یا تو سرے ہی سے ان کے مظالم بصراحت مذکور نہین کئے یا رکیک تاویلین کر دی ہین، مگر جن لوگون نے مختلف و متعدد تاریخین پڑھی ہین وہ جانتے ہین کہ سادات عظام پر

---

[1] یہ معتبر ترین کتاب جو طبقات سادات اور حضرت ابو طالب کی اولاد کے تفصیل وار بیان میں ہے، زبان عربی مین ہے علامہ ابن جابل بن احمد نے ۸۲۸ھ مین تصنیف کی تھی حضرت زید کے بارہ مین یون لکھتے ہین، فلما دخل البصرۃ وغلب علیھا احرق دور بنی عباس واضرم النار فی نخلھم وابیاتھم فقیل لہ زید النار،

پر بنی عباس نے جیسے جیسے مظالم کئے ہین سلف سے آجتک اسکی مثال نہین ملتی، علی الخصوص حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السّلام پر،

حضرت زید معصوم نہ تھے، ایسے محل پر امام کو مستثنےٰ کر کے دیکھا جائے تو حضرت زید پر کیا منحصر ہے، خواہی نخواہی قوت انتقامیہ جوش مین آہی جاتی ہے، طوالت کا خیال نہ ہوتا تو مین ان افسوسناک حالات کے بیان مین بخل سے کام نہ لیتا، صاحب روضۃ الصفا کا بیان ہے کہ امام زادہ موصوف کی اولاد جس کثرت سے قتل ہوئی اتنی اور امامون کی اولادین قتل نہین کیگئین، اسپر جس کثرت اور افراط سے آپ کی اولاد اقصائے عالم مین پھیلی، اور مدارج علیا حاصل کئے، اگر نسبت اضافی کر کے موازنہ ہو تو شاید جملہ سادات سے پلہ انھین کی اولادون کا بڑھا رہے گا،

زید النار کی بعض اولاد نے خود کو رضوی بنایا،

روضۃ الصفا اور کتاب عمدۃ الطالب[1] دونون مین لکھا ہے کہ حضرت زید النار کی بہتیری اولاد نے خود کو اپنے عم محترم حضرت امام رضا علیہ السّلام کی ولدیت کی طرف منسوب کر دیا، اور وہ بجائے زیدی کے رضوی مشہور ہین، چنانچہ چند خانوادون کے نام بھی دیے ہین، حضرت زید شہید خلف حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کی اولاد بھی زیدی کہلاتی ہے عجب نہین کہ اس اشتباہ کے مٹانیکو ایسا کیا گیا ہو،

اس خاندان میں کثرت سے قاضی ہوئے

صاحب طبقات العرب لکھتے ہین کہ امام موسیٰ کاظم اور خصوصاً آپکے فرزند زید کی اولاد مین بہتیرے خطیب و مفتی و قاضی القضاۃ و صاحبان کشف و کرامات و تارکان دنیا بھی گذرے

[1] عمدۃ الطالب مین لکھا ہے، جب ابن سہل نے حضرت زید النار کو گرفتار کیا اور حضرت کو پابزنجیر کر کے مامون الرشید خلیفہ کے پاس شہر مرو مین بھیجدیا، خلیفہ نے آپ کا مقدمہ آپ کے بھائی امام رضاؑ کے سپرد کیا، امام نے آپ سے حلف لیکر رہا کر دیا، لیکن مامون رشید کو تاب کہان پکڑوا کر قتل کروا دیا،

ہین، اور بہتیری اولاد کو ورثہ شہادت کا بھی ملاہے، صاحب طبقات نے آپکی اولاد کے
بارہ مین یون لکھا ہے،

"وکانوا یشتھرون باولاد السیف یعنی شجاعت کے تلوار کے فرزند کہلاتے تھے"

پھر صاحب طبقات لکھتے ہین کہ

"خاصکر کے زید بن موسیٰ کی اولاد نے خلفا کے خوف سے خود کو جلاوطن کر کے جنگلون اور پہاڑون مین، دور دست بلاد مین پناہ لی، تبدیلِ نام ونسب پر مجبور ہوئے اس پر بھی پکڑ پکڑ لائے جاتے اور قتل کئے جاتے"

صاحب کتاب مذکور نے ابوالفدا کا حوالہ دے کر لکھا ہے کہ اس ہڑبونگ مین کتنے ہی سادات زید النار کی اولاد قرار دے کر مار ڈالے گئے،

تیسری صدی ہجری کے واقعات مین لکھتے ہین کہ

"جس زمانہ مین سہیل ابن ابراہیم یکے از اولاد زید النار نے لشکر جمع کر کے قہستان پر حملہ کیا، اور وہان کے بادشاہ قبول کر لیے گئے، اسی زمانہ مین زرادہ بن خالد نے کہ وہ بھی اولاد سے زید النار کے تھے، ہر قسم کا علم وکمال علی الخصوص علم حدیث وفقہ مین خود کو کامل بنایا اور بغداد آئے، اپنا نسب بدلکر خود کو ظاہر کیا، رفتہ رفتہ قاضی القضاۃ مقرر کیے گئے، ان کے سامنے ایک مرافعہ پیش ہوا فریقینِ مقدمہ مین سے ایک کا نام عباس دوسرے کا زید تھا اور حق شہادت بجانب عباس تھی، مگر قاضی نے زید کو ڈگری دی، اس پر کسی نے کہا کہ ایہا القاضی آپ نے یہ کیسا فیصلہ کیا، غرض گفتگو یہان تک بڑھی کہ اتحادِ نام کی بدولت بنی عباس اور زید النار کے معاملہ تک گفتگو پہنچ گئی، قاضی صاحب کو قدرتِ تحمل نہ رہی صاف صاف الزامات خلفائے بنی عباس پر دیئے، یہ خبر خلیفہ کو ملی، اتفاقاً خلیفہ کا آفتابچی قاضی کے حسب ونسب سے

واقف تھا اس نے خلیفہ سے پورا حال کہدیا آخر بیچارے قاضی زندہ جلوائے گئے، کتب تاریخ
مین کہین کہین قصص اور واقعات زید النار کی اولاد کے قابل تذکرہ ملتے ہین، مگر افسوس اسکا ہے
کہ راقم کے پاس بجز حضرت کی سولہ پشتون کے جنکے اسمار زیب اوراق صدر ہوئے باقی تیرہ
چودہ نام نہین ہین ورنہ ڈھونڈنے سے پتہ مل جاتا کہ آیا ان مین سے کون کون بزرگ ہمارے
حضرت کے سلسلہ مین داخل ہین، اتنا یاد ہے کہ خود حضرت فرماتے تھے کہ میرے اجداد نے
تین سو برس تک بادشاہت بھی کی ہے،

کتاب روضۃ الصفا مین بذیل واقعات منکو قاآن کے لکھا ہے،

ایک زیدی سید کے مزار کی برکت،

کہ چون بحکم برادرش چنگیز خان لشکر بر سر ملاحدہ کشید خود شاہ رئیس ملاحدہ تاب نہ آوردہ
جب منکو قاآن نے اپنے بھائی چنگیز خان کے حکم سے ملاحدہ پر لشکر کشی کی خود رئیس ملاحدہ لڑائی کی تاب لا سکا
عمارات پائین روضۂ مبارک قدوۃ السالکین زین الحق والدین رحمۃ اللہ علیہ کہ از اولاد زید بن
اور حضرت قدوۃ السالکین زین الحق والدین رحمۃ اللہ علیہ کی عمارات مزار کے پائین کے جا چھپا یہ بزرگ اولاد سے
موسیٰ کاظم است رضی اللہ عنہم متواری شد، قضائے کار از قتل و غارت ایمن گشت منکو را مہمے دیگر
زید ابن امام موسیٰ کاظم کی ہین، قضائے کار قتل و غارت سے بچ گیا، اس درمیان مین منکو قاآن کو اس مہم
سخت تر پیش آمد، چنانچہ گفتہ ائید، ملاحدہ کہ بر جلالت شان و کرامت امام زادہ موصوف طعنہ زنان
سے بھی زیادہ سخت تر ایک مہم پیش آئی جسکا آگے حال مذکور ہے قوم ملاحدہ اس روضہ کی عظمت نہ کرتی تھی بلکہ
بودند بصدق دل تائب اعتقاد کامل برین امام زادہ واجب الاکرام بہم رسانیدہ بزند ور و تعمیر
طعنہ زنی کرتی تھی اس تاریخ سے بصدق دل امام زادہ کی معتقد اور تائب ہو کر اعتقاد کامل امام زادہ موصوف کیساتھ
روضۂ مذکورہ اضافہ بسیار کردند"

پیدا کیا اور نذرین چڑھانے اور تعمیر مین روضہ کی بہت اضافہ کیا،

ممکن ہے کہ یہ بزرگ بھی ہمارے حضرت کے اس سلسلہ مین ہون جنکے نام نامی راقم کو نہ مل سکے، ازان جملہ ملا جامی نے اپنی کتاب شرح قصیدہ خمریہ ابن[1] فارض مین ایک جگہ لفظ خضیرہ کی بحث مین لکھا ہے کہ ایک قسم کی شراب کو بھی کہتے ہین، اور مثال مین یحیٰی بن جعفر کے دو شعر بھی دیئے ہین، افسوس ہے کہ یہ شرح میرے پاس سے جاتی رہی ورنہ مین اس علمی بحث کو ضرور اس جگہ درج کرتا، شعر مجھکو اس وقت یاد نہ رہے مگر ایک مصرعہ کے آخر مین یہ لفظ ہے،

لکن لاال خضیرۃ،

پھر یحیٰی بن جعفر کی شان مین یون فرماتے ہین،

کان امام الادباء کاملاً متفرداً فی زمانہ	یہ بزرگ ادیبون کے امام تھے فرد کامل تھے اپنے زمانہ مین
و مسلماً فی جودۃ الفکر وکان رحمہ اللہ	مسلمان لئے گئے تھے جودت فکر مین بھی خدا کی رحمت ہو انپر یہ بزرگ
من اولاد سیدنا زید النار ابن موسیٰ	اولاد سے سیدنا زید النار خلف امام موسیٰ کاظم
الکاظم رضی اللہ عنہ،	تھے،

مین اگر حضرت زید النار کی بلند قدر اولاد کا ذکر عربی فارسی تاریخون سے منتخب کرکے لکھون تو کئی جزو لکھنے پڑین گے، مگر چونکہ مجھکو معلوم نہین ہے کہ ہمارے حضرت کے سلسلہ مین بھی وہ ہین یا نہین اسلئے اس بحث سے قطع نظر کرتا ہون،

گفتگو اس مین ہے کہ ہمارے حضرت کے سلسلہ مین کون بزرگ اوّل اوّل سرزمین ہند مین

ہندوستان مین اس خاندان کے کون بزرگ پہلے تشریف لائے

[1] ابن فارض مصری ایک مشہور علامہ و ادیب مصر مین گذرا ہے، اس نے پہلے پہل اپنے ایک نعت کے قصیدہ کو خمریات کے تلازمہ کی تشبیب کے ساتھ تمام کیا، کل اصلاحین شراب ساقی، جام و خم کی صرف کین، علما نے سنکر تکفیر کی مگر جب کئی علما نے بالاتفاق خواب مین رسول اللہ صلعم کو اس قصیدہ کی تعریف کرتے دیکھا تو زبان بندکی تب سے خمریات کا رواج شروع ہوا،

رونق افروز ہوئے، اور سکونت اختیار کی، اس مین بھی افسوس اسکا ہے کہ خود ہمارے حضرت جن قدیم تاریخون کے اکثر نام لیا کرتے تھے، علی الخصوص افغانون اور خلجیون وغیرہ کی موجودہ تاریخون کے سواوہ تاریخین راقم کی نظر سے نہین گذرین، پٹنہ کی پبلک لائبریری مین بجز مشہور چند تاریخون کے فہرست مین ان تاریخون کے نام درج نہین ہین اور ہمارے حضرت کی یہ حالت تھی کہ ایک لفظ بھی بغیر شہادت تاریخ کے زبان سے نہ نکالتے تھے، غالباً ۱۳۰۵ھ مین ہمارے حضرت علیل ہوکر زندگی سے مایوس ہوئے، اس وقت بنظر عیادت چند عمائد موجود تھے، حضرت نے مخاطب ہوکر فرمایا "صاحبو چھ سو برس کا چراغ جو ہندوستان مین روشن چلا آتا تھا اب بجھتا ہے"

حضرت کے اس ارشاد کے بموجب اگر حساب کیا جائے تو ابتدا اس خاندان کے ورود کی سلطان محمد تغلق کے زمانہ مین پائی جاتی ہے، تاریخ نیر اعظم مین جہان سلاطین اسلام کے مذہبی اخلاق کے محامد کی ایک طویل فہرست دی ہے، یون لکھا ہے،

"وے (تغلق بادشاہ) باعتقادیکہ داشت ہموارہ بدیدن درویش باصفا سید شاہ عین الدین

تغلق بادشاہ کو بسکہ اعتقاد آپ سے تھا ہمیشہ زیارت کو درویش صاحب باطن شاہ عین الدین کی اولاد سے

کہ از اولاد امجاد زید بن امام موسیٰ جعفر علیہ السّلام بود، در موضع سمانہ قیام داشت آمدے چند

زید بن امام موسیٰ کاظم کے تھے اور موضع سمانہ (پنجاب) مین قیام تھا آیا کرتا، چند گاؤن متعلق بہ پنجاب خرچ خانقاہ کے لیے

اقطاع از پنجاب بجہت مخارج خانقاہ وقف ساختہ پیشکش ساخت از بسکہ عام و خاص، ربقہ اطاعت

وقف کرکے پیشکش کیے تھے بسکہ ان درویش کا حلقۂ اطاعت گردن مین ڈالے ہوئے تھا حضرت کو یہ جلیل خطاب نظام الملۃ

درویش موصوف در گردن خود می داشتند ملقب بخطاب جلیل نظام الملۃ والدین نمودہ بود این

والدین کا دیا تھا، یہ خطاب آپ کی اولاد مین رائج ہوا،

لقب در اولاد و اخلاف ایشان رواج داشت،

تاریخ فیروزشاہی مین لکھا ہے، کہ

فیروزشاہ بادشاہ کا حضرت عین الدین کی زیارت کو آنا

ہنگامیکہ بادشاہ (فیروزشاہ) بدین نہر مذکور می رفت، تا اینکہ قیامگاہ سید بزرگوار شاہ
بادشاہ نہر دیکھنے کے لئے گیا، اور سید شاہ عین الدین کا مسکن گو دور تھا لیکن
عین الدین از راہ متعارف منزلے بعید بود سلطان با نیاز تمام حاضر خدمت گشتہ بر دست سید
سلطان چونکہ عقیدت رکھتا تھا اسلئے سید صاحب کی خدمت مین حاضر ہوا، اور سید صاحب کے ہاتھ کو بوسہ دیا،
بوسہ داد، سید تسبیح از سنگ یشم کہ در دست داشت وگویند کہ از جد اعلائے خود زید بن امام موسیٰ
سید صاحب نے تسبیح سنگ یشم کی کہ ان کے ہاتھ مین تھی اور جو وراثۃً آپ کو اپنے جد حضرت موسیٰ بن جعفر علیہ السلام
ابن جعفر علیہ السلام بوراثت داشت نذر سلطان نمود، سلطان تسبیح را با دب تمام در مندیل پیچید
سے ملی تھی، سلطان کو نذر دی سلطان نے تسبیح کو ادب کیساتھ اپنی پگڑی مین رکھ لیا اور کبھی وہ تسبیح الگ کی
و گاہے از خود دور نمی ساخت[1]،

لیکن ان نقلون سے روشنی اس خاندان کے ورود اور ابتدائی سکونت پر نہین پڑتی، البتہ خطاب
نظام الملۃ والدین کا نہایت قدیم ہونا پایا جاتا ہے، کتاب[2] سیرۃ الانصار مین بذیل تذکرہ کرامات
حضرت بو علی قلندر علیہ الرحمہ دو روایتین اور دیکھین،

حضرت شاہ بو علی قلندر و حضرت سید شاہ دو اسم،

حضرت قلندر صاحب پانی پت مین بحالت جذب جھوم رہے تھے، دو تین مسافر حضرت

---

[1] اسی زمانہ سے اس خاندان کا یہ دستور رہا کہ جب کسی سلطان وقت سے ہمارے حضرت کے اجداد مین سے کسی نے ملاقات کی تو ایک تسبیح پیش کی، چنانچہ ہمارے حضرت جب اخیر شاہ اودھ حضرت واجد علی شاہ سے ملے تو پہلی دفعہ ایک تسبیح خاک پاک کی بادشاہ کو دی، نذرین خود سلاطین ان کے آبا و اجداد کو دیا کرتے تھے ہمارے حضرت نے بزمانہ ملازمت بھی ناظم بنگالہ کو کسی درباری موقع پر یا کسی اور موقع پر نذر نہین دی اور یہ شرط پہلے کر لی تھی، [2] مؤلفہ نواب باقر علیخان بن نواب عزت اللہ خان راسخ،

کے پاس تازہ وارد ہوئے آپ فوراً سنبھل بیٹھے اور ان مین سے ایک صاحب سے ہاتھ بڑھا کر مصافحہ کیا اور پوچھا کہ "بدرت شاہ انوار کہ برادرم بود کجاست" یہ بزرگ سید زادہ زید انبار بن امام موسیٰ کاظم کی اولاد مین سے تھے، سید شاہ وا اسم نام تھا، اور سید شاہ واصل کے فرزند تھے اور کبھی قلندر صاحب سے ملے نہ تھے، پھر خود ہی فرمایا، "چنانچہ برادرم شاہ واصل سفارش کردہ است من ترا بہ سلطان میرسانم" ان کو حیرت ہوگئی اور کہا "دو سال است کہ وصال ایشان شد در موضع سمانہ پنجاب" قلندر صاحب نے فرمایا، "قبر در موضع ہانسی است بلے نظام بود تو ہم ہستی" چنانچہ وہ بھی کچھ دنون کے بعد بادشاہ کی طرف سے ملقب بہ نظام الملۃ ہوئے، — خطاب نظام الملۃ اس خاندان مین

اسی کتاب مین ایک جگہ یون لکھا ہے کہ ایک دن حضرت بوعلی قلندر بحالت جذب دہلی مین سڑک پر جھومتے ہوئے جا رہے تھے کہ ایک مسجد مین ایک بزرگ وضو کر رہے تھے، پانی کی چھینٹ قلندر صاحب پر پڑی، نظر اٹھا کر دیکھا اور کہا کہ "اے سید نظام الملۃ نظر بپائین ہم بدار" اس کہنے کے ساتھ ہی لوٹے کا پانی جم گیا، ان سے لوگون نے کہا کہ قلندر صاحب جا رہے ہین ان پر چھینٹ پڑی ہے، یہ انھین کا تصرف ہے، وہ گھبرائے دوڑے قلندر صاحب نے پکار کر کہا، کہ "وضو کن وقت عصر تنگ است" اب دیکھا تو لوٹے کا پانی روان ہوگیا،

دوسری حکایت مین جو کہا ہے کہ سید نظام الملۃ اس سے پایا جاتا ہے کہ یہ بزرگ وہی شاہ وا ہم ہین جو پہلی بار پانی پت مین قلندر صاحب کی زیارت کو گئے تھے اور حضرت ہی کی پیشینگوئی سے ہو یا سفارش سے نظام الملۃ کا رتبہ بلند اور خطاب آبائی پایا، اس زمانہ مین خواہ اس کے قبل و بعد بجز اس خاندان کے اور کسی کو یہ خطاب نہ تھا،

تاریخ اقبال نامۂ جہانگیری مین نواب معتمد خان بخشی لکھتے ہین کہ:-

"و در سال دوم جلوس والا بر طبق عرضداشت احمد خان نیازی سید نور الدین درویش

را خطاب تاج الفقہا مرحمت شد و درہمان سال جعفر خان اسفرانی معروض داشت کہ سید شاہ واسم درویش کہ پدر آن از سلاطین پیشین مخاطب بخطاب جلیل نظام الملّۃ بودہ اند، شیر خان افغان جاگیرات وموقوفات در پورب داشت از خبثِ باطن ضبط کردہ حکم واگذاشت اصدار یافت گویند پدر وے مدتے قضائے بلدہ ہمان داشت واز درویشان کامل بود۔"

اس روایت سے یہی ظاہر ہے کہ یہ جلیل القدر خطاب نظام الملّۃ ہمارے حضرت کا خاندانی خطاب ہے، واضح ہو کہ حضرت پیر الملک ابو المعالی قدس سرہٗ جو ہمارے حضرت کے جد امجد حضرت سید شاہ محب اللہ نور اللہ مرقدہ کے نانا اور حضرت پیرانِ پیر محبوب پاک شیخ عبد القادر جیلانی عطر اللہ حظیرتہٗ کی اولاد سے تھے، نواب اسد خان وزیر اعظم و نواب ذو الفقار خان امیر الامرا کے پیر و مرشد تھے، یہ دونون امیر و کبیر حضرت پیر الملک کی اتنی عظمت کرتے تھے کہ آپ کے سامنے زانو تہ کئے ہوئے خاموش بیٹھے رہتے تھے، معز الدین جہاندار شاہ خلف بہادر شاہ ابن اورنگ زیب عالمگیر کے زمانہ مین دار السلطنت دہلی مین اپنے مرید دستور اعظم امیر الامرا نواب ذو الفقار خان کے حضرت پیر الملک مہمان تھے، کہ خود شہنشاہِ وقت جہاندار شاہ حاضر ہوا اور حضرت کے ہاتھ پر بیعت کی اور اپنے ہاتھ سے ایک دستار اور خرقہ و دس ہزار اشرفیان نذر کین، صاحبِ تذکرہ نشترِ عشق بضمن تذکرۂ ناصر علی سرہندی لکھتے ہین جسکا خلاصہ خالی از دلچسپی نہ ہوگا،

ایکدن ناصر علی موصوف نے ایک غزل لکھی جسکا مطلع مادحانہ وزیر اعظم نواب ذو الفقار خان کی شان مین تھا، مطلع

اے شانِ حیدری ز جبینِ تو آشکار   نام تو بر نبرد کند کار ذو الفقار

اور اپنے جوش مین غزل سنانے کو ناصر علی نواب ذو الفقار خان کے پاس پہنچے، اس وقت وزیر مذکور کے پاس حضرت سید شاہ ابو المعالی پیر الملک (والد بزرگوار حضرت سید شاہ غلام رسول

معروف بہ شاہ چولہائی) تشریف رکھتے تھے، وزیر نے ناصر علی کو تعظیم کرکے بٹھایا، اور حقہ کا پیچ شاہ
ناصر علی کی طرف بڑھایا، وزیر کی ہمیشہ عادت تھی کہ شاہ ناصر علی جب آتے تھے تو گوشۂ مسند پر انکو
بٹھاتے تھے چونکہ گوشۂ مسند پر حضرت پیر الملک پہلے سے بیٹھے ہوئے تھے، اس وجہ سے ناصر علی
کو کسی قدر پائین جگہ ملی، ناصر علی کو اوّل تو یہ امر ناگوار گذرا، دوسرے وزیر کو مخاطب کرکے کاغذ نکالا
اور اپنا مطلع زبان پر لائے، اس وقت وزیر دربار شاہی مین جانے کو مستعجل تھے، جلوس اور ہاتھی
حاضر تھا، وزیر نے مطلع سنکر تعریف کی اور خانسامان کی طرف اشارہ کیا اور شاہ ناصر علی کیطرف
دیکھ کر معذرۃً یہ کہا کہ "حضرت! اس وقت بقیہ اشعار کے سننے کی مہلت نہین ہے معاف فرمایئے،
دربار مین جارہا ہون" یہ سنکر ناصر علی چین بجبین ہوئے، وزیر ان سے عذر کرکے سوار ہو کر چلے گئے، حضرت
پیر الملک تو وہین فروکش تھے، ناصر علی تھوڑی دیر ان کے پاس بیٹھے رہے، اتنے مین نواب محمود
خان خانسامان سامنے آئے اور کہا کہ "حضور وزیر الممالک بہادر کے حسب الحکم اسّی ہزار روپیے
آپ کی نذر کے لیے حاضر ہین کیا حکم ہے؟ دولت خانہ پر بھیجدون یا اپنے ہمراہ نالکی پر لے جائیے گا"
ناصر علی سوختہ دماغ نہایت کبیدہ تھے، بولے کہ مین اس ناقدری کیساتھ روپیہ نہ لون گا اور نالکی
پر سوار ہو کر اپنے گھر چلے گئے، گھر پہنچکر شہر آشوب کے طور پر وزیر کی ہجو لکھنے لگے، اتنے مین وزیر کے
بھانجے اپنے استاد شاہ ناصر علی کی ملاقات کو آئے کاغذ پر جو نظر کی تو اپنے مامون صاحب کی
ہجو نظر آئی گھبرا کر مامون صاحب کے پاس آئے اور حقیقتِ حال سے مطلع کیا، وزیر مسکرائے اور
کہا کہ ناصر علی سوختہ دماغ ہے، بات سمجھا نہین بگڑ گیا، فوراً ہاتھی منگایا تو حضرت پیر الملک بھی
ساتھ ہوئے، ناصر علی کا دستور تھا کہ فرش کے گوشہ مین ایک کرسی رکھی رہتی تھی کوئی آئے فرش
پر بیٹھنے کی اسکو جگہ ملتی تھی، خود کرسی پر جلوہ گر رہتے تھے، مگر وزیر الملک کے لیے دوسری کرسی اور
پیر صاحب کی عظمت کا خیال کرکے تیسری کرسی بھی ناچار منگوائی، وزیر نے معذرۃً کہا کہ مجھکو معاف

کیجئے مجھ سے قصور ہوا، اوّل یہ کہ گوشۂ مسند پر حضرت پیر الملک پہلے سے تشریف رکھتے تھے، میری مجال نہ تھی کہ حضرت کو ہٹا دیتا، دوسرے بادشاہ نے ضروری کام کے لیے اس وقت یاد فرمایا تھا زیادہ ٹھہرنے کی تاب نہ تھی، تیسرے وہ رقم قلیل جو حاضر کیگئی اسکا سبب یہ ہوا کہ مین نے سوچا کہ مطلع کے علاوہ ہر شعر اسکا اس قابل ہوگا کہ اس پر دولتِ کثیر نذر کیجائے اور میرا خزانہ آجکل اسکا متحمل کہان، اسلیے بقدر استعدادِ خزانہ صرف مطلع ہی کے سننے پر کفایت کی، یہ سنکر ناصر علی بیحد متاثر ہوئے اور رونے لگے،

اس نقل کے تحریر کرنے سے ایک تو یہ ظاہر کرنا ہے کہ اگلے امرائے اسلام باکمالون کے کیسے کیسے ناز اٹھاتے تھے، یہی سبب تھا کہ محصلانِ کمال بھی تحصیل و کسبِ کمال مین اپنی عمرین کھپا دیتے تھے حقیقت مین نہایت قابلِ قدر و تعریف ہین ایسے باکمال جو کسی قسم کا مزدِ محنت نہین پاتے اور تحصیل کمال کیے جاتے اور اپنی عمرین اسمین صرف کرتے ہین، دوسری بات یہ دکھائی ہے کہ ہمارے حضرت کے خاندان عالی مین کیسے کیسے ذی وقار بزرگوار گذرے ہین کہ سلاطین و وزرا انکی خدمت کو سعادت اور انکی عظمت کو سرمایۂ عزت جانتے تھے، چنانچہ ہمارے حضرت ایک قصیدۂ غرا کی تشبیب مین کیا خوب فرماتے ہین،

گرچہ پدر بر پدر ہست بگیتی شمر	پایۂ فضل و ہنر منصب شایان من
مرجع شاہان بودند ملک پناہان بودہ	فیض نگاہان بودند جملہ نیاگان من

یعنی علی التسلسل میرے اجداد کا پایۂ فضل و ہنر میرے لیے منصب لایق تھا، کیونکہ میرے بزرگوار بادشاہون کے مرجع (جائے رجوع) تھے اور ملک کے لیے پناہ اور نگاہین انکی فیض پہنچانے والی تھین پھر عاجزانہ یون ارشاد فرماتے ہین،

لیک ازین فخر و ناز کرد مرا بے نیاز	ذرۂ سوز و گداز گنج فراوان من

یعنی باوجود اس کے کہ مجھکو اس فخر و ناز سے بے نیاز کر دیا ہے لیکن سوز و گداز عشق کا (عشق الٰہی) ایک ذرہ میرے لیے بڑا گنجینۂ دولت ہے،

راقم نے ایک دفعہ حضرت سے عرض کی کہ شہر گھاٹی کے متصل جو عظیم الشان خانقاہ حضور کے خاندان کی تھی اور بادشاہِ وقت کی طرف سے کئی پرگنے اس کے لیے وقف کئے گئے تھے کیا یہ حضرت پیر الملک کے زمانہ مین وقف کئے گئے تھے، جہاندار شاہ نے جب بیعت کی تو اس وقت نذر کئے تھے، حضرت نے اس کے متعلق ایک تاریخی مضمون بیان فرمایا جسکا اعادہ اس جگہ خالی از دلچسپی نہ ہوگا، حضرت نے فرمایا،

"یہ خانقاہ تو دو سو برس قبل سے قائم تھی اس کے لیے بہار و بنگالہ کے افغان بادشاہ حاجی الیاس نے جو خود بانی قلعہ حاجی پور تھا دو پرگنے (ہائی اور آنچھا نام کے) وقف کئے تھے جنکی آمدنی اس وقت تقریباً دو لاکھ تھی، اس وقت حضرت پیر الملک کا وجود نہ تھا آپکے دادا یا پردادا کا زمانہ ہوگا، حاجی الیاس کے بعد جب زمانہ شیر شاہ کا آیا، پہلے اپنی چالاکیون سے سارے صوبہ بہار پر دخل جمالیا، پھر ہمایون بادشاہ سے چھیڑ چھاڑ شروع کی، بادشاہ نے فوج بھیجکر قلعۂ چنار گڑھ چھین لیا جہان شیر خان اپنے عیال کو محفوظ رکھنے کا ارادہ رکھتا تھا،

قلعہ چنار گڑھ نکل جانے کے بعد اس کے دل مین یہ خیال آیا کہ کسی طرح کوئی اور مضبوط قلعہ اپنے قبضہ مین لینا چاہیئے، قلعہ رہتاس اسکے وطن سہسرام کے قریب تھا، قلعہ رہتاس کو لڑبھڑ کر لینا آسان نہ تھا اسلیے شیر خان یہ چال چلا کہ اس برہمن کو جو راجہ چنتامن مالک قلعہ دار رہتاس کا پجاری تھا نالہ و زاری کرکے اور یہ کہکر اسکو ہموار کیا کہ ہمایون بادشاہ مفت حسد سے میرے درپئے آزار ہے اور میرے ناموس پر دست درازی کی فکر کر رہا ہے، قلعہ چنار گڑھ جو میرا مامن تھا وہ چھن گیا، دوسرا کوئی قلعہ بجز رہتاس کے ایسا نہین کہ

جہان اپنی مستورات کو اطمینان سے رکھ کر مغل کا مقابلہ کرون تم میری مدد کرو اور رہتاس مین چند دنون کیلیے میرے متعلقین کو رہنے کی اجازت راجہ سے دلواؤ برہمن نے متاثر ہو کر راجہ سے سفارش کی اور موثرانہ جملون مین کہا کہ حقِ ہمسایہ ضرور ہے شیرخان اس وقت ہر طرح سے تنگ ہو رہا ہے ختم برسات تک شیرخان کے عیال واطفال کو قلعہ مین جگہ دیجئے راجہ نہ مانتا تھا مگر برہمن نے آب و دانہ چھوڑ دیا، اور راجہ سے کہا کہ جب تک اجازت نہ دوگے مین یونہی بے آب و دانہ رہونگا اور اپنی جان دے دونگا، برہمن کا یون جان دینا ہندؤن مین گناہ عظیم ہے ناچار راجہ کو اجازت دینا فرض ہوگیا،

برہمن نے شیرخان کو خبر دی کہ راجہ صاحب نے پکا وعدہ کر لیا ہے تم اپنے متعلقین کو جب چاہو بھیج دے سکتے ہو، یہ سنتا تھا کہ شیرخان نے کئی سو بڑی بڑی ڈولیان بنوائین اور بروز وعدہ ہر ڈولی مین عورتون کی جگہ دو دو مسلح پٹھان، اور حسب قاعدہ ڈولیون پر پردہ پڑا ہوا ہر ڈولی کے ہمراہ بے ریش وبرودت نوجوان پٹھانون کو کنیزون کا لباس پہنا کر قلعہ مین بھیجا، غرض اس تدبیر سے چھ سات سو افغان قلعہ کے دروازہ پر پہنچ گئے راجہ غریب کو خبر ہوئی وہ خود مع اپنے لڑکون اور عزیزون کے مہمانون کی سربراہی اور استقبال کو باہر نکل آیا، دربانون کو حکم دیا محافظون نے دروازے کھول دیئے اور سب کو اندر آنے دیا، جب سب اندر داخل ہوگئے دفعتہً ڈولیون کے پردے الٹ کر یہ پٹھان دست بہ شمشیر نکل آئے، راجہ اور اس کے جتنے لواحق تھے سب مارے گئے، اس طرح یہ دشوار گذار قلعہ بآسانی ہاتھ آگیا،

شہر گھاٹی رہتاس کے علاقہ مین ہے خانقاہ کے سجادہ صاحب سے اور راجہ سے بہت ربط تھا، یون تو یہ ظلم و فریب وہی سب کو ناگوار ہوئی لیکن شاہ صاحب پر غیر معمولی اثر ہوا اور زبان سے بھی شیرخان کے حق مین ملامت کے کلمے نکالے جسکی خبر شیرخان کو بھی ہوگئی

جب وہ سارے ملک پر قابض ہوگیا اور شیر شاہ ہوا تو دونون پرگنے چھین لیے، مدت درازتک دونون پرگنے شریک خالصہ رہے،

حضرت پیرالملک کے دادا صاحب کا جب زمانہ آیا اور راجہ مان سنگھ قلعہ دار رہتاس ہوئے تو اکبر بادشاہ سے راجہ مان سنگھ کی معرفت استدعائے واگزاشت کیگئی مگر اس وقت کچھ ایسے واقعات پیش آئے کہ یہ پرگنے واگذاشت ہوتے ہوتے رک گئے، شاہجہان جب اپنے پدر جہانگیر سے ناراض ہوا اور باپ بیٹے مین مناقشہ بڑھکر نوبت جدال وقتال کی پہنچی، شاہجہان اسی زمانہ شہزادگی مین شہر گھاٹی کی طرف آیا، حضرت پیرالملک کے والد ماجد کا زمانہ تھا، وہ شہزادہ مذکور کی خدمت مین خود تشریف لے گئے، شہزادہ نے خانقاہ وغیرہ کی کیفیت دریافت کی، پرگنون کی ضبطی کی کیفیت بھی سنی، اس واقعہ کے قریب ہی زمانہ مین جہانگیر کا انتقال ہوا، شاہجہان تخت نشین ہوا، اس وقت پھر استدعا کیگئی، بادشاہ نے کہا ہم خود ادھر گئے ہین، شاہ صاحب سے مل چکے ہین، دونون پرگنے خانقاہ کے لیے واگذاشت ہونے ضرور ہین، باوجود بادشاہ کے اس کہنے کے واگذاشت نہین ہوئے، اورنگ زیب کے زمانہ مین تقریباً سوا سو برس ضبط رہنے کے بعد یہ پرگنے واگذاشت ہوئے تھے،،

پھر مین نے عرض کیا کہ انگریزی ابتدائی عہد مین تو پرانی خانقاہون کے وثائق و کاغذات جو پیش کئے گئے تھے، اس بنا پر اوقاف بحال رکھے گئے چنانچہ اب تک خانقاہون کے قبضہ مین ہین، ان پرگنون کا کیا حشر ہوا، حضرت نے فرمایا،

،،تم نے تاریخون مین میر قاسم صوبہ دار کی سخت گیری اور اکثر موقوفات کے ضبط کر لینے کا حال دیکھا ہوگا، قصہ طویل ہے، اس نے ضبط کرلیا، اسناد وقف نامجات شاہی دیکھنے کے حیلہ سے طلب کئے تھے، دادا صاحب حضرت سید شاہ محب اللہ خود لیکر گئے تھے،

کاغذات کو دیکھ کر بہت تشفی دی اور کاغذات اس وقت رکھ لیے اور کہا بوقتِ فرصت سب کو دیکھون گا، اسی اثنا مین انگریزون (ایسٹ انڈیا کمپنی کے کارپردازون) اور میر قاسم سے جنگ پیش آئی، اودھوا کی جنگ کی شکست کے بعد میر قاسم شہر گھاٹی کے رستہ سے بھاگے تو دو دن خانقاہ کے قریب قیام رہا خانقاہ کی طرف سے سربراہی کیگئی، رسد وغیرہ پہنچائی گئی، انگریزون کے جاسوس و مخبر لگے ہوئے تھے جب انگریزون کا تسلط ہوا میر جعفر کو برائے نام مستقل فرمان روائے بنگالہ و بہار بنایا اور درحقیقت خود مختار رہے، پرگنے ضبط کر لیے، داداصاحب نے واپسی کے لیے تحریک کی کچھ دنون معرضِ التوا مین یہ معاملہ رہا آخر یہ جواب انگریزون کی طرف سے ملا کہ شاہ صاحب میر قاسم کے دوست ہین اس کو رسد پہنچائی دعوتین کین، اسی سے پرگنون کو طلب کرین، وہ کیا اسکو غنیمت نہین سمجھتے کہ ان کے ساتھ کوئی زیادہ پرخاش نہین ہوتی،،

حضرت پیر الملک کے صاحبزادہ حضرت سید شاہ غلام رسول معروف بہ شاہ چولھائی ہمارے حضرت کے دادا کے حقیقی ماموں تھے انکے بعد چونکہ وہ لاولد تھے، حضرت کے داداہی صاحب سجادہ خانقاہ شریف تھے اسلئے ان کے قبضہ سے پرگنے انگریزون نے نکال لیے تھے،

حضرت غلام رسول شاہ چولھائی کیون مشہور ہوے

حضرت شاہ چولھائی کے زمانہ سجادگی مین جبکہ دونون پرگنے قبضہ مین تھے دو لاکھ کے قریب آمدنی تھی، خانقاہ کا احاطہ دور تک تھا، روزانہ سیکڑون رکابیان پلاؤ کی ساکین و مستحقین کو تقسیم ہوتی تھین اور سال مین ایک دفعہ حضرت پیر الملک کے عرس کے زمانہ مین تانبے کی رکابیان پلاؤ بھر بھر کے بٹتی تھین روزانہ چوبیس گھنٹہ پلاؤ کی دیگین چڑھی رہتی تھین چولھا کبھی ٹھنڈا نہین ہوتا تھا، یہی سبب ہوا کہ لوگون نے شاہ چولھائی لقب دیا،

آپ کا حکم تھا کہ خانقاہ کے دو دو کوس ارد گرد کوئی شکار نہ کرے اس لیے اکثر وحشی جانور مانوس ہوگئے تھے بعض دفعہ لوگوں نے شیر تک کو دیکھا کہ خانقاہ کے احاطہ کے اندر کسی جانب پڑا سو رہا ہے، یہ بات مشہور ہوگئی تھی کہ شب عاشورہ محرم کو خانقاہ کے امام باڑہ مین ضریح والی شہ نشین کے قریب رات بھر ایک شیر ٹہلا کرتا تھا اسلیے سر شام اس شب کو روشنی کر دیجاتی تھی اور اندر جانے کا کسی کو حکم نہ تھا،

ہمارے حضرت کے دادا حضرت سید شاہ محب اللہ کو زمانہ شباب مین شکار کا بہت شوق تھا اور بڑے قادر انداز تھے، حضرت شاہ غلام رسول عرف شاہ چوبھائی صاحب نے شکار کی ممانعت دو دو کوس ارد گرد خانقاہ کر دی تھی، اور فرما دیا تھا کہ اس رقبہ مین جتنے جانور ہین میری پناہ مین ہین،

ایک ہرنی کا واقعہ

اسلیے حضرت شاہ محب اللہ بندوق لیے جنگلون مین دور نکل جایا کرتے تھے، ایک دن جنگل بن ممکن ہے کہ وہ دو کوس کے اندر ہو ایک ہرنی پر گولی چلائی، گولی ران مین لگی وہ گر گئی، آپ دوڑے کہ اسکو ذبح کرین جب قریب پہنچے وہ نظر سے غائب ہوگئی آپ پر بہت ہیبت طاری ہوئی گھر واپس آکر پلنگ پر لیٹ گئے، تھوڑی دیر بعد حضرت شاہ غلام رسول نے آپ کو بلوا بھیجا۔ حضرت اٹھکر اپنے ماموں صاحب کی خدمت مین گئے تو ان کو کمال غضبناک پایا اور فرمایا تم کو معلوم نہین ہے کہ مین نے خانقاہ کے قریب شکار کرنے کی خاص و عام کو ممانعت کی ہے، غریب ہرنی نے تمھارا کیا بگاڑا تھا کہ اس کو گولی ماردی، یہ سنکر شاہ محب اللہ کو ایک حجرہ کیطرف لے گئے، اس کوٹھری مین وہ زخمی ہرنی خون آلودہ پڑی تھی اور دو بچے اس کے پیٹ سے لگے پڑے تھے، حضرت شاہ چوبھائی نے اس کا علاج کیا اسکی تیمارداری خود کرتے رہے یہانتک کہ وہ اچھی ہوگئی اور بچون کو لیکر جنگل کی طرف چلی گئی،

ہمارے حضرت فرماتے تھے جب سے یہ واقعہ ہوا تھا دادا صاحب نے شکار تو ایک طرف گوشت کھانا ترک کر دیا تھا، حضرت شاہ محب اللہ کی شادی حضرت قاضی سید منصور کی پوتی سے ہوئی تھی، جنکا مزار موضع آبگلہ مین متصل شہر گیا ہے، قاضی سید منصور و قاضی سید اسمٰعیل شہدی کی اولاد سے تھے،

اور حضرت ناصر اسمٰعیل ہمدانی کے پوتے تھے، جنکا تذکرہ بجلالت قدر ملا جامی نے اپنی کتاب سلسلۃ الذہب مین کیا ہے، ملا جامی نے باین عبارت یاد کیا ہے۔

"گویند چون بہ مشہد رضا قابض می شد درشبہا و بر احضوری آن امام عالیمقام می شد والعلم عنداللہ"

علاوہ ازین حضرت شہید رابع قاضی سیّد نور اللہ شوستری نے بھی حضرت ناصر بن ہمدانی کا ذکر اپنی کتاب مجالس المومنین مین کیا ہے،

ہمارے حضرت کے پدر بزرگوار حضرت سیّد شاہ نور الحسن خلف حضرت سید شاہ محب اللہ اگرچہ درویشان سجادہ نشین کے فرزند تھے، مگر بڑے بڑے امرا ان کے حشم وجاہ کو نہین پہنچتے تھے، اُن کو علاوہ علوم فارسی و عربی تفسیر و حدیث و ادبیات کے فنِ سپہ گری کی بھی تعلیم دلوائی گئی تھی جیساکہ اس زمانہ کا قاعدہ تھا کہ ہر امیرزادہ فنِ سپہ گری کو ضرور حاصل کرے، حضرت کو گھوڑون کا بہت شوق تھا اور عمدہ شہسوار تھے جبکہ ہمارے حضرت کی عمر تیرہ چودہ سال کی تھی حضرت کے پدر بزرگوار اساس دیوہ سے پیر بگہ بسواری اسپ تشریف لارہے تھے کہ گھوڑا چمکا سکندری کھائی حضرت گرے چند گھنٹون کے بعد انتقال کیا، گھوڑا وہی تھا جو ہر وقت سواری مین رہتا تھا،

ہمارے حضرت اپنے پدر بزرگوار کے بارہ مین فرماتے تھے کہ شاعر نہ تھے مگر کبھی کبھی حضرت علیؑ کی شان مین کچھ نظم کرلیا کرتے تھے، حضرت نے ایک رباعی ایکدفعہ پڑھکر سنائی تھی وہ منقبت مین تھی مینے یاد کرلی تھی مگر اس وقت یاد نہین ہے، ایک مشہور شعر پر حضرت شاہ نور الحسن صاحب کی نظم بھی مین نے یاد کرلی تھی وہ یاد رہگئی، وہ اس جگہ پر درج کرتا ہون، اس سے حضرت کے اعتقاد پر روشنی پڑتی ہے،

علیؑ بعد از رسولِ پاک اکرم — بود برتر زکلِ اہلِ عالم،
علیؑ کو رتبہ اش از مرسلان بیش — ملایک در عقب باشند او پیش
چو سر حق نہان اوصاف آن ذات — علیؑ را ماندانستیم ہیہات

علی را قدر پیغمبر شناسد   کہ ہرکس خویش را بہتر شناسد

حسن اتفاق یہ کہ حضرت سید شاہ نورالحسن صاحب مرحوم کی شادی بھی ایسے خاندان مین ہوئی جو کسی بات مین آپکے خاندان سے کم نہین، صوبہ بہار مین حضرت سید شاہ کمال علی صاحب کا دور دورہ تھا، حضرت کی برادر زادی کی نسبتین بڑی بڑی جگہون سے آئین، مگر آپ کا خیال یہ تھا کہ کوئی خاندان علاوہ وجاہت ظاہری کے اعتقاد مذہبی مین بھی مماثل ہو تو رشتہ و پیوند کیا جائے،

واضح ہو کہ جب بنی عباس کے سخت ظلم وستم کی وجہ سے سادات بنی فاطمہ جلائے وطن پر مجبور ہو کر اکناف عالم مین جا کر بسے تو زیادہ تر وہی مقامات اختیار کئے جہان مسلمان حکام تھے، بیشتر حکام متعصب ملاؤن کے محکوم ہوتے تھے اور یہ ملاان ملاؤن کے پیرو اور معتقد تھے جو بغداد وغیرہ مرکز اسلام کے خلفا کے زیر اثر تھے، اسلئے غریب سادات جلائے وطن بھی ہوتے تھے اور آزادی سے مراسم مذہبی ادا نہ کر سکتے تھے، اس کا بیان بہت طویل ہے، اس کتاب مین اسکی گنجائش کہان، قصہ مختصر ان کی حفاظت اس مین تھی کہ مشائخ بنین،

الغرض طرفین پر جب یہ ثابت ہو گیا کہ اعمال ظاہری کے علاوہ اعتقادات باطنی بھی یکسان ہین تو نہایت مسرت کے ساتھ حضرت سید شاہ کمال علی صاحب نے اپنی برادر زادی محترمہ کو حضرت سید شاہ نورالحسن سے بیاہ دیا، یہی مخدومہ ہمارے حضرت کی والدہ ماجدہ تھین، اپنے والد اور والدہ سے دینیات کی کتابین پڑھی تھین،

ہمارے حضرت کے نانا سادات بارہہ سے تھے، اصل وطن جانسٹھ ضلع مظفر نگر کھاپ چہارم لقب چتر بیار تھا، آپ کے جد امجد نواب سید محمد نصیر خان نصیر الملک برادر عم زاد قطب الملک سید عبداللہ خان وزیر اعظم و امام الملک نواب سید حسین علیخان امیر الامرا تھے،

ایک عرصہ تک راقم کو یہ نہین معلوم تھا کہ راقم کی دادی صاحبہ سے اور ہمارے حضرت سے

کوئی قرابت بھی ہے، ہمارے حضرت کلکتہ سے بار اوّل جب وطن تشریف لائے تو راقم کی دادی صاحبہ کا انتقال ہوچکا تھا، بہایت متاثر ہوکر والد مرحوم سے حالاتِ مرض وغیرہ پوچھا کئے، تو اثنائے گفتگو مین باجی صاحبہ کے نام سے دادی صاحبہ کو یاد فرمایا، راقم نے متعجبانہ طور سے بعد کو والد مرحوم سے دریافت کیا تو فرمایا کہ:-

"سید عبداللہ خان قطب الملک پانچ واسطون سے تمہاری دادی کے دادا ہوتے تھے، اور حضرت کے نانا کے جدامجد کے حقیقی چچازاد بھائی نواب قطب الملک مرحوم تھے حضرت سے لیکر ان تک بواسطہ والدہ کے پانچ پشتین ہوتی ہین، چنانچہ تمہاری دادی کے باپ میر بادشاہ علی خان حضرت سید شاہ کمال علی صاحب کو عمو صاحب کہا کرتے تھے"۔

جب تک حضرت عظیم آباد مین تھے برابر دادی صاحبہ کے پاس آیا کئے، پردہ نہ تھا، باجی صاحبہ کہکر خطاب کیا کرتے تھے، عمر مین دادی صاحبہ بہت بڑی تھین،

حضرت سیّد شاہ کمال علی صاحب تین بھائی تھے سب سے بڑے حضرت سید شاہ کمال علی صاحب علامۂ وقت دوسرے حضرت سیّد کلب علیخان تیسرے اور سب سے چھوٹے نواب میر ذوالفقار علی خان، ان تینون بھائیون کے پدر بزرگوار نواب میر فیض علیخان بہادر ولد نواب سیّد محمد نصیر خان نصیر الملک بہادر تھے،

نواب سید محمد نصیر خان کا مختصر حال یہ ہے کہ اورنگ زیب عالمگیر بادشاہ کے زمانہ مین آپ اپنے والد کے بعد منصب دار واعلیٰ درجہ کے امیر دہلی مین تھے اور جیسا کہ تاریخ مآثر الامرا مین بذیل تذکرۂ نواب کامگار خان[1] بہادر لکھا ہے،

---

[1] یہ وہی نواب کامگار خان ہین کہ اپنے مشہور قطعہ مین جو مشتمل بانواع مسائل علیہ ہے نعمت خان عالی نے جنکی ہجو ملیح کی ہے پہلا مصرعہ یہ ہے، کہ خدا شد بار دیگر خان والا منزلت،

"چون خاطر والا از سلطان ابوالحسن معروف بہ تاناشاہ والیِ حیدرآباد دکن از مدتے کدورت داشت فرمان قضاجریان بطور نصائح تہدید آمیز بنام سلطان موصوف صادر گشتہ بعہدت نواب کامگار خان و نواب سید محمد نصیر خان بارہا باپیغامات زبانی وقدرے شیرینی اُنش خاص بحیدرآباد فرستادہ شدہ شنیدہ شدکہ سلطان باوجود سلطنت بہ احترام این امراد قیقہ فرونگذاشت خود میگفت کہ چون پیغام تہدید آمیز حضرت ظل سبحانی را بخدمت سلطان عرض کردم بجوابش آنچنان مدلل و موثر تقریرے کرد کہ متحیرانہ ساکت شدم۔"

ماثرالامرا کی اس تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ نواب سید محمد نصیر خان اورنگ زیب کے امرا مین تھے پھر تاریخون نے نواب نصیر خان موصوف کا مذکور نہین کیا ہے اور پھر اس امیر کا ذکر سلطان ابوالحسن کے وزرا مین آیا ہے، اسکا سبب غالباً یہ ہے کہ نواب موصوف پر سلطان تاناشاہ کا بہت اثر پڑگیا، علاوہ ازین اورنگ زیب ایک شکی مزاج اور چونکال بادشاہ تھا جب کسی امیر کو بطور سفارت یا معمولی پیغام دے کر بھیجتا تھا تو ایسے جاسوس لگائے رکھتا تھا کہ اس امیر کی کوئی تقریر یا کوئی حالت ہو پوشیدہ نہ رہے اور پھر ہر بات مین توہم کے سبب سے دور از کار شکوک پیدا کیا کرتا تھا ممکن ہے کہ نواب سید محمد نصیر خان نے سلطان ابوالحسن کی ہمدردی سے کچھ کلمات کہے ہون اور وہ اورنگ زیب تک پہنچکر سبب شک و وہم ہوئے ہون اور نواب موصوف نے اپنی جانب سے بے التفات دیکھ کر تاناشاہ کے دربار مین وزارت کا منصب قبول کرلیا ہو کیونکہ از روئے شہادت کتب تاریخ اتنی بات معلوم ہوتی ہے کہ بعد کو جب کہ اورنگ زیب نے حیدرآباد پر چڑھائی کی اور قلعہ گولکنڈہ کو ایک سال تک محصور رکھا قلعہ مذکور فتح نہ ہوسکا تو سلطان کے امرا اور سرداران فوج کو انواع تدابیر و طمع سے باہم کرلیا، تقریباً کل امرا اورنگ زیب سے متفق ہوگئے نواب عبدالرزاق خان لاری اور سید محمد نصیر خان باری جسپر اورنگ زیب نے بہت کچھ دانت پیسے ہین نعمت خان عالی نے اپنے

مضحکات مین اسی کی کیا کیا ہنسیان اوڑائی ہین، غرض قلعہ فتح ہوگیا اور تاناشاہ مقید ہوگئے، نواب
نصیرخان نے قید تک سلطان کا ساتھ نہ چھوڑا، بروایتے نواب نصیرخان دہلی آئے اور روضۂ
شاہ مردان مین مدفون ہوئے، بروایتے دیگر دکن مین مدفون ہین،

اپنے والد کے انتقال کے وقت نواب میر فیض علیخان کمسن تھے اس زمانہ مین سادات
بارہہ کا اتفاق ضرب المثل تھا، میر فیض علیخان زیر اثر و زیر نگرانی سید حسین علیخان بہادر امیرالامراکے
رہے، جب نواب حسین علیخان ناظم پٹنہ کے مقرر ہوکر آئے تو میر فیض علیخان کو ہمراہ لائے ایک مدت
تک میر فیض علیخان اپنے چچا کے ہمراہ رہے،

اورنگ زیب کے زمانہ تک اس کے بڑے بیٹے سلطان معظم کا منجھلا بیٹا محمد عظیم الشان جس نے
اپنے زمانہ مین پٹنہ کا نام عظیم آباد رکھا، بنگالہ و بہار کا صوبہ دار تھا، بوڑھے دادا اورنگ زیب کی
عیادت کو جب جانے لگا تو صرف بڑے بیٹے سلطان کریم الدین کو اپنے ہمراہ لیا اور سلطان فرخ
سیر کو مع عیال بنگالہ مین چھوڑ گیا، اورنگ زیب نے رحلت کی، بیٹون مین جنگ ہوکر بڑے بیٹے
سلطان معظم کو فتح ہوئی، محمد عظیم الشان چار برس تک باپ ہی کے ساتھ رہا،

لاہور مین محمد معظم نے رحلت کی، اس کے چارون بیٹون مین باہمی جنگ ہوئی، بڑے بیٹے
سلطان معزالدین کی فتح ہوئی، اور اس کے تینون بھائی مارے گئے، معزالدین فتح حاصل کرکے
دہلی مین آیا، سلطان محمد عظیم الشان یعنی بھتیجے کو پکڑوا کر قتل کروا ڈالا، مرشد قلی خان ناظم و بانی مرشدآباد
کے اور نواب سید حسین علیخان ناظم عظیم آباد کے نام تاکیدی احکام آئے کہ سلطان کو گرفتار کرکے دلی بھیجدو، اسوقت
فرخ سیر راج محل مین تھا، مرشد علیخان کو ترس آیا، گرفتار نہ کیا، لیکن عملداری سے باہر نکال دیا، فرخ سیر
پریشان حال و بدحواس عظیم آباد مین آیا، باغ میر جعفر خان مین خیمے استادہ کرکے قیام کیا،
سید حسین علی خان کا بھی پہلے یہی ارادہ ہوا، کہ سمجھا بجھا کر شہزادہ کو اپنی عملداری سے کہین

نکل جانے کو کہین، چنانچہ کہا بھی مگر فرخ سیر کی اور نسوات کی خصوصاً فرخ سیر کی پانچ برس کی بیٹی ملکہ نانی کی گریہ وزاری پر سید حسین علیخان کو ترس آگیا اور خیال آگیا کہ بادشاہ پر فتح پانا تو مشکل ہے، مگر فرخ سیر کی اعانت مین جان دیدونگا،

اسی زمانہ مین حسن اتفاق سے نواب سید محمد نصیر خان کے ایک بھائی سید شاہ سلام اللہ جو ابتدائے عمر سے کسی صاحب باطن درویش کامل کی توجہ پاکر تارک دنیا ہو کر کچھ عرصہ سے مفقود الخبر تھے، یک بیک اپنے بھتیجے میر فیض علی خان اور برادر عمزاد سید حسین علیخان سے ملنے کیلئے وارد عظیم آباد ہوئے، چونکہ سید شاہ سلام اللہ صاحب، صاحب ریاضت وکشف وکرامات تھے نواب حسین علیخان نے سید شاہ سلام اللہ صاحب سے اپنے قصد کو ظاہر کر کے کہا کہ آپ دعا کیجیے کہ فرخ سیر کامیاب ہون، شاہ صاحب نے مراقبہ کیا اور ان کو یہ مشاہدہ ہوا کہ معزالدین اور اس کے سپہ سالار کے جنازے رکھے ہین اور حسین علیخان امیر الامرائی کا خلعت زیب تن کئے اور ان کے بھائی سید عبداللہ خان وزیر اعظم بنے ہوئے ایک ہی ہاتھی پر آرہے ہین، شاہ صاحب نے اپنے مشاہدہ کی کیفیت نواب حسین علیخان سے کہی، یہ سنکر ان کو بڑی ہمت ہوئی، حسین علیخان نے عظیم آباد کے دولتمند ساہوکارون سے روپیہ فراہم کیا اور فوج جو کچھ وہان تھی اسمین بہت کچھ افزائش کی اور الہ آباد کی طرف فرخ سیر کو لیکر چلے، اس وقت نواب سید عبداللہ خان الہ آباد کے صوبہ دار تھے، غرض دونون بھائیون کی جانفشانی سے خلاف قیاس معزالدین کو شکست فاش اور فرخ سیر کو فتح ہوئی، سید حسین علیخان امیر الامراو سپہ سالار اور سید عبداللہ خان وزیر اعظم مقرر ہوئے، غرض یہ کہ سید شاہ سلام اللہ صاحب کو جیسا مکاشفہ ہوا تھا ویسا ہی وقوع مین آیا،

فرخ سیر نے حضرت شاہ صاحب کے ہاتھ پر بیعت کی، دو پرگنے ملکی وبلیا ضلع منگیر نذر دیے لیکن شاہ صاحب جو تارک دنیا تھے دونون پرگنے اپنے برادرزادہ نواب میر فیض علیخان کو دلوادئے،

سب تاریخین افسوس کرتی ہین کہ شروع ہی مین مابین بادشاہ و وزیر نزاع پیش آئی، وزیر نے نواب لطف اللہ خان صادق بہادر کو جو بڑے بڑے عہدون پر کئی بادشاہون کے زمانہ مین ممتاز رہ چکے تھے، اس لیے جنکو پورا استحقاق وزیر دوم ہونے کا تھا، دیوانی تن یا خالصہ کا جو پایہ وزارت رکھتی ہے عہدہ دے دیا اور بادشاہ نے راجہ چھبیدرام ناگر کو اس عہدہ جلیلہ کا پہلے سے امیدوار کر رکھا تھا، بادشاہ کو دراندازون نے الگ بھڑکایا اور وزیر اعظم جدا برہم ہوئے کہ جب ابتدا ہی مین میری بات نہ رہے گی تو وزارت کا کیا اعتبار گو لطف اللہ خان صادق دیوانِ خالصہ رہے مگر دلون مین کشیدگی اسی وقت سے شروع ہو گئی تھی،

یہ نواب لطف اللہ خان صادق راقم کے نانا کے جد نواب معین الدولہ عنایت خان راسخ مصنف کتاب عنایت نامہ وغیرہ بخشی فوج کے پدر بزرگوار تھے،

مسٹر ایلیٹ جو کسی زمانہ مین پٹنہ کے ڈویژنل کمشنر تھے جنھون نے پٹنہ کے پرانے حالات کی تاریخ لکھی ہے، جو اس وقت پٹنہ کی پبلک لائبریری مین موجود ہے، وہ لکھتے ہین کہ جب حسین علیخان فرخ سیر کو بادشاہ بنا کر لیجانے لگے تو اپنی جگہ اپنے نوجوان بھتیجے کو جنکا نام میر فیض علی تھا ناظمِ پٹنہ مقرر کرگئے، کچھ عرصہ کے بعد راجہ جگدیش زمیندارِ شاہ آباد نے حسب دستور سابق تمرد و بغاوت پر کمر باندھی اور پٹنہ پر فوج کشی کا ارادہ کیا، نوجوان ناظم کل دو سو فوج پیدل اور کچھ سوار اور صرف دو توپین جو اس وقت پٹنہ مین موجود رہگئی تھین (کیونکہ تقریباً ساری فوج اور توپین حسین علی خان اپنے ساتھ لے گئے تھے اسلیے یہی راجہ کو اچھا موقع تھا) ہمراہ لیکر شاہ آباد پہنچا، دو تین دفعہ لڑائی ہوئی، راجہ کو کامل شکست ہوئی، قریب تھا کہ گرفتار ہو جائے، لیکن وہ بھاگ نکلا آخر صلح ہو کر تین لاکھ زرِ مطلوبہ سابق اور دو لاکھ تاوان دینا قبول کیا،

چونکہ شہنشاہ اکبر کے زمانہ سے زمینداران شاہ آباد ہمیشہ بغاوت کرتے آئے تھے، کبھی کسی

صوبیدار کو چین سے بیٹھنے نہ دیا تھا، اسلئے سید حسین علی خان نے برسر دربار ایک دفعہ کہا تھا کہ اس دفعہ پھر زمیندار نے بغاوت کی تو کوئی معذرت سنی نہ جائے گی، اور حد آخر کی سزا اسکو دی جائے گی، جب حسین علیخان کو اس صلح کا حال معلوم ہوا تو بہت ملال ہوا، اور بجائے میر فیض علیخان کے اپنے ایک پختہ کار عزیز میر نصرت یار خان کو پٹنہ کا ناظم مقرر کیا مگر کچھ دنون کے بعد پھر میر فیض علیخان بحال کیے گیے

واضح ہو کہ نواب میر فیض علیخان نے اسی زمانہ مین عظیم آباد کو پسند کر کے اپنی بود و باش کے لئے محلہ دھولپورہ مین بڑا حلقہ زمین کا خرید کیا، بڑی حویلی دیوانخانہ مصاحبون اور شاگرد پیشون کیلئے مکانات بنوائے، ان کو یہ بھی معلوم تھا کہ شہر کے اندر کی آبادی مجبوری کے سبب سے عرض مین بہت کم ہے، گنگا کے کنارے سے چلہ تک صرف پون کوس ہے، یہی سبب تھا کہ قدیم بودھ مت والے راجہ چندر گپت اور اشوک نے پچھم دروازہ سے اور جانب غرب محلہ کمہار مین اپنی راجدھانی بنائی تھی اور اس مقام پر چونکہ چوڑان زیادہ ہے، آبادی بھی کشادہ و خوبصورت ہوئی ہوگی مگر ان راجاؤن کے پرانی مت والے ہندو راجاؤن نے وہی قدیم راجدھانی رکھی جو پہلے تھی،

جب سلطان عظیم الشان صوبیدار ہو کر آیا تو اس نے پٹنہ کو بہت رونق دی، اکثر پیشہ ورون اور خوش باش لوگون کو دہلی سے بلا کر آباد کیا اور پٹنہ کا نام عظیم آباد رکھا، سلطان عظیم الشان کا یہ خیال تھا کہ آیندہ عظیم آباد کو مثل سابق کے جانب غرب بہت بڑھا کر قلعہ اور عمارات شاہی ادھر ہی بنوانی ہوگی، اسلیے اکثر امرا نے اس جانب کثیر اراضی خرید کر رکھی تھی، ازانجملہ نواب میر فیض علیخان مرحوم نے بھی بڑا قطعہ آراضی یہان خرید کر لیا تھا،

ہمارے حضرت فرماتے تھے کہ بودھ مت والون کی راجدھانی اُٹھ جانے کے بعد کمہار کی زمین کے حلقہ مین چودہ گاؤن بس گئے تھے، ان مین کا زیادہ حصہ میر فیض علی خان نے خرید کر باغ اور کچھ عمارت بنوائی، ان کے بعد ان کے صاحبزادون نے کمال باغ و ذوالفقار

باغ اور شاہانہ عمارات و مساجد وغیرہ بنوائین،

نواب سید محمد نصیر خان و حضرت سید شاہ سلام اللہ کی والدہ حضرت سید آدم گیاوی فاتح گیامان پور کی صاحبزادی تھین، حضرت سید آدم گیاوی کا ذکر ہمارے شہر کے شاہ ارزان دیوان کی درگاہ کے مشہور و نامی صاحب سجادہ جناب شاہ غلام نجف صاحب نے اپنی ایک تالیف مین کیا ہے جو چھپ چکی ہے مگر اس وقت اس کا نام مجھے یاد نہ رہا مین نے وہ کتاب دیکھی تھی، صوبہ بہار کے اکثر مشائخ اور صاحبان مزار کا اس مین تذکرہ ہے، چنانچہ حضرت سید آدم کو سادات جلیل القدر بارہہ سے بتایا ہے اور یہ لکھا ہے کہ آپکے نانا کا نام سید قاسم تھا، مشہور سید حیدر باگھہ تھا، اور حضرت سید آدم کل بارہ سادات جنکو وہ بارہ امام کہتے تھے ہمراہ لیکر قصبہ گیا فتح کرنے گئے تھے اور فتح کرکے بادشاہِ وقت کے حوالہ کر دیا، اسی وجہ سے فاتح گیامان پور مشہور ہوئے اور ساتھ ہی اس کے گیاوی کا بھی لقب پایا،

حضرت سید حیدر باگھہ کے بارہ مین لکھا ہے کہ یہ بزرگ سید آدم گیاوی کے نانا ہین، اور پٹنہ کے محلہ سلطان گنج مین ان کا مزار ہے، صاحبان سجادۂ درگاہ شاہ ارزان صاحب کو ہمیشہ سے ان کے ساتھ اعتقاد رہا، دھوم سے چادر چڑھائی جاتی ہے، شاہ غلام نجف صاحب نے وجہ تسمیہ حیدر باگھہ مشہور ہونے کی یہ بتائی ہے کہ جب چاہتے تھے خصوص دشمن کے مقابلہ مین بشکل شیر دکھائی دیتے تھے، بعض قدیم لوگون سے سنا تھا کہ حضرت سید حیدر باگھہ شیر پر سوار دکھائی دیتے، آخر الذکر روایت زیادہ تر قرین قیاس ہے، حضرت سید حیدر باگھہ بھی ضرور سادات بارہہ سے ہونگے کیونکہ حضرت شاہ غلام نجف صاحب نے سید حیدر باگھہ کو سید احمد جاجنیری کی اولاد سے بتایا ہے، جیساکہ بعض دیگر اہل تحقیق سے مین نے سنا تھا،

نواب سید محمد نصیر خان کی شادی نواب سید محمد قابل خان بہادر کی صاحبزادی سے ہوئی

تھی، جنکے بطن سے نواب میر فیض علی خان پیدا ہوئے، نواب سید محمد قابل خان کے حقیقی بھائی نواب سید محمد فاضل خان تھے، صاحب کتاب مآثر الامرا نے جن کے بارہ مین یون لکھا ہے:-

"شیخ مخدوم صدر فاضل خان اصل وے از ٹھٹہ است عطائے خدمت دارالانشائے بادشاہی (شاہجہان) ومنصب پنج سی سوار وعنایت دہ چیرہ وکمر بند وجامہ کمخواب لباس بلند نامی دربر کرد، سال بست ویکم بانضمام صدارت کل وسال بست وہشتم خطاب فاضل خان وبعنایت دوات یشم تفوق جست، سال بست ونہم دارونگی عرائض یافت، سال سی ودوم رحلت کرد، بجائے او برادرش قابل خان برین خدمت سرفرازی یافت"

واضح رہے کہ نواب سید محمد قابل خان حضرت سید شاہ نصیر الدین چراغ دہلی کی اولاد سے تھے، قبل اس کے کہ اصل مطلب پر آؤن تھوڑے سے واقعات متفرق طور پر لکھتا ہون جنکا تعلق آگے چل کر ہمارے حضرت کے خاندان سے پیدا ہو جائے گا، نواب سید ہدایت علی خان اسد جنگ بن حضرت سید شاہ علیم اللہ دہلوی کی شادی دہلی مین مرزا خدابندہ کی قرابت قریب مین ہوئی تھی، ان دونون کے بزرگوار بہت عالی خاندان اور مناصب عالی پر سرفراز ہوتے آئے تھے، جب اورنگ زیب نے رحلت کی اور بیٹون مین کشت وخون ہوا، بڑے بیٹے کو فتح اور دوسرے دونون بھائیون کو شکست ہوئی، اور قتل کئے گئے، محمد اعظم شاہ جو از بسکہ رشید وقدرشناس تھا، اور چونکہ سید ہدایت علی خان و مرزا بندہ کے بزرگوار اعظم شاہ کی فوج مین نہایت اعلیٰ عہدون پر ممتاز رہے تھے، اس لیے ان کا بڑا قدردان تھا وہ نہ رہا تو مرزا بندہ کے باپ خانہ نشین ہو گئے، اور سید ہدایت علی خان کے والد حضرت سید شاہ علیم اللہ ترک دنیا کر کے فقیر ہو گئے، اور یہ کہا کہ حضرت امام مہدی اگر پیدا ہو کر غائب ہو گئے ہین، اور اسی دنیا مین کہین موجود ہین تو بلحاظ جوئندہ یابندہ جبتک آپ کی زیارت نہ کرونگا، وطن کی طرف رخ نہ کرونگا"

یہ کہکر ایسے معدوم و مفقود الخبر ہو گئے کہ ممتد زمانہ گزر گیا،

یہ زمانہ بنگالہ مین مرشد قلی خان کے داماد شجاع الدولہ کی صوبیداری اور بہار مین فخر الدولہ کی نظامت کا تھا، فخر الدولہ ایک نالائق حاکم تھا، محمد شاہ بادشاہ نے چاہا کہ اس کو معزول کر کے دہلی کے امرا مین سے کسی کو بہار کا ناظم مقرر کر کے بھیجدے، لیکن اس زمانہ مین نادر شاہ ایران کا بادشاہ کابل مین بیٹھا ہوا ہندوستان پر چڑھائی کرنے کے منصوبے باندھ رہا تھا، کوئی امیر دہلی چھوڑنے پر راضی نہ ہوا، اس لیے ارکانِ سلطنت کی رائے سے بادشاہ نے اس صوبہ کو بنگالہ مین ملادیا اور شجاع الدولہ ناظمِ بنگالہ کو بہار کے بست و کشاد کا اختیار کامل دیدیا،

ناظرین ابھی پڑھ چکے ہین کہ دہلی مین مرزا بندہ ایک خاندانی منصب دار کے گھرانے سے تھے جن کے باپ نے ترکِ روزگار کر کے خانہ نشینی اختیار کی تھی، یہ ترک نژاد استجلو قبیلہ سے تھے، شجاع الدولہ بھی ترک استجلو تھے اور باہم قرابت مندی بھی تھی، جب شجاع الدولہ کی شادی نواب مرشد قلی خان کی بیٹی سے ہوئی تو مرشد قلیخان نے ان کو اڑیسہ کا فوجدار بنایا، ایک مورخ لکھتا ہے کہ شجاع الدولہ کی ترقی کی خبر سنکر دہلی سے مرزا بندہ جو افلاس مین گرفتار ہو گئے تھے اپنی بیوی کے زیورات نو سو روپیہ قیمت پر بیچکر مستورات کو بیلون کی گاڑی مین اپنے لیے تین سو کا ایک گھوڑا اور رفقا کے لیے بھی معمولی گھوڑے خرید کر بسواری اسپ پورب روانہ ہوئے اور سیدھے اوڑیسہ مین پہنچگئے شجاع الدولہ کو ان کا وہان پہنچنا نہایت غنیمت معلوم ہوا، مرزا بندہ بے انتہا زیرک و منتظم و شجاع اور دور اندیش واقع ہوئے تھے، تھوڑے دنون مین شجاع الدولہ پر ان کا رنگ جم گیا، مرشد قلی خان بہت بوڑھے ہو گئے تھے، اپنی جگہ اپنے نوجوان نواسہ سرفراز خان کو جو شجاع الدولہ کا فرزند تھا، بنگالہ کا صوبیدار معین کر وا چکے تھے، مرزا بندہ کی تدبیر سے نتیجہ یہ ہوا کہ مرشد قلی خان کے بعد شجاع الدولہ بھی صوبیدار ہو گئے/ اسکے بعد ہی بہار و بنگالہ ملا دیا گیا،

شجاع الدولہ نے بہار کی نیابت مرزا بندہ کو دی اور خطاب مہابت جنگ حسام الدولہ شجاع الملک کا بادشاہ سے دلوا کر عظیم آباد بھیجدیا، ناظرین پڑھ چکے ہین کہ سید ہدایت علی خان کی شادی انھین مرزا بندے مہابت جنگ کی ذی قرابت سے ہوئی تھی، جب مہابت جنگ کا ستارہ چمکا تو سید ہدایت علی خان بھی مع عیال واطفال عظیم آباد پہنچے اور مہابت جنگ نے ان کو ایک منصب عالی دیا، یہ سید صاحب بڑے ذی علم وکمال ومورخ وشجاع غرض ہر طرح قابل وہونہار تھے، روز بروز اپنی کارگذاریون سے ترقی کرتے چلے پانچ ہی چھ برس مین سید ہدایت علی خان بخشی فوج ہوگئے اور بہت سے متمردون کو سر کیا،

انقلاب زمانہ دیکھیے کہ شجاع الدولہ رحلت کرگئے، اور ان کے فرزند سرفراز خان صوبیدار بہار وبنگالہ واڑیسہ ہوئے، مہابت جنگ سے اور ان سے نہ بنی لڑائی پیش آگر نواب سرفراز خان مارے گئے، اور مہابت جنگ بالاستقلال تینون صوبون کے حاکم اعلیٰ قرار پائے، انھون نے بہار کی نظامت اپنے حقیقی بھتیجے اور چھوٹے داماد زین الدین احمد خان کو دے کر ہیبت جنگ کا خطاب بادشاہ سے دلوایا، عظیم آباد مین سید ہدایت علی خان وغیرہ امرا کو ہیبت جنگ کیساتھ چھوڑ کر اپنا قیام مرشدآباد مین اختیار کیا، خلاصہ یہ کہ میر فیض علی خان بہادر اور سید ہدایت علی خان سے اس زمانہ مین بیحد ارتباط ہوگیا، اس وقت تک میر فیض علیخان کی شادی نہین ہوئی تھی، یہ جانتے تھے کہ اگر حسب دلخواہ مراتب عالیہ کے ساتھ کوئی خاندان ملے تو وہان شادی کرین،

ضلع گیا مین ایک موضع ہے جس کا نام اساس دیوہرہ ہے یہان قدیم زمانہ سے ایک خانقاہ نہایت عظیم الشان مشہور ہے جو کسی اعتبار سے حضرت شاہ محب اللہ صاحب (ہمارے حضرت کے دادا) والی شہرگھاٹی کی خانقاہ سے کم نہ تھی جس زمانہ کا مین ذکر کر رہا ہون اس خانقاہ مین حضرت سید شاہ غلام علی صاحب قدس سرہٗ صاحب سجادہ تھے، یہ حضرت پرپوتے حضرت

سید شاہ جلال مخاطب بہ جلال الملک برادر حقیقی حضرت شاہ بو علی قلندر قدس سرہٗ کے تھے اور علی التسلسل ایک ہی خاندان مین صاحب سجادگی ہوتی آئی تھی، ہر صاحب سجادہ اپنے ہی خاندان مین مرید ہوا کرتا تھا، چنانچہ حضرت سید شاہ غلام علی قدس سرہٗ اپنے پدر بزرگوار کے مرید کمسنی مین ہو چکے تھے، ہنوز نوجوان تھے اور کسی کو مرشد بھی نہین بنایا تھا کہ حضرت کے والد کا انتقال ہو گیا، اب آپ کو یہ فکر ہوئی کہ مرشد کسی کو بنانا چاہیئے، مگر مرشد ایسے صاحب کمال کو بنائین گے جو حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام کی زیارت کروائے، لوگون نے مشورہ دیا کہ قصبہ بہار شریف و منیر شریف کے صاحبانِ سجادہ سن رسیدہ و کاسب و مرتاض ہین، ان کو مرشد بنایئے، وہ اس شوق مین بہار شریف تشریف لے گئے، چھ مہینہ تک سجادہ نشین صاحب نے خود بھی ریاضت کی، اور اون کی رہنمائی کے مطابق حضرت شاہ غلام علی صاحب نے بھی عمل کیا، مگر کچھ حاصل نہ ہوا، خواب مین ایک باوقار شخص کو دیکھا کہ وہ فرماتے ہین کہ تیرا مقصد یہان حاصل نہ ہوگا تو پچھم جا، غرض خواب مین یہ ہدایت پا کر بہار شریف سے منیر شریف آئے، یہان بھی کچھ مدت ریاض کیا، صاحب سجادہ نے چلہ کشی کی، اوران سے بھی چلہ کشی کروائی تو چالیسوین دن پھر اسی باوقار بزرگ کو خواب مین دیکھا کہ وہ فرماتے ہین کہ تیرا مقصد بنارس یا الہ آباد مین حاصل ہوگا، شاہ صاحب خوش ہو کر بنارس تشریف لیگئے، یہان بھی مشہور خانقاہون مین چلہ کشی کی مگر حضرت علیؑ کی زیارت نہ ہوئی یقین ہو گیا کہ اب الہ آباد مین در مقصود ضرور حاصل ہوگا، چنانچہ الہ آباد آکر ایک سرا مین مقیم ہو گئے، اور اپنے طور پر مراقبہ و ریاضت کی، مگر جب کچھ حاصل نہ ہوا، تو دل مین ٹھہرایا کہ ایک اربعین یہان ٹھہر کر دیکھ لین گے اگر کچھ حاصل نہ ہوا تو سمجھ لین گے کہ قسمت مین یہ سعادت نہین ہے، ادھورے رہکر تو سجادہ نشینی نہ کرین گے، کسی جنگل کی طرف نکل جائین گے، یہ سوچکر چلہ شروع کیا، جس دن چلہ ختم ہوا اور یہ حضرت مایوسی کے عالم مین سرا کے پھاٹک پر ٹہل رہے تھے کہ دیکھا کہ ایک بلند و بالا قامت شخص سرخ و سفید رنگت، ساٹھ ستر برس کی عمر خوبصورت چہرہ سر مین بڑے

بڑے بال ڈاڑھی چھتری بال کھچڑی شنجرنی کرتہ شنجرنی تہ بند ننگے سر ننگے پاؤن بغل مین رسی سے بندھا ہوا ایک کمبل دبا ہوا سامنے سے آرہا ہے، جیسے ہی ان کے قریب آئے پکار کر کہا او غلام علی میرا کمبل لے لے اور سرا مین کوئی خالی کوٹھری دیکھ کر اس مین بچھا دے، اپنا نام ایک ایسے اجنبی فقیر سے سنکر سخت متحیر و متاثر ہوئے اور کمبل لے لیا اور ساتھ ساتھ سرا مین آئے ایک خالی کوٹھری مین رسی کی گرہ کھولنے لگے کہ غنودگی پیدا ہوگئی، دیکھا کہ سبزہ زار اور میدان لق و دق ہے ہزار ہا خلقت بشوق تمام ایک طرف دوڑی جاتی ہے، پوچھنے پر معلوم ہوا کہ لوگ حضرت علی مرتضیٰ کی زیارت کو جا رہے ہین یہ سنکر ان پر ایک حالت طاری ہوئی، یہ بھی دوڑے، سامنے ایک قصر شاہانہ نظر آیا شہ نشین مین حضرت علیؓ جلوہ افروز اور فرشتے مروحہ جنبان ہین، زیر شہ نشین بہت لوگ دست بستہ حاضر ہین جس وقت حضرت علیؓ کی نظر مبارک ان پر پڑی تو حضرت نے ارشاد فرمایا کہ غلام علی میرے فرزند کو مرشد بنا، انھون نے عرض کیا یا مولا کون فرزند، ایک طرف ملاحظہ کر کے حضرت علیؓ نے فرمایا یہ علیم اللہ شاہ، غلام علی صاحب نے جو نظر پھیری تو انھین حضرت کو پایا، جنکا کمبل کھول رہے تھے، اتنے مین انھون نے بازو ہلا کر کہا، کمبل کھول رہا ہے یا سوتا ہے، جب انھون نے آنکھین کھولین تو ساتھ ہی انھون نے کہا کہ دیکھ لیا، جس کے لیے تمام حیران پھر رہا تھا،

شاہ غلام علی صاحب فرماتے ہین کہ مکرر جو نظر کی تو یہ وہی بزرگ تھے جنکو مین نے ہنگام جلہ کشی بہار و منیر و بنارس مین خواب مین دیکھا تھا، پھر تو پاؤن پر گر پڑے، اس وقت سے تا وصال ان کے ساتھ رہے،

واضح ہو کہ یہ وہی بزرگ سید ہدایت علی خان کے پدر بزرگوار سید شاہ علیم اللہ تھے جو دہلی مین فقیر ہو کر اور یہ کہہ کر کے جب تک حضرت امام مہدیؑ کی زیارت نہ کرون گا پلٹ کر نہ آؤن گا، کسی طرف نکل گئے تھے، تقریباً ۲۰ برس کے بعد پلٹے ہین، مگر شاہ غلام علی صاحب کو ان کے حالات

مطلق نہین معلوم تھے، خود حضرت ہی نے ان سے فرمایا، کہ میرا بیٹا ہدایت علی عظیم آباد مین اب ناظم ہے
مین کامیاب ہو کر دہلی آیا تو وہان معلوم ہوا کہ میرے سب لڑکے عظیم آباد مین ہین، مین وہان جا رہا ہون
شاہ غلام علی صاحب سید ہدایت علیخان سے خوب واقف تھے، گیا اور رہتاس کے علاقہ مین
برسون رہکر وہان کے متمردون کو سید ہدایت علی خان نے سر کیا تھا، اور سرکشون کو زیر کیا تھا، انکے
نام سے صوبہ بہار مین کون ایسا شخص تھا اس وقت جو واقف نہ تھا، علاوہ ازین شاہ غلام علی صاحب
سید ہدایت علی خان کو ایک اور وجہ سے خوب جانتے اور ان سے ارتباط بھی تھا، وہ وجہ یہ تھی کہ
محلہ حاجی گنج مین ایک بزرگ عالم ملّا مبارک نام قدیم سے سکونت پذیر تھے اور خانقاہ اساس
دیوہرہ کے مریدون مین تھے، بہت بڑے ذی علم و نیک نہاد تھے، اورنگ زیب بادشاہ نے شہزادون
کی تعلیم کے لیے منتخب کر کے بلایا تھا آپنے شہزادیون کو خصوصًا نواب نجیب النسا بیگم کو بھی پڑھایا تھا،
جب دلی سے فارغ ہو کر عظیم آباد اپنے وطن آئے تو اپنے دل مین یہ ٹھہرایا کہ اس شہر مین اپنے گھر سے
متصل ایک بڑا رقبہ زمین خرید کر کے مکانات تعمیر کروا کر اساس دیوہرہ کی خانقاہ کو یہین منتقل کرین
چنانچہ سڑک کے کنارے اپنے گھر کے قریب ایک بہت بڑا قطعۂ زمین کا خرید بھی لیا تھا، اس وقت کے
صاحب سجادہ سے استدعا کی کہ خانقاہ یہین منتقل کیجائے، جلسہ مراسم یہین ادا ہون مگر صاحب
سجادہ نے نامنظور کیا اور فرمایا کہ زمانۂ بعید سے اساس دیوہرہ ہی مین خانقاہ ہے جسکی شہرت دور دور
ہے، ہمارے بزرگون نے اسی سرزمین کو مناسب سمجھا قطع نظر اس کے بزرگون کے مزارات کی
زیارت یہین ہے، کیونکر خانقاہ کو عظیم آباد مین منتقل کرون، ملّا صاحب نے مجبور ہو کر اس زمین کا قبالہ
صاحب سجادہ یعنی شاہ غلام علی صاحب کے والد کے نام لکھدیا، ملّا صاحب تو صرف ایک مسجد بنوا کر
رحلت کر گئے، وہ مسجد اب تک موجود ہے، جو ملّا مبارک کی مسجد کہلاتی ہے، اور راقم کے مکان کے
متصل ہے، بقیہ اراضی اساس دیوہرہ کے صاحب سجادہ کی نذر کر دی تھی،

چونکہ یہ زمین نہایت موقع سے تھی سڑک کے کنارہ بہت بڑا رقبہ تھا، سید ہدایت علیخان کو یہ زمین بہت پسند آئی اور یہ خیال کیا کہ یہین حویلی و دیوان خانہ تعمیر ہو اس لیے اس زمین کے حاصل کرنے کو خود اساس دیوہرہ گئے اور حاصل کی، شاہ صاحب نے کوئی قیمت نہ لی، علاوہ اس زمین کے اور زمینات اس کے ملحق خریدی، جہان امام باڑہ وغیرہ اب بھی موجود ہے، یہ وہ زمانہ ہے کہ مرہٹے بہار و بنگالہ پر حملہ آور ہو رہے تھے، مہابت جنگ نے اپنے داماد ہیبت جنگ کو مع فوج اپنی مدد کے لیے عظیم آباد سے بلوایا تھا اور سید ہدایت علی خان اسد جنگ کو بہار کا ناظم مقرر کروایا تھا، سید ہدایت علی خان نے عظیم آباد مین دائمی سکونت اختیار کرلی، اور انھین اراضی پر عمدہ عالیشان عمارتین تعمیر کین،

الغرض حضرت شاہ غلام علی صاحب سے اور سید ہدایت علی خان سے اس وجہ سے کمال شناسائی تھی اور شاہ صاحب ممدوح کو اسکی بھی واقفیت تھی کہ سید ہدایت علیخان کے پدر بزرگوار ایک درویش ہین اور مدتون سے غائب ہین، شاہ صاحب کو یہ سنکر کہ سید ہدایت علی خان کے والد ہین، اور بھی خوش ہوئے اور چاہا کہ حضرت شاہ علیم اللہ صاحب سواری پر عظیم آباد چلین، مگر شاہ علیم اللہ صاحب نے نہ مانا ناچار شاہ غلام علی صاحب اپنے مرشد کے ساتھ پاپیادہ روانہ ہوئے، اور اس ہیئت کذائی سے ننگے سر ننگے پاؤن عظیم آباد پہنچے، ایک فقیر کا صوبیدار کی ڈیوڑھی پر آنا جہان دروازہ پر سامان شاہانہ تھا، صدر دروازہ پر سنتریون نے روکا، لیکن شاہ غلام علی صاحب نے جب یہ ظاہر کیا کہ یہ کون بزرگ ہین تو سنتریون نے فوراً خبر کی اور سید ہدایت علی خان ننگے پاؤن بدحواس مسند چھوڑ کر دوڑے، اور باپ کے پاؤن پر سر رکھدیا، دیوان خانہ مین لائے اور ایک بڑا وسیع کمرہ جہان جملہ آسائش کی چیزین مہیا تھین جو غالباً معزز مہمانون کے لیے مخصوص ہوگا، دکھا کر سید ہدایت علی خان نے باپ سے کہا کہ یہان تشریف رکھیے، شاہ صاحب نے کہا کہ اگر مجھ کو آرام دینا منظور ہے تو ایک

مختصر سی کوٹھری مجھ کو دو، بیٹا کیونکر عذر کر سکتا، غرض ایک کوٹھری شاہ علیم اللہ صاحب نے اپنے قیام کیلئے پسند کی اپنا کمبل وہین بچھالیا، حضرت شاہ غلام علی صاحب بھی اسی کوٹھری مین رہنے لگے، اور جب تک شاہ علیم اللہ صاحب زندہ رہے، ساتھ نہ چھوڑا،

تاریخ سیر المتاخرین مین نواب سید غلام حسین خان خلف اکبر نواب سید ہدایت علی خان نے بذیل ذکر وفات مہابت جنگ کے اپنے جد امجد سید شاہ علیم اللہ اور شاہ غلام علی صاحب کا مختصر تذکرہ کر کے یہ لکھا ہے کہ مین نے حضرت ممدوح کے جو کمالات بچشم خود معائنہ کئے، مع دیگر حالات مثنوی بشارت الامامۃ مین قلمبند کر دیئے ہین، جسکو شوق ہو اسمین دیکھے، شاہ غلام علی صاحب کا ذکر سیر المتاخرین مین طبقۂ مشائخ عظام صوبۂ بہار مین بھی کیا ہے، اور لکھا ہے کہ صاحب نوبت و نشان تھے، مثنوی بشارت الامامۃ بہت کمیاب ہے، ایک نسخہ اسکا مرحوم نواب بہادر سید ولایت خان کے پاس تھا، راقم نے اسکی نقل لے لی تھی، کچھ دنون کے بعد تجو نواب مرحوم جنکا نانہالی سلسلۂ نسب نواب غلام حسین خان سے ملتا تھا، مجھ سے عاریۃً لے گئے تھے، لیکن مجھ کو واپس نہ دی، خلاصہ مضمون اس مثنوی کا جہانتک مجھ کو یاد ہے حاشیہ مین لکھے دیتا ہون، ظاہر ہے کہ ایسے مضامین کے لوگ بہت جویا رہتے ہین [1]

[1] مثنوی بشارت الامامۃ مین پہلے وہی مضامین نظم کئے ہین جنکو متن مین عرض کر چکا ہون یعنی حضرت شاہ علیم اللہ صاحب کا غائب ہو جانا، حضرت شاہ غلام علی صاحب کا مرشد کی تلاش مین نکلنا، اور الٰہ آباد مین مرشد کو پانا، اور تمنا کا حاصل ہونا پھر عظیم آباد مین مرشد کے ہمراہ آنا تین برس تک مرشد کی خدمت سے جدا نہ ہونا، علاوہ ان واقعات کے کرامت کی بہت سی نقلین لکھی ہین، از انجملہ لکھا ہے، ہفتہ بھر مین صرف ایکدن دسترخوان پر بیٹھکر شاہ علیم اللہ صاحب اور شاہ غلام علی صاحب معمولی کھانا کھا لیتے تھے، باقی دنون مین کبھی خود کبھی شاہ غلام علی صاحب جو کی روٹی اپنے ہاتھ سے پکاتے اور نمک کے ساتھ کھاتے، کبھی جو کا ستو کبھی چنے کا ستو بغیر نمک کے دونون صاحب کھا لیتے روزے بہت رکھتے تھے، ایکدن جو کا آٹا جو پسا ہوا گھڑے مین رہا کرتا تھا، وہ ختم ہو چکا تھا، آپنے شاہ غلام علی صاحب سے فرمایا، بیٹا تھوڑا آٹا نکال لاؤ کہ روٹی پکاؤن شاہ صاحب جانتے تھے کہ آٹا ختم ہو گیا ہے مگر ادباً دھکر گھڑے کو دیکھا اور انڈیل کر دیکھا یا کہ آٹا نہین ہے، اسکے بعد شاہ غلام علی صاحب اپنے مرشد کے پاس آ بیٹھے، تھوڑی دیر کے بعد شاہ علیم اللہ صاحب نے فرمایا نہین بیٹا، آٹا اس مین ابھی کئی دنون تک کا ہوگا، اب جاکر دیکھو، چنانچہ پھر جو جاکر دیکھتے ہین تو دوسرا آٹا نکل آیا، ایکدن آپ زنانہ مین دسترخوان پر کھانا کھا رہے تھے، حضرت شاہ غلام علی صاحب چندروز کے لیے اساس دیوہرہ تشریف لے گئے تھے، حضرت کی بہو نواب ہدایت علی خان کی اہلیہ نے پوچھا کہ کیون باباجان دنیا مین جن کا وجود ہونا سچ ہے، فرمایا ہان بیٹا جن بہت

(بقیہ ص ۳۷)

اس وقت نواب میر فیض علیخان نے شادی نہین کی تھی، حالانکہ حضرت کا سن شریف تیس سے کہین متجاوز تھا اسکی دو وجہہ معلوم ہوتی ہے، ایک تو اس زمانہ کے امیرزادون کی شادی عموماً تیس کے بعد یا اسکے لگ بھگ ہوا کرتی تھی، دوسرے دہلی و مظفرنگر وغیرہ کے اضلاع مین مرہٹون روہیلے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۶) ہین، اگر تم لوگون کو دکھائی نہین دیتے، صحن مین ایک درخت انار کا تھا، آپنے فرمایا ایک تو اسی کی ڈال پر بیٹھا ہے، یہ کہکر جب زبان مین آپنے کچھ کہا تو اس درخت کی ایک موٹی ڈال کا یہ حال ہوا گویا اسکو طوفان نے گھیر لیا، اور سب ڈالیان تو خاموش مگر وہی ڈال خوفناک طریقہ سے زمین پر زور سے لگتی اور بلند ہوتی تھی، جب سب لوگ بہت خائف ہوئے تو پھر کچھ فرمایا تو ڈال رک گئی، جب مرہٹون کے بارہ مین یہ خبر مشہور ہوئی کہ بھاسکر پنڈت چالیس ہزار فوج لیکر بہار اور پٹنہ کو لوٹنے آرہا ہے، اور پٹنہ مین جو فوج تھی ہیبت جنگ کے ہمراہ مہابت جنگ کی مدد کو بنگالہ گئی تھی، اس وقت بہار کے ناظم نواب ہدایت علی خان تھے انھون نے بہت اصرار کرکے اپنے عیال و اطفال کو اور شاہ علیم اللہ صاحب کو حسین آباد پرگنہ جیلا، پٹنہ سے چھ سات منزل ایک قلعہ مین بھیجدیا، وہان چند دن بعد خبر آئی کہ ہدایت علی خان مارے گئے، گھر مین رونا پیٹنا ہوگیا، شاہ غلام علی صاحب اپنے مرشد کیساتھ تھے انھون نے سید غلام حسین خان سے رونے کا سبب پوچھا سبب سنکر کہا کہ غلط ہے، حضرت کے حکم سے مجھکو مین دریافت کرچکا ہون، مگر اس کہنے سے کسی کی تسلی نہ ہوئی شاہ علیم اللہ صاحب کے ارشاد کرنے پر شاہ غلام علی صاحب ندی کے کنارے گئے غسل کرکے دو رکعت نفل پڑھی اور دعائے ناموس قدرت پڑھی، ساتھ ہی ندی کے اس پار ایک شتر سوار جاتا دکھائی دیا شاہ غلام علی صاحب نے پکارا وہ قریب آیا، انھون نے پوچھا کہ پٹنہ مین نواب ہدایت علی خان کیسے ہین، شتر سوار نے کہا مرہٹے گیا مان پور کی راہ سے بنگالہ گئے، اور نواب صفدر جنگ اپنی فوج لیکر ادھر گئے، نواب ہدایت علی خان خیریت سے ہین، تیسرے دن یہی خبر صحیح معلوم ہوئی، جیسا شتر سوار نے بیان کیا تھا اسکی تصدیق ہوگئی، نواب غلام حسین خان اسی مثنوی مین ایک جگہ لکھتے ہین کہ حضرت شاہ علیم اللہ صاحب کا وصال حسین آباد سے واپس آنے کے بعد پٹنہ مین ہوا، حضرت کے انتقال کی کیفیت بھی عجیب و غریب ہے، وہ لکھتے ہین کہ جس شب کو آپ کا انتقال ہوا علی الصبح حسب معمول مین آپ کے باہر آیا تو دیکھا کہ حضرت شاہ غلام علی صاحب کوٹھری کے باہر دیوار سے لگے بیٹھے رو رہے ہین سبب پوچھا تو فرمایا کہ پہر رات باقی رہے حضرت شاہ علیم اللہ صاحب نے رحلت فرمائی، بیماری کچھ نہ تھی، مجھ کو پکارا مین چونکا تو حضرت نے فرمایا، بیٹا مین رخصت ہوتا ہون صبح کو جب تک منیر اور بہار کے صاحبان سجادہ نہ آلین مجھ کو دفن نہ کرنا، چنانچہ ایک پہر دن چڑھے یہ دونون حضرات بسواری پالکی آموجود ہوئے، معلوم ہوا کہ خواب مین ان دونون صاحبون کو حضرت نے ہدایت کی تھی، حضرت شاہ علیم اللہ صاحب نے حضرت امام مہدی آخر الزمان علیہ السلام سے ملنے کا احوال کچھ ظاہر نہ کیا، البتہ شاہ غلام علی صاحب سے یہ راز کہا تھا شاہ غلام علی صاحب کے حالات علو مراتب مین نواب غلام حسین خان لکھتے ہین "ایکدفعہ مین حسین آباد جانے لگا تو جناب عالی نواب مہابت جنگ بہادر اس وقت پٹنہ مین تھے مین رخصت کا طالب ہوا، جناب عالی نے اجازت دی اور یہ فرمایا اساس دیوہرہ تم کو رستہ مین ملیگا، حضرت شاہ غلام علی صاحب کو میرا سلام کہنا، اور اشتیاق ملاقات کا پیغام دینا، مین نے پیغام حضرت کو پہنچایا تو شاہ صاحب نے ارشاد کیا، بئس الفقیر علے باب الامیر، جب مین پٹنہ مین آیا، اور جناب عالی سے حضرت شاہ صاحب کا جواب عرض کیا تو فرمایا، نعم الامیر علے باب الفقیر، اس واقعہ کے تیسرے دن جناب عالی اساس دیوہرہ خود روانہ ہوگئے، چونکہ مرہٹون کی فوج قرب وجوار مین تھی، پانچہزار فوج جناب عالی کے ہمراہ گئی، اساس دیوہرہ جب دو کوس باقی رہ گیا حکم دیا کہ کل فوج یہین قیام کرے، جناب عالی اپنے ہمراہ چند رفقا و چند خدمتگار لیکر پالکی پر خانقاہ پہنچے،

یہ دیکھ کر حضرت شاہ غلام علیصاحب کو بہت رنج ہوا اور فرمایا تم فوج کیون چھوڑ آئے کیا فقیر کو اس لائق نہ سمجھا کہ تمھاری فوج کی مہمان داری کرے، آخر کل فوج کو بلانا پڑا، آٹھ دن سب کو مہمان رکھا بوقت رخصت سب کو جوڑے دیئے،

پٹھانون اور جاٹون نے اودھم مچا رکھی تھی، رات دن کی لوٹ مار طوائف الملوکی سے کسی کے ہوش باقی نہ تھے، میر فیض علیخان اگر شادی کرتے تو اپنی برادری کو مقدم سمجھتے یا کوئی ایسا ہی خاندان بچا تلا ہوتا، ہمارے حضرت کے بیان سے واضح ہوا کہ نواب سید ہدایت علی خان ہی نے نواب میر فیض علی خان کی نسبت حضرت شاہ غلام علی صاحب کی صاحبزادی سے ٹھہرائی، یہ نسبت ہر طرح سے مناسب ہوئی، ناظرین اوپر پڑھ چکے ہین کہ نواب میر فیض علیخان کے بزرگون مین علاوہ امرا، کے کیسے کیسے بزرگان دین گذرے، مثلاً نواب صاحب موصوف کے عم بزرگوار سید شاہ سلام اللہ، سید آدم گیاوی، سید حیدر باگھ، سید احمد جاجنیری، قاضی ابو المنصور وغیرہ وغیرہ سب آپکے اجداد مین تھے، حضرت شاہ غلام علی صاحب کو ان بزرگون سے بالواسطہ وبلا واسطہ قرابت و یکجہتی تھی، تمول و شان مین بھی جیسے تھے حاشیہ سے پتہ لگیگا، پھر آپ کی صاحبزادی بھی عالمہ و فاضلہ تھین، غرض شادی ہوگئی، ان مخدرہ کے بطن سے تین صاحبزادے پیدا ہوئے، بڑے سید شاہ کمال علی، منجھلے سید کلب علیخان، چھوٹے نواب میر ذو الفقار علی خان،

نواب میر فیض علیخان کو پچپن برس کی عمر مین فالج گرا اور اس مین مبتلا ہونے کے پندرہ برس بعد رحلت کی، آپ کی زرخرید جائداد اور جاگیر کی ملا کر اس زمانہ ارزانی مین ڈیڑھ لاکھ سالانہ کی آمدنی تھی، کمہرار مین جو کثیر اراضی خریدی تھی، اسمین اپنی زندگی مین کچھ عمارات اور باغ بنوایا تھا، نواب صاحب کے انتقال کے بعد آپ کے صاحبزادون نے اسمین بہت کچھ اضافہ کیا، چالیس پچاس بیگھون مین دو باغ تھے،

بیچ مین شیر شاہ والی سڑک جو دلّی سے آسام گئی ہے واقع ہے، دیوارون کے اور بعض منہدم شدہ عمارات کے نشان راقم کے بچپنے کے زمانہ تک موجود تھے، نواب بہادر نواب سید ولایت علی خان مرحوم کے ہمراہ ایک دفعہ ان کے باغ لوہانپور کو راقم جارہا تھا، موضع کمہرار رستہ مین پڑتا ہے

نواب بہادر نے مجھ سے فرمایا کہ فلان مقام پر سنگِ مرمر کی بارہ دری تھی فلان مقام پر مثل تالاب کے پختہ حوض تھا، کہین نہر تھی، نواب میر فیض علی نے کمہار والی اراضی کے اپنی زندگی مین تین حصے کیے سڑک کے ایک جانب جدھر زیادہ اراضی تھی اس کے دو حصے کر کے بڑے اور منجھلے صاحبزادے کو دی اور سڑک کی دوسری جانب والا باغ کا حصہ اور عمارات چھوٹے فرزند کو دین، منجھلے بھائی نے اپنے حصہ کا باغ و عمارت بڑے بھائی کو دی، اسکا نام حضرت شاہ کمال علی کے نام سے کمال باغ رکھا گیا، اور دوسرے باغ کا نام ذوالفقار باغ، ذوالفقار باغ کے بیچ سے ریل کی سڑک گئی ہے، صرف مقبرہ اور مسجد اب باقی ہے، اسی مقبرہ مین ہمارے حضرت کا مزارِ مبارک ہے،

ذوالفقار باغ کی آراستگی کی کیفیت قدیم بزرگون سے سنی تھی جس کے سننے سے حیرت ہوتی تھی، خود حضرت بھی فرماتے تھے، علاوہ منتخب اقسام کے میوون کے درختون کے نواب میر فیض علی خان بہادر کو اور ان کے صاحبزادون کو آم سے عشق تھا، بزمانۂ نظامت صوبہ بہار جب باغ کی بنیاد ڈالی، تو جس جس مقام کے بہترین آم ہوتے تھے، خصوصاً کرانا جھنجھانا سے اپنی جاگیرات ملکی بلیا سے (ضلع مونگیر) جہان کے اس وقت آم مشہور تھے پیوند بندھوا بندھوا کر ہزارون قلمین منگوائین، بڑے بڑے حوضون مین سیکڑون بھینسون کا دودھ جمع کیا جاتا، ان مین منون شہد و عرقِ گلاب ڈالا جاتا، اور اس مرکب سے درخت سینچے جاتے، چالیس طلبا، جو مختلف مقامات سے بغرض تحصیلِ علم پٹنہ مین آئے ہوئے تھے اور نواب صاحب کے ہان سے دو وقتہ کھانا ملتا تھا، اصطلاح مین طلبا کی جاگیر کہلاتی تھی، ان طلبار کو حکم تھا کہ کلام مجید کے سورے پڑھ پڑھ کر ان درختون پر دم کرین، اللہ اکبر کیا زمانہ تھا، اور کیا مذہبی خیالات تھے، کیا دولت تھی، ایسے اہتمام سے تو کسی بادشاہِ وقت نے بھی اپنا باغ نہین درست کروایا ہوگا،

نواب میر فیض علیخان بہادر کے تینون صاحبزادے اپنے اپنے طور پر بے مثل تھے ہر ایک

بڑے حضرت سید شاہ کمال علیصاحب علامۂ وقت تھے، آپ بچپنے سے فطری ذہن و ذکا عدیم المثال رکھتے تھے، ان کے بچپنے کی نقلین جنسے ان کی خداداد ذکاوت کا پتہ چلتا ہے، اپنے بزرگون سے اور خود حضرت استاد علیہ الرحمۃ سے بہت سی سنی تھین ازانجملہ یہ نقل ہے کہ جب کہ شاہ کمال علی صاحب کی عمر تیرہ چودہ سال کی تھی شیخ علی حزین علیہ الرحمہ مہاراجہ شتاب رائے کے ہان مہمان کی حیثیت سے مقیم تھے ان کی شہرت ولیاقت کے ڈنکے بج رہے تھے حضرت شاہ کمال علی صاحب کو بھی انکے دیکھنے کا اشتیاق ہوا، مدرسہ آصف خان مین روزانہ پڑھنے کو جایا کرتے یہ مدرسہ حضرت کے دولتخانہ سے قریب تھا، ایک یابو پر سوار دو چار ملازم ہمراہ رہتے تھے، ایک دن مدرسہ سے واپس ہونے کے وقت ملازمون سے آپنے فرمایا، چلو مہاراجہ کے یہان شیخ علی حزین سے ملین گے' ملازمین نے عرض کیا کہ بڑے سرکار یعنی نواب میر فیض علی خان بہادر کی اجازت کیا آپنے لی ہے، آپنے فرمایا اس مین کسی کی اجازت کی کیا ضرورت ہے، اور غصہ کے تیور سے فرمایا، ملازمین خاموش ہو گئے، اور حضرت جب ڈیوڑھی پر پہنچے، پہرہ والون نے پہلے روکا، جب معلوم ہوا، کہ فلان کے فرزند ہین، اندر جانے دیا حضرت سیدھے اس کوٹھری کے سامنے پہنچے جہان شیخ المتاخرین ایک پلنگ پر لیٹے ہوئے کوئی کتاب دیکھ رہے تھے یا کچھ لکھ رہے تھے، بہرحال تھوڑی دیر خاموش کھڑے رہے، جب شیخ صاحب نے نظر اٹھائی، تو حضرت نے کہا سلام" علیکم شیخ صاحب نے وعلیکم السلام کہکر یہ مصرعہ پڑھا۔

دریں بزم رہ نیست بیگانہ را

چھوٹتے ہی حضرت نے جواب دیا، کہ

کہ پروانگی داد پروانہ را

شیخ صاحب نے اٹھکر گلے لگایا اور ایک خط نواب میر فیض علیخان کو صاحبزادہ کی ذہانت پر مبارکباد کا بھیجا۔

حضرت شاہ کمال علی صاحب نے مختلف علماے وقت سے تحصیل کی، حتیٰ کہ جونپور مین کوئی بڑے علامہ تھے، اور بیش قرار تنخواہ دینے پر بھی پٹنہ نہین آرہے تھے، تو حضرت خود وہان گئے، اور ایک سال وہان قیام فرمایا،

بہت سے علوم مین طاق تھے، اور الٰہیات مین قدیم حکما سے بھی آپ کا پلّہ بڑھا ہوا تھا ملّا صدرا کا مشہور مسئلہ حدوثِ دہر والا جسکی مخالفت صاحب شمس بازغہ نے کی ہے، اسکی ایسی تنقید کی کہ اگر وہ حکما اس وقت زندہ ہوتے تو مان جاتے، اثباتِ ذات واجب الوجود مین ڈھائی دلائل حکیم ارسطو کے مشہور ہین، علامہ غوث الحکما مولانا غیاث الدّین شیرازی نے چھ دلائل اور بڑھائے ہین، علامہ دوانی نے ارسطو کی ڈھائی دلیلون کو پورا تین کیا، علامہ مرزا جان شیرازی نے غوث الحکما کے دلائل کی تنقید کرکے چھ کو سات کیا، حضرت شاہ کمال علی علیہ الرحمہ نے اپنی تصنیف کمالات الحکمۃ مین ارسطاطالیس کی ڈھائی دلیلون کو اٹھارہ کیا، اس عہد کے جتنے حکماے متاٰہین تھے، سب نے آپ کی یہ بزرگی و حکمت مان لی،

ہمارے حضرت کے زمانۂ قیام کلکتہ مین عبدالرحیم دہری ایک زبردست عالم تھا، سارے ہندوستان کو چھاے ہوئے تھا، کوئی متبحر عالم ایسا نہ تھا کہ اس کا زخم خوردہ نہ تھا، دنیا کے عالم اس کے نام سے چڑتے تھے، اسکا قول تھا کہ مین خدا کا منکر نہین ہون، مگر جو دلائل خدا پرستون نے گڑھے ہین وہ سب پوچ و لچر ہین، ہمارے حضرت کے پاس تقریبًا روزانہ آیا کرتا اور گھنٹون حضرت کی صحبت مین رہتا، مختلف مباحث پر گفتگو رہا کرتی، ایک روز ہمارے حضرت سے اس مسئلہ مین اولجھ گیا، حضرت نے اپنے نانا صاحب کی کتاب اس کو دی اور کہا پہلے اسکو دیکھ جاؤ تو پھر اس خصوص مین گفتگو کرنا، چنانچہ وہ اسکو لیجاکر چوتھے یا پانچوین روز جب واپس آیا تو کہنے لگا درحقیقت آپ کے نانا صاحب نے کمال کیا ہے، اور مین آیندہ سے ہرگز ذات باری سے انکار نہ کرون گا،

یہ کتاب افسوس کہ چھپنے نہ پائی، حضرت کے انتقال کے برس دو برس پیشتر تک حضرت کے پاس مین نے دیکھی تھی، اکثر اسکا مطالعہ فرمایا کرتے، اور عربی زبان مین تھی،

شاہ کمال علی صاحب عربی کے ادیب یگانہ تھے، مولوی گلزار علی بنارسی ریاضی دان وغیرہ حضرت کے تلامذہ مین تھے، اور اس وقت کے بڑے بڑے نامی گرامی علما حضرت کے شاگردون مین تھے،

حضرت شاہ کمال علی صاحب کی تصانیف مین سے تصوف مین ایک نادر تصنیف شبستری علیہ الرحمۃ کی مثنوی گلشن راز کی فارسی زبان مین شرح تھی، نہایت محققانہ و مدققانہ تنقید کرکے یہ شرح لکھی تھی، یون تو بہت سے حکمائے الٰہی نے اس مثنوی کی شرحین لکھی ہین، مگر حضرت شاہ کمال علیصاحب کی شرح بے مثل تھی،

حضرت نے تصوف و علوم باطنی کی تعلیم اپنے نانا صاحب حضرت سید شاہ غلام علی قدس سرہ سے پائی تھی، بیعت بھی نانا سے کی تھی، ان کے متعلق بعض نقلین اپنے بزرگون سے سنین، از انجملہ ایک یہ کہ حضرت شاہ کمال علیصاحب کا شباب کا زمانہ تھا، اور اپنے دیوان خانہ مین بیٹھے تھے، کہ حضرت سے ملنے کے لیے نواب کاظم علیخان مرحوم نواب سید ہدایت علی خان اسد جنگ کے پوتے آئے، دونون خاندانون کے مکانات ایک دوسرے کے متصل تھے، یہ وہ زمانہ ہے کہ انگریزی ایسٹ انڈیا کمپنی کے قدم بنگالہ مین جم چکے تھے، نواب کاظم علی خان نے حضرت شاہ صاحب سے کہا کہ سنا ہے کہ گورنر جنرل کلکتہ سے مونگیر آئے ہوئے ہین، اگر حضرت کو فرصت ہو تو ہم دونون آدمی اس سے ملنے کو مونگیر چلین، حضرت شاہ کمال علی صاحب ذرا خاموش ہوگئے، کہ فوراً ہی ایک شتر سوار پھاٹک کے اندر داخل ہوا، اور ایک بڑا لفافہ خادم نے اس کے ہاتھ سے لیکر حضرت شاہ صاحب کو دیا، اس زمانہ مین گورنر جنرل فارسی مین عموماً خط و کتابت کرتے تھے، لفافہ کھولکر حضرت شاہ صاحب نے پڑھ کر نواب صاحب کے ہاتھ مین دیدیا، خط کا مضمون یہ تھا، منجانب گورنر جنرل بنگالہ بخدمت شریف جناب شاہ کمال علیصاحب

بعد سلام وشوقِ ملاقات واضح ہو کہ ان دنون مین مونگیر مین بضرورت آیا ہون، عظیم آباد بہت قریب ہے
مین آپکی زیارت کو آیا چاہتا ہون، آپ ابھی عظیم آباد ہی مین تشریف رکھین گے، یا اپنے علاقہ کے
پرگنون (ملکی، بلیا) مین جو مونگیر کے ضلع مین واقع ہین، آنے والے ہین، اگر اس طرف آنے کا
آپ قصد رکھتے ہین، تو مین نہ آؤن، حضرت نے اسی وقت منشی کو بلوا کر جواب لکھوا دیا، کہ مین عظیم آباد
مین ہون، اور ابھی کہین باہر جانے کا ارادہ نہین ہے، نواب کاظم علیخان کو جو حضرت سے خوب
واقف تھے کوئی تعجب یا تحیر نہین ہوا،

ایک دفعہ کا ذکر ہے، روزِ عاشورہ محرم مین حضرت سڑک کے کنارے والے کوٹھے پر
برآمد تھے چلمنین پڑی ہوئی تھین، اس طرف سے تعزیئے اور تابوت وغیرہ جو جا رہے تھے حضرت
چلمنون کے اندر سے ان کی زیارت کر رہے تھے، یک بیک ایک تعزیہ کو دیکھ کر حضرت بے حواس
اوپر سے کود دے، اور ننگے پاؤن سر پیٹتے ہوئے اس تعزیہ کے ساتھ کربلا تک چلے گئے، اس وقت
جو لوگ اور مریدانِ خاص حضرت کے پاس بیٹھے تھے، دوڑے، اور ایک پالکی بھی لائے، جب حضرت
کربلا سے واپس آئے، آنکھون سے آنسو کا دریا رواں تھا منہ سے کف جاری، اس حالت سے واپس
تشریف لائے، اس وقت تو کسی کو ہمت بات کرنے کی یا کچھ پوچھنے کی نہ ہوئی، دوسرے یا تیسرے
دن حضرت کے کسی عزیز یا مرید نے جب یہ پوچھا کہ خلافِ معمول حضرت کا اس طرح سے کودنا، اور
ایک تعزیہ کے ساتھ ننگے سر و ننگے پاؤن اتنی مسافت طے کر کے جانے کا کیا سبب ہوا، جسکا
جواب حضرت نے یہ دیا کہ میری مجال تھی کہ مین بیٹھا رہتا، دونون جہان کا شہزادہ، رسولؐ کا
لاڈلا امام حسینؑ اس تعزیہ کے ساتھ پیدل جا رہا تھا، غرض حضرت کے خرق و عادات اور کسب و
کمال کی متعدد نقلین بچپنے سے شباب تک سنتا رہا،

حضرت شاہ کمال علی کے منجھلے بھائی حضرت میر کلب علی خان ہمارے حضرت کے حقیقی نانا

ذوالریاستین تھے، یعنی تصوف و فقر کے مسائل مین بھی کامل تھے، اور ایک سیرحاصل پرگنہ آپ کے حصّہ کی جاگیر مین تھا، آپ کو کتب بینی کا بیحد شوق تھا، آپ نے پہلے کسی علالت کی وجہ سے افیون کا استعمال شروع کیا، اس کے خدر مین کتب بینی اور بھلی معلوم ہونے لگی، اس طرح آخر زمانہ مین افیون بہت بڑھ گئی تھی، حضرت چاندی کی پلنگڑی پر لیٹے ہوئے کتب بینی کیا کرتے تھے، اور ایک کاسہ مین افیون گھلی ہوئی رکھی رہتی، چھوٹی سی چاندی کی پیالی اس مین پڑی ہوئی، جو کوئی آتا اگر افیون کا استعمال رکھنے والا ہوتا تو جو خادم سامنے رہتا اسکی طرف اشارہ فرماتے وہ ایک پیالی مین جو علیحدہ رکھی رہتی چاندی کی پیالی کاسہ مین ڈبو کر تھوڑا عرق نکالکر دیتا، اور ایک رکابی مین برفی لاکر رکھ دیتا، تھوڑی باتین اس سے کرکے پھر کتب بینی مین مشغول ہو جاتے، پیچوان پلنگڑی کے قریب رکھا رہتا، دو چار کش کھینچے پھر پیچ رکھدیتے، کتاب دیکھنے لگتے،

ہمارے حضرت کے چھوٹے نانا صاحب نواب میر ذوالفقار علی خان تھے، جنکے لیے دہلی سے خطابِ نوابی ان کے والد نے منگوایا تھا، اگر میری یاد غلطی نہین کرتی ہے تو یہ بھی مین نے حضرت سے سنا تھا کہ چند دنون کے لیے عظیم آباد کے ناظم بھی رہے تھے، اور خود مستعفی ہوئے، بچپنے ہی سے ان کو فنِ سپہ گری کا بہت شوق تھا، نہایت قوی ہیکل اور بڑے پیراک بھی تھے، نہایت بہادر اور شجاع تھے، اُنکی بہادری اور چستی اور چالاکی کی ایک نقل حضرت فرماتے تھے کہ نواب میر فیض علیخان کے زمانہ مین ایک گاؤن بیدخل ہوگیا تھا، دو زمیندار اس قدر شریر تھے کہ دخل تام نہین ہو سکتا تھا، نواب میر ذوالفقار علیخان بہادر نے اپنے زمانہ مین عجب کمال کیا، ہاتھی پر سوار ہوکر اس گاؤن کی سرحد پر پہنچے، کچھ رات باقی تھی، گرمیون کے دن تھے، آپ صرف دو پیادون کو لیکر زمیندار کے گھر پہنچ گئے، دونون زمیندار صحن مین پڑے سو رہے تھے، ان کے قریب پہنچکر ایک لگام ایسی چڑھادی کہ آواز بند ہوگئی، دونون کو رسیون مین باندھ لیا، جو غالباً ساتھ رکھ لی ہوگی

اور سرحد پار نکل آئے ہاتھی پر سوار کر کے پٹنہ لے آئے، کسی سے کچھ نہ بن پڑی، آخر وہ دونون اشرار سر ہو گئے،

ان کی پیراکی کی کیفیت بندہ علی خان مرحوم نے چشم دیدہ بیان کی کہ قلعۂ شاہی کے نکڑ پر گنگا مین بہت بھنور (گرداب) رہتے ہین، بعض وقت کشتی اس طرف سے بدقت چڑھتی ہے، آپ بے تکلف اس بھنور کے اندر کھڑے پاؤن لگایا کرتے تھے، اور سخی بھی ایسے تھے کہ کتنے شرفا آپکی بدولت آرام سے زندگی بسر کرتے تھے، شیر کے شکار کا بھی بہت شوق تھا، اس مین ورثہ اپنے والد کا پایا تھا، وہ بھی شیر کے شکار کے بہت شایق تھے،

حضرت سید شاہ کمال علی کے صاحبزادہ حضرت سید شاہ وارث علی اشکی، اپنے تخلص سے زیادہ مشہور رہتے تھے، علوم ظاہری و باطنی کچھ حضرت شاہ کمال علی صاحب سے حاصل کئے، اور کچھ دیگر علما سے، بیعت اپنے والد سے کی، حضرت سید جمال حسین صاحب جمال تخلص حضرت میر کلب علیخان کے فرزند تھے، میر ذوالفقار علی خان لاولد مرے، یہ دونون بھائی یعنی حضرت اشکی و حضرت جمال بے مثل شاعر بھی تھے،

حضرت سید جمال حسین کا مزار محلہ دھولپورہ مین ان کے مقبرۂ آبائے کرام مین ہے، جسپر سنگ موسیٰ کی لوح لگی ہے اور سارا پتھر ان کے اوصاف سے بھرا ہے، اپنے بزرگون سے مین نے سنا ہے کہ بعد منہائی کی ضبطی کے بھی حضرت اشکی و حضرت جمال کے زمانہ تک پچیس تیس ہزار روپیہ سالانہ کی

ل یہ بزرگ محلہ دھولپورہ کے رہنے والے جز معاش مگر شریف الخاندان شخص تھے، ہمارے حضرت سے عمر مین پندرہ سولہ سال بڑے تھے اور حضرت کے ناناصاحب کے پاس جو ایک مولوی احمدی صاحب ملازم تھے ان سے محلہ کے اکثر لوگ پڑھنے کو جاتے تھے، بندہ علی خان مرحوم نے بھی ان سے پڑھا تھا، راقم کے چچا صاحب کے پاس اکثر آیا کرتے تھے، غدر کے بہت بعد تقریباً اسی برس کی عمر پاکر رحلت کی،

معاش اس خاندان مین باقی رہگئی تھی، کارندون نے ان کے ورثہ کو آپس مین لڑا لڑا کر اور سرکاری مالگذاری گرا گرا کر تباہ کردیا،

ہمارے حضرت کو حصّہ نانہالی مین سولہ ہزار سالانہ کی معاش ملی تھی، منجملہ جس کے مرشد آباد جاتے وقت کچھ وقف کی اور کچھ منجھلی بی بی، اپنی ہمشیرہ کو بذریعہ ہبہ دیدی، جس کا کوئی سبب خانگی تھا،

قبل اس کے کہ اس باب کو ختم کرون مناسب سمجھتا ہون کہ ہمارے حضرت نے اپنی مثنوی دلستانِ اخلاق بہ تتبع بوستانِ سعدی مین جو ۱۲۹۳ھ مین زیورِ طبع سے آراستہ ہوئی تھی بتقریب سپاس گذاریِ باری تعالیٰ اپنے حسب ونسب کے متعلق جو ارشاد فرمایا ہے، اس کی نقل کردون، حضرت ارشاد فرماتے ہین،

دو گوہر ز گنجِ عطائے بزرگ — عطا کرد مارا خدائے بزرگ
یکے گوہرِ پاکِ آبائے من — دگر جوہرِ طبعِ والائے من
ملاذِ سرِ سروران بودہ اند — بگیتی بنام ونشان بودہ اند
پدر بر پدر جملہ آبائے من — بزرگانِ ارشاد فرمائے من
پدر را نسب از سرِ آگہی — بموسیٰ ابن جعفر شود منتہی
علی ابن موسیٰ جدِ مادری ست — کہ روشن دُرِ درجِ پیغمبری ست
بسے از بزرگانِ این دودہ اند — کہ کامل ترین اولیا بودہ اند
معظم ترین است محبوبِ پاک — کہ فیضش بود از سمک تا سماک
نیایم یکے مرشدِ ہانسوی ست — کہ گنجور گنجینۂ معنوی ست
بدہلی بود شاہِ روشن چراغ — دو گیتی ز عطرش معطر دماغ
نیائے دگر بو الفرح بودہ است — کہ در خطۂ واسطہ آسودہ است

دگر آن جلال جلالت پناه — که پانی پت او را بود خوابگاه

ولیکن برین نسبت و اعتبار — نباشد مرا نازش و افتخار

نزیبد مرا این ناز بر جائے خویش — که نازند بر فضلِ آبائے خویش

درِ فخر بر روئے خود باز کرد — که بر جوہرِ ذات خود ناز کرد

متاعے گر از خود نداری بدست — ز بیگانہ سودا چہ آری بدست

بابِ دوم

حالاتِ عہدِ طفلی تا عہدِ شباب قبلِ روانگی مرشد آباد

حضرت کی ولادت اور ایامِ رضاعت کے بعض حالات بابِ اوّل مین درج کئے جاچکے ہین، کوئی سال ڈیڑھ سال کی عمر ہوگی کہ حضرت کے والدین ان کو پٹنہ سے موضع پیربگہ (ضلع گیا) جہان حضرت شاہ نورالحسن صاحب کا دولت خانہ و دیگر املاک تھی لے گئے، ابتدائی تعلیم کے بارہ مین کہا جاتا ہے، کہ والدہ ماجدہ نے قرآن مجید کے چند سورے یاد کرائے، اور مولوی فرزند علی صاحب جو اس گھر کے قدیم ملازم تھے کچھ پڑھا دیا کرتے تھے،

اس خاندان مین عموماً پانچوین سال مکتب ہوتا ہے، مگر حضرت کی رسمِ بسم اللہ ساتوین سال ہوئی، قرینہ کہتا ہے کہ دادیہال کے بزرگ چاہتے ہونگے کہ پیربگہ مین مکتب ہو، اور نانیہال کے بزرگ چاہتے ہونگے کہ عظیم آباد مین مکتب نشینی ہو، اس کشاکش مین دیر ہوئی، بہرحال عظیم آباد مین یہ تقریب سعید ہوئی، اور حضرت کے بڑے نانا حضرت سید شاہ کمال علی صاحب نے یہ رسم ادا کی، مکتب سے غرض تعلیم شروع ہونے سے ہے، اور وہ بہت قبل شروع ہوچکی تھی، پھر حضرت پیربگہ بھیجدیئے گئے، جہان مولوی فرزند علی صاحب نے پڑھانا شروع کیا، کچھ دنون بعد مولوی صاحب کا انتقال ہوگیا، اور بروقت پیربگہ مین کوئی معقول استعداد کا نہ مل سکا، تو حضرت کے والد نے خود پڑھانا شروع کیا، حضرت فرماتے تھے کہ میری آٹھ نو سال کی

کی عمر ہوگی کہ مولوی فرزند علی صاحب نے اثنائے مادھورام شروع کرنے کا قصد کیا، اور والد سے اجازت چاہی، مین بھی والد کے پاس بیٹھا ہوا تھا مین نے کہا مادھورام تو کوئی ہندو ہوگا، وہ فارسی کیا جانے اس پر والد مرحوم خوب ہنسے، اور کئی بار لفظ ماشاء اللہ کا استعمال کیا۔ ملا جامی تک اپنے والد سے پڑھا تیرہوان یا چودہوان سال تھا کہ گھوڑے سے گر کر حضرت شاہ نور الحسن صاحب نے انتقال فرمایا،

حضرت کے والد کی رحلت کے بعد حضرت کے نانا صاحب نے اپنی صاحبزادی کو اور حضرت کو مع ان کی ہمشیرون کے عظیم آباد بلا لیا، حضرت اپنے ماموں صاحب سے پڑھنے لگے ساتھ ہی نانا صاحب بھی دیکھ بھال فرمالیا کرتے تھے، حضرت فرماتے تھے کہ اس پیرانہ سالی پر ان کو کتابین ایسی مستحضر تھین کہ بیشتر کتابون کی اصل عبارت اور باختلاف اقوال اسکی شرحون کی عبارت پڑھ دیا کرتے تھے، جب حضرت کے ماموں صاحب اپنے علاقہ پر تشریف لیجاتے تو ایک بزرگ مولوی احمدی صاحب حضرت کے نانا صاحب کے ملازم تھے، جن سے محلہ کے اکثر لڑکے آکر پڑھا کرتے تھے، حضرت کو درس دیا کرتے،

مولوی احمدی صاحب ایک جید الاستعداد عالم تھے۔ فرزند علیخان صاحب اکثر حضرت کے اس زمانہ کے حالات راقم کے چچا صاحب سے دوہرایا کرتے، وہ کہتے تھے کہ چھتر کے میلہ سے ایک یابو گھوڑا یعنی ٹانگن حضرت کی سواری کے لیے خرید کر منگوایا گیا تھا جس پر روزانہ شام کو سوار ہوا کرتے، ایک سائیس دو پیادے ساتھ رہتے تھے، ایک دفعہ سعادت خان کے مقبرہ کے اندر گھوڑے سے اتر گئے، وہان بڑے حوض پر پاون لٹکا کر بیٹھ گئے، کسی چیز کو مڑ کر دیکھنے لگے کہ کھسک کر حوض مین گر پڑے، سر مین سخت چوٹ آئی، پیادے ڈرے کہ نہین معلوم کیا سزا ہم لوگون کی ہوتی ہے، حضرت کے نانا صاحب کو جب اس واقعہ کی خبر ہوئی یہ فرما کر چپ ہوگئے کہ اتفاقی بات تھی، مکتب نشینی کے لیے جب حضرت آئے ہوئے تھے، اور کوئی ساتوان سال تھا اس وقت کا یہ واقعہ ہے جو ابھی بیان کیا گیا،

فرزند علی خان صاحب یہ بھی کہتے تھے کہ حضرت کو بچپن ہی سے خیال استحفاظ نفس بہت تھا، اسی زمانہ مین اپنے تانگن کو دیکھنے کے لئے اصطبل کی طرف نکل آتے تھے، انّا حضرت کی ساتھ رہا کرتی تھی، وہ خان صاحب سے ناقل تھی کہ اصطبل کی طرف جب گئے تو سائیسون نے کھڑے ہو کر سلام نہین کیا، دو تین بار اس بات کو دیکھ کر انّا سے بولے، کہ جب ماموں جان ادھر آتے ہین، تو سب سائیس کھڑے ہو جاتے ہین، اور جھک کر سلام کرتے ہین، مجھے کوئی سلام نہین کرتا، اور نہ یہ لوگ کھڑے ہوتے ہین، انّا نے جواب دیا جب آپ بڑے ہون گے، پڑھ لکھکر فاضل ہونگے تو آپ کو بھی سلام کرین گے، کہنے لگے نہین ان لوگون سے کہو مجھ کو سلام کرین، ماموں جان کو کھڑے ہو کر سلام کرتے ہین، تو مین چھوٹا ہون مجھے بیٹھے بیٹھے سلام کرین،

جب حضرت کی عمر پندرہ سولہ سال کی ہوئی تو بعض طلبہ کا پڑھانا مولوی احمدی صاحب نے حضرت کے سپرد کیا، اور وہ کس طرح پڑھاتے ہین اسکو خود غور سے دیکھتے اور سنتے، حضرت سترہ برس کے سال فارغ التحصیل ہوئے، اور رسم دستار بندی ہوئی، اس موقع پر بہت سے علما کو حضرت کے نانا صاحب نے مدعو اور جمع کیا اور فرمایا کہ آپ حضرات ان سے سوال کرین، حضرت فرماتے تھے پھر تو مختلف سوال مجھ سے ہونے لگے، ابھی کسی نے ایک مسئلہ صرف کا پوچھا کہ دوسرے صاحب نے تشریح الافلاک کا سوال کیا، ہنوز میرا جواب تمام نہین ہوا کہ ملا جلال یا شرح مواقف کا کوئی مسئلہ پوچھا گیا، خدا کی عنایت سے کسی سوال کے جواب مین مین قاصر نہین رہا، جو تھا وہ یہی کہہ رہا تھا کہ بھلا جسکی تعلیم حضرت شاہ کمال علی صاحب کی نگرانی مین ہو اسکا کیا کہنا،

حضرت کو کتب بینی کا بے حد شوق تھا کوئی لمحہ کتب بینی یا درس دینے سے خالی نہ جاتا (بقول حضرت مین کتاب کو اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھتا ہون،) حضرت ایک واقعہ بیان فرماتے تھے، جب کہ حضرت کی عمر چوبیس پچیس برس کی تھی، کہ رات دن کی کتب بینی کی وجہ سے

نزلہ حضرت کو ایسا ستاتا کہ آنکھین جوش کر آتی تھین، فرماتے تھے زکام ہمیشہ رہنے لگا، آخر تنگ آکر
کتاب دیکھنا چھوڑا، لیکن عادت بری ہوتی ہے، یہ حالت رہی کہ مین کرسی پر بیٹھا ہون سامنے
چھوٹی میز پر کتابین رکھی ہین، کتاب اوٹھائی، دو سطرین دیکھین، پھر دور سے رکھدین، پانی آنکھ اور
ناک سے شدت سے بہنے لگتا تھا، دس منٹ کے بعد پھر کتاب اٹھائی، آگے کی دو چار سطرین پڑھین،
اور کتاب رکھدی، ایک روز کا ذکر ہے، سامنے ڈیوڑھی پر ایک ہندو سادھو دکھائی دیا جو دیر
سے کھڑا ہوا مجھ کو دیکھ رہا تھا، جب مین اوسکو دیکھنے لگا تو اندر آنے کی اجازت چاہی، زور سے
پکار کر مجھ سے پوچھا، بابا اندر آؤن، مین نے خیال کیا کہ بلا کر اور کچھ دے کر رخصت کرون، مین نے
کہا آؤ، میرے پاس آکر سامنے کھڑا ہو گیا، مین نے آدمی کو اشارہ کیا کہ اسے کچھ دیدو، سادھو نے
لینے سے انکار کیا اور بولا کہ ہم فقط درشن کو آئے ہین، مانگنے نہین آئے ہین، جب مین نے اس سے
یہ سنا تو کہا بیٹھ جاؤ، ایک کرسی پر بیٹھ گیا، اس نے مجھ سے پوچھا کیا بابا تم کو نزلہ ہے، مین سامنے سے دیکھ
رہا تھا، تم کتاب اوٹھاتے اور رکھ دیتے تھے، شاید پڑھا نہین جاتا، مین نے اس سے مفصل اپنی حالت
بیان کی، اور کہا کہ مین نزلہ سے تنگ آگیا ہون، مجھے پڑھنے کا شوق ہے اور نزلہ هارج ہوتا ہے،
آنکھ ناک سے پانی ٹپکنے لگتا ہے، اور قوتِ حافظہ کا یہ حال ہے کہ کچھ یاد نہین رہتا، حالانکہ میرا حافظہ سال
بھر کے قبل تک بہت قوی تھا، اس نے کہا کہ اگر ہم ایسی دوا بتائین کہ پھر تم کو تمام عمر نزلہ پریشان
نہ کرے، اور قوتِ حافظہ بھی بڑھے تو استعمال کرو گے، میرا خیال ہے کہ اس کو برا سمجھ کر استعمال نہ کرو گے،
مین نے کہا اگر وہ دوا مفید ہے تو ضرور استعمال کرونگا، اس نے کہا آدمی کے سر کے سیاہ بال جمع کرو، اور
ایک آبخورہ مین دبا دبا کر بھرو، اس آبخورہ کے منھ کے برابر ڈھکنا رکھکر مٹی سے بند کر دو اور ڈھکنے
مین ایک سوراخ بیچ مین بنالو، آگ کی ایک چنگاری سوراخ مین سے بال پر گرا دو، جب دھوان
بلند ہو تو اس کو خوب سونگھو تاکہ دھوان ناک کے اندر جائے، چھ سات روز تک دن مین ایک یا

دو بار اس طرح دھوان سونگھو، خدا نے چاہا تمام عمر نزلہ نہ ہوگا، قوتِ حافظہ جدا قوی ہو جائے گی، یہ کہکر وہ فقیر چلا گیا، مین نے بمجبوری آدمی کے سر کے سیاہ بال منگا کر سات آٹھ روز اسی طرح عمل کیا بدبو اور چراند سے میرا ناک مین دم ہو گیا، مگر عجائبات جب سے آج تک نزلہ میرے گرد نہ آیا، اور قوتِ حافظہ سابق سے زیادہ بڑھ گئی،

حضرت سے درس لینے کے لیے چالیس پچاس برس کی عمر والے تک حضرت کے پڑھانے کی تعریف سنکر جمع ہوتے، اور مختلف علوم کی کتابین پڑھتے، بندہ علی خان صاحب کہتے تھے کہ حضرت کے شباب تک مولوی احمدی صاحب زندہ تھے، خانصاحب کے بھی وہ استاد تھے، مولوی صاحب اپنے خاص شاگردون کو جس مسئلہ مین وہ عاجز ہوتے تو حضرت کے پاس بھیجدیتے، کبھی خود بھی تنہائی مین حضرت سے کتابون کے بعض مقامات پوچھ جاتے، ہمارے حضرت فرماتے تھے مطالعۂ کتب اور درس دہی کے شغل مین دن کا پتہ مطلق نہ لگتا تھا، یہ معلوم ہوتا تھا کہ بجائے بارہ یا چودہ گھنٹہ دن کے دو ہی چار گھنٹون کا دن ہو کر رات آجاتی ہے، چونکہ نزلہ جاتا رہا تھا کتب بینی اور بڑھ گئی تھی، جسطرح مطالعہ کا اسی طرح درس دینے کا بھی کمال شوق تھا، اور آخر عمر تک یہ دونون مشغلے رہے، مین نے حضرت کے آخرِ زمانہ مین بھی یہ دیکھا کہ خاص اوقات کے سوا کتاب ہر وقت ہاتھ مین رہتی تھی، اور قوتِ حافظہ کا اسی برس کی عمر مین یہ حال تھا کہ جب کسی نے کوئی تاریخی سوال کیا تو گھڑیون اس کا بیان کیا کرتے، گویا کتاب سامنے رکھی ہے، پھر بقیدِ تاریخ و سنہ اور اختلاف بیان اور اپنا قول فیصل سب کچھ بیان فرما دیتے تھے، یہ ایک یادگار نقل ہے، جب حضرت مرشدآباد مین پہلی دفعہ تشریف لے گئے اور اپنی صحبت مین حسب عادت اکثر تاریخی واقعات بیان فرمایا کرتے تھے، وہان ایک رئیس نواب میر احمد علیخان افق تھے، ان کو یہ بدگمانی ہوئی کہ شام کو اپنی صحبت مین جو تاریخی تذکرے حضرت بیان فرمایا کرتے ہین، غالبًا دن کو مختلف تاریخین

دیکھ دیکھ کر یاد کر لیا کرتے ہین، اس شک و شبہہ کو مٹانے کے لیے انھون نے چند مولویون کو اس کام کے لیے مقرر کیا کہ مختلف ممالک کی تاریخین یاد کرین، کسی کے سپرد تاریخ مصر کی، کسی کے تفویض تاریخِ چین، کسی کے حوالہ تاریخ عرب، غرض مختلف مقامات کی تاریخین خوب زبانی یاد کرائین، ہفتہ عشرہ مین جب یہ لوگ اچھی طرح تیار ہو گئے، تو ایک دن ہمارے حضرت کی دعوت کی، شب کے کھانے سے فارغ ہونے کے بعد جب حقے آئے، ایک مولوی نے ایک سوال کیا، مثلاً محمد تقی خان سرزمینِ ہند مین یا ایران مین کون شخص تھا، آپ نے فرمایا ہان اس نام کے فلان سنہ سے فلان سنہ تک صاحبِ نام و نشان چار اشخاص ہوئے، آپ کسکو پوچھتے ہین؟ انھون نے بات بنا کر کہدیا فلان سنہ والے محمد تقی خان سے غرض ہے حضرت نے پھر تو دریا بہا دیا جتنے واقعات اسکی زندگی مین اہم گذرے سب بیان کر دیئے، اسی طرح دوسرے نے تاتار کا کوئی واقعہ پوچھا حضرت نے فرمایا دراصل کہیے یہ یون نہین یون ہے، غرض چھ سات اشخاص شب کے نو بجے سے گیارہ بجے تک سوالات کرتے رہے اور بعض تو خود الجھ جاتے، قصہ مختصر کہ صاحب خانہ نے اپنی جگہ سے بیتابانہ حالت مین تحیر و مسرت کیساتھ اٹھکر حضرت کے پاس آکر معافی مانگی، اور اپنی بدگمانی کا اعتراف کیا،

یہ نقل تو حضرت کے شباب کے زمانہ کی تھی اور میرزا مغل جان صاحب مرحوم مرشد آبادی نے جو اس صحبت مین موجود تھے، راقم سے بیان کی تھی، میرزا مغل جانصاحب کے انتقال کو چالیس سے زیادہ ہوا ہے، اخیر زمانہ مین وہ عظیم آباد مین اپنے قرابت دار جو نواب مرحوم کے ہان آکر رہ گئے تھے، اور عظیم آباد ہی مین انتقال کیا، آخر زمانہ تک حضرت کے حافظہ کی یہی حالت رہی، چنانچہ ایک نقل تیزی قوتِ حافظہ کی اخیر عمر کی یہ ہے، محترمی شمس العلما نواب امداد امام صاحب اثر فرماتے تھے، "ایک دفعہ ایک شالی پٹکا باندھے ہوئے مین حضرت کی خدمت مین حاضر ہوا،

دو تین دفعہ میرے سر کی طرف دیکھا، مین متحیر ہوا کہ خلاف عادت حضرت نے میرے سر کی طرف کیون بار بار دیکھا، ضرور کوئی وجہ ہو گی، جب لوگ یکے بعد دیگرے رخصت ہوئے، تو مین نے جرأت کرکے وجہ دریافت کی، حضرت نے فرمایا کہ یہ ٹپکا جو تم باندھے ہو کیا تمھارے نانا کے ترکہ مین تم کو ملا، مین نے عرض کیا حضور ہان! تو فرمانے لگے مین نے بھائی میر الطاف علی صاحب کے سر پر اس کو دیکھا تھا، مین نے پوچھا نانا صاحب کے انتقال کو کس قدر عرصہ ہوا، حضرت نے فرمایا کوئی پچاس سال ہوئے ہونگے، مین نے پوچھا حضور نے ان کے سر پر کئے دفعہ ملاحظہ فرمایا تھا، فرمایا شاید دو تین بار، اللہ اکبر اس حافظہ کا کیا ٹھکانہ ہے جب ہی تو ایسے اکمل ہوئے، خلاصہ یہ کہ ایسے قوی حافظہ کا کوئی جوان بھی مین نے نہین دیکھا، ایسی متعدد نقلین ہین،

حضرت فرماتے تھے کہ مجھے سترہوان سال تھا کہ شعر کہنے کا مجھے مستقل شوق ہوا، اس کے پیشتر بھی کبھی عربی یا فارسی مین کچھ نظم کر لیا کرتا تھا مستقل طور سے شعر کہنے کا یہ سبب ہوا کہ ایکدن بڑے ماموں صاحب کی خدمت مین حاضر ہوا حسب معمول کچھ لوگ جمع تھے، ماموں صاحب حضرت خواجہ میر درد کا اور اپنے سفر دہلی کا حال بیان فرما رہے تھے، اثنائے تذکرہ مین ماموں صاحب نے فرمایا" ایک دفعہ خواجہ صاحب کی صحبت مین ایک متبحر فاضل صاحب بھی بیٹھے تھے، حضرت خواجہ صاحب نے کوئی نکتہ تصوف کا بیان فرما کر اردو کا ایک شعر پڑھا، اور اسکی شرح کرنے لگے جتنے لوگ صحبت مین بیٹھے تھے سب متاثر ہو کر وجد مین آنے لگے، ان فاضل پر غضب کا اثر ہوا، جلدی سے خواجہ صاحب کے پاؤن پر سر رکھدیا اور کہنے لگے، اس شاعری پر ہزار فضیلت قربان، ماموں صاحب کے اس بیان پر ایک صاحب کہنے لگے وہ فاضل دیوانے ہون گے، کجا علم کا رتبہ اور کجا شاعری جسمین سراسر کذب و بہتان ہوتا ہے، اسی لیے اہل علم شاعری کو مذموم اور کم رتبہ سمجھتے ہین، ماموں صاحب نے فرمایا ایسا نہ کہئے، معرفت کے اشعار عبادت مین

داخل ہین، اور ایسے اشعار کہنے والے کو دین و دنیا دونون مین جگہ ملتی ہے، دنیا مین اسطرح
کہ جب سے شاعری دنیا مین پھیلی ہے، ہزارہا فاضل اور کیسے کیسے علامہ ہو گذرے ہین مگر بعض کے سوا
کوئی ان کا نام تک نہین جانتا، برعکس اس کے شعرا کو دیکھئے ہمیشہ ان کی یاد تازہ ہے، اور گویا
وہ زندہ ہین، اور اکثر شعرا ایسے ہین کہ جب ان کے نام لیے جاتے ہین تو رحمہ اللہ کہکر لوگ
دعائین دیتے ہین، غرض ماموں صاحب کا اس وقت کا بیان ایسا موثر اور سچا معلوم ہوا کہ مین نے
اپنے دل مین ٹھہرا لیا کہ اب سے تا عمر بجز شعر گوئی کے اور کوئی کام نہ کرونگا، پھر فرمایا یہ گویا میری
شاعری کی بنا ہے، اور اس تاریخ سے مین نے بالاستقلال شعر کہنا شروع کیا، روزانہ دو
غزلین نظم کرتا ایک فارسی اور ایک اردو، ایک شب کو شعر کہنے مین ایسا منہمک ہو گیا کہ
معلوم بھی نہ ہوا کہ رات کدھر آئی اور کدھر گئی، صبح ہوتے ہی غزلین لیے ہوئے بڑے مامون
صاحب کی خدمت مین حاضر ہوا، مامونصاحب نے پوچھا ہاتھ مین کیا ہے، مین نے عرض کیا غزلین
ہین، ہاتھ سے کاغذ لیکر غور سے دیکھا اور پوچھا مین بنا دون، مین نے عرض کیا اسی غرض سے
حاضر ہوا ہون، حضرت مامون صاحب نے فارسی کی غزل پر خود اصلاح فرما کر میری تعریف
کی، حوصلہ افزائی کے کلمے ارشاد کیے اور یہ فرمایا کہ اردو غزل پر اپنے چھوٹے مامون سے اصلاح
لو، ان کو اردو کی مشق مجھ سے زیادہ ہے،

چنانچہ اس وقت سے یہ معمول رکھا، فارسی کلام بڑے مامونصاحب کو دکھاتا اور اردو
چھوٹے مامون صاحب کو، جب پہلی دفعہ اردو غزل چھوٹے مامون صاحب کو دکھانے گیا تو
انھون نے فرمایا کہ بڑے بھائی صاحب کے ہوتے ہوئے مجھ کو کیون دکھاتے ہو، مین نے
عرض کیا انھین کے حکم سے اردو غزل حضور کے پاس حاضر کی ہے، مسکرائے غزل ملاحظہ
فرما کر چند جگہ اس پر اصلاح دی، اصلاح دیکر فرمایا، مین تم کو منع نہین کرتا، مگر ابتدائے مشق

مین صرف ایک ہی زبان مین نظم کرنا بہتر ہے، جب ایک زبان مین کلام پختہ ہو جائے گا تو دوسری زبان مین کہنا آسان ہو جائے گا،

راقم نے بھی پہلی دفعہ حضرت استاد کی خدمت مین دو غزلین ایک فارسی دوسری اردو پیش کی تھین، تو ہمارے حضرت نے فرمایا ایک غزل چاہے اردو ہو یا فارسی اٹھا لو، اگر چاہتے ہو کہ دونون زبانون مین کلام پختہ ہو جائے تو پہلے ایک ہی زبان مین مشق کرو، مین نے فارسی غزل اٹھالی تو فرمایا مین نے تم کو اہل عجم سے فارسی بولتے سنا ہے بامحاورہ باتین کرلیتے ہو، جب اردو مین پختگی آجائے گی تو فارسی مین بھی ضرور آجائے گی، ایک دن حضرت کی خدمت مین آغا محمد حسین خانصاحب بیٹھے ہوئے تھے اور مین بھی حاضر تھا ہمارے حضرت آغا صاحب سے کہنے لگے کیون آغا تم کو ابو تراب خان یاد ہین؟ آغا صاحب نے لاعلمی ظاہر کی، تو فرمانے لگے بھئی وہ تمھارے گھر کے متصل ہی تو رہتے تھے، ابو محمد خان کابلی کے عزیز تھے، وہی تو گویا محرک ہوئے جو میرے ہان مشاعرے قرار دیئے گئے، مین پہلی دفعہ انھین کے ہان کے مشاعرہ مین دونون مامون صاحبون کے ساتھ گیا تھا، اس مشاعرہ مین شیخ راسخ بھی شریک تھے، مین نے اپنی غزل اسی مشاعرہ مین پہلی دفعہ پڑھی تھی، جب راقم نے شیخ راسخ مرحوم کا نام سنا تو اشتیاقاً پوچھا کہ اس وقت ان کی عمر کیا تھی اور کیا وضع و ترکیب وقطع تھی، حضرت نے فرمایا عمر ان کی اسوقت ستر سے زیادہ تھی، آدمی دراز قد بہت دُبلے پتلے تھے، صندلی کرتا پہنے تھے، اور صندلی صافہ سر پہ تھا، چھوٹی سی داڑھی کھچڑی تھی، مین نے اس مشاعرہ مین انکی غزل نہین سنی، اس روز انکی طبیعت کچھ بے لطف سی تھی وہ پڑھے نہین مگر میرے ہان مشاعرون مین دو دفعہ آئے تھے، اور دونون دفعہ اپنی غزلین پڑھین، ایک طرحی دوسری غیر طرحی، حضرت نے سلسلۂ کلام کو جاری رکھکر فرمایا، ابو تراب خان والے مشاعرہ سے دو بجے ہم لوگ لوٹ کر گھر آئے،

اس وقت پھاٹک بند تھا، اور نانا صاحب حسب معمول نماز تہجد کے لیے بیدار ہو کر طہارت خانہ مین تھے، پھاٹک کھلوانے کی آواز سنی ہم لوگ تو اپنی اپنی جگہ پہ چلے گئے، حضرت نے طہارت خانہ سے نکلکر ڈیوڑھی کے پیادون سے دریافت کیا کہ کون آیا، سنکر اسوقت خاموش ہو گئے، صبح کو بڑے ماموں صاحب سے فرمانے لگے اپ حضرات پختہ عمر ہین، آپ اگر ایک یا دو بجے اس قدر رات گئے تک جائین اور کہین رہجائین تو چندان مضائقہ نہین، مگر اس عمر کے لڑکے کو (میری طرف اشارہ فرماکر) کیون لیجاتے ہین، ماموں صاحب نے عرض کیا ان کو انتہا کا شوق ہے، مجھ سے بہت اصرار کیا مین مجبور ہو گیا نانا صاحب نے فرمایا اگر ایسا ہے تو اپنے گھر مین مشاعرے کیا کرو، دوسری جگہ جانے کی ضرورت نہ رہے اس اجازت کے مل جانے سے ہم لوگون کو دلی مسرت ہوئی، دونون ماموں صاحبون کی رائے سے ہر مہینے کی پانچوین تاریخ صحبت مشاعرہ چھوٹے دیوان خانہ مین قرار پائی،

حضرت نے فرمایا کہ داخل فہرست مشاعرہ اسی کا نام ہوتا تھا جس کے متعلق یہ یقین ہوتا تھا کہ یہ خود نظم کرتے ہین، دوسرون سے کہوا کر شعر نہین پڑھتے ہین، حضرت نے فرمایا جب ہمارے ہان مشاعرے ہونے لگے، تو بہت سی باتین ملحوظ رکھنی ہوتی تھین، فہرست مشاعرہ کی ترتیب مین امارت کا یا کسی اور وجہ سے کسی کو ترجیح دینے کا خیال نہین کیا جاتا تھا، بلکہ درجۂ شاعری دیکھا جاتا تھا صحبت مشاعرہ آٹھ بجے سے دو بجے شب تک قائم رہتی تھی، صرف ایک غزل غیر طرحی پڑھنے کا ہر شاعر کو حق تھا اور وہ بھی پندرہ شعر سے زیادہ نہین، ایسا ہی کوئی استاد ہوتا جس کے کلام کے لوگ زیادہ شایق ہوتے تو دو غیر طرحی غزلین پڑھنے کی اسکو اجازت دیجاتی، اگر مخمس ہوتا تو خلاف طرح غزل پڑھنے کی ممانعت تھی، خمسہ بھی چھ سات بندون سے زیادہ کا نہین ہوتا، دوران مشاعرہ مین گلوریون کا دور چلتا تھا اور حقے بسے بسائے عمدہ تمباکو کے متعدد رہتے، گرمیون مین پھولون کے ہار بھی تقسیم کئے جاتے، بڑے بڑے پنکھے پشت کی طرف کھڑے ہوئے کہار برابر جھلا کرتے،

آداب مشاعرہ مین یہ داخل تھا کہ ہر پڑھنے والا میر مشاعرہ سے اجازت لیکر شروع کرتا، اگر پڑھنے والا تعداد معینہ سے زیادہ پڑھتا چلا جاتا تو میر مشاعرہ اس کے پاس جاکر آہستہ سے کہکر روک دیتا اور اس سے کسی کو ملال نہین ہوتا تھا، طنز و تشنیع کے اشعار پڑھنا ممنوع تھا، اسپر بھی اگر کوئی کنایۃً کسی کی شان مین طنز آمیز الفاظ موزون کرتا تو اس سے کہا جاتا کہ شخص متضرر سے معذرت کرے، معافی مانگے، ورنہ مشاعرہ کی فہرست سے نام خارج کر دیا جاتا،

حضرت فرماتے تھے کہ بانیِ مشاعرہ کی بہت ذمہ داریان تھین اور اسکو بہت سوچ کر صحبت مشاعرہ قرار دینی ہوتی تھی، ورنہ موردِ الزام و بدنام ہوجاتا، حضرت فرماتے تھے کہ ہمارے ہان کے مشاعرون مین دو دفعہ مہاراجہ ہیبت سنگھ یادگارِ خاندان مہاراجہ شتاب رائے بھی گئے تھے، علاوہ ان کے نواب فیروز جنگ نبیرۂ نواب منیر الدولہ، و نواب سہراب جنگ، نواب شجاع قلی خان و دیگر اعیان وارکان جو کسی دوسری جگہ مشاعرون مین کبھی شریک نہین ہوئے، ہمارے ہان سب گئے،

حضرت فرماتے تھے کہ مشاعرون مین مرزا احمد منشا، منشی کاظم علیخان سابق میر منشی گورنر جنرل ہند، حکیم ابو الحسن مفتون، نواب میرزا مہدی خان، مہدی، نواب سید مہدی علیخان خلف نواب سید غلام حسین خان مؤلف سیر المتاخرین، نواب جعفر حسن خان فیض، نواب محمد عیسیٰ خان وغیرہ فہرست مشاعرہ مین شریک تھے، فرماتے تھے کہ غالباً پچاس سے زیادہ نام تھے، جنمین سے بیس بائیس سامعین تھے مگر شعر فہم لوگ تھے، حضرت نے فرمایا کہ ایک دفعہ راسخ نے میرا کلام سنکر مجھے بہت دعائین دین، اور بڑے ماموں صاحب کو مخاطب کر کے تعریف کے چند کلمے کہے، حضرت نے فرمایا کہ ان مشاعرون کا سلسلہ ہمارے ہان کوئی دو سال رہا، غرض جب حضرت کے ہان مشاعرون کا سلسلہ شروع ہوا تو ہر مشاعرہ کے بعد دو چار اشخاص حضرت کے زمرۂ شاگردی مین داخل ہوجاتے،

حضرت فرماتے تھے کہ حضرت کے مشاعرون مین ایک صاحب ملا سلجوقی بھی شریک تھے

مشاعرہ ہوا کرتے تھے، اپنے تئین سلاطینِ روم کی نسل سے سلجوقی کی اولاد مین بتاتے تھے، صاحب استعداد تھے، اور مادۂ شاعری بھی اچھا خاصہ تھا، لیکن اپنی عالی خاندانی اور کمال وتبحر کا بڑا کبر وغرور تھا، اسلیے جتنی بھر استعداد تھی ٹھہر کر رہگئی آگے ترقی نہ کرسکے ایک ایرانی فاضل حاجی ملا بابا تھے بہت ذی علم وصاحب معرفت تھے، میراشرف کے مقبرہ کے قریب رہتے تھے، اس زمانہ مین اکثر ایرانی تجار میراشرف کے مقبرہ کے قریب رہا کرتے تھے، غرض ملا بابا سے اور ملا سلجوقی سے نہین بنتی تھی، ان ایرانی تجار مین جو حضرات سخن فہم تھے، وہ ہمارے حضرت کی خدمت مین برابر حاضر رہا کرتے تھے، باوجود تفاوتِ عمر کے مرزا مہدی خان مرحوم سے اور ہمارے حضرت سے بہت اتحاد ہوگیا تھا،

مرزا مہدی خان مرحوم عام طور سے میر مہدی خان مشہور تھے، لیکن درحقیقت مغل تھے، مرزا محمد اسمٰعیل قلیخان کے (جو نواب سراج الدولہ شہید سابق نواب ناظم بنگالہ کے حقیقی خالہ زاد بھائی، اور راقم آثم کی نانی صاحبہ کے پر دادا تھے) پوتے تھے اور نواب سید غلام حسین خان مؤلف سیر المتاخرین کے نواسے تھے، چونکہ نانیہال مین پرورش پائی اسلیے میر مہدی خان مشہور ہوگئے تھے، مین نے باب اوّل مین لکھا ہے کہ ہمارے حضرت کے نانیہالی بزرگون سے اوران حضرات کے بزرگون سے یکے بعد دیگرے برابر ارتباط واخلاص رہا، جبکہ ہمارے حضرت کی عمر پچیس چھبیس سال کی تھی تو مرزا مہدی خان مرحوم ساٹھ سال سے متجاوز تھے، مگر اس قدر ربط ان دونون صاحبون مین تھا کہ نصف شب تک یا ہمارے حضرت مرزا مہدی خان کے گھر مین رہتے یا وہ ان کے مکان مین رہتے، بہرحال روزانہ یکجائی رہتی تھی،

علاوہ مرزا مہدی خان مرحوم کے دوسرے بزرگ جن سے ہمارے حضرت سے بیحد ارتباط تھا وہ یکتائے دہر منشی میر کاظم علی مرحوم سابق میر منشی گورنر جنرل ہند تھے، منشی صاحب فن انشا مین اپنا جواب ہندوستان بھر مین نہین رکھتے تھے، جب وہ ترک خدمت کرکے عظیم آباد مین

مسکن گزین ہوئے، تو اُس زمانہ مین والیانِ ملک کو جب گورنر جنرل کے کسی خط کا جواب دینا، یا خط لکھنا منظور ہوتا تو وہ منشی صاحب کے مسودہ کے مطابق صاف کروا کر بھجا کرتے، اس زمانہ مین گورنر جنرل غالبًا لارڈ ولزلی یا لارڈ کارنوالس نے ایک اسکیم بنائی کہ والیانِ ریاست کنٹیجنٹ فوجین رکھین جو یورپین افسرون کے ماتحت رہین، اور یورپین افسران کی تعلیم دین، اور والیانِ ریاست کو یہ باور کرایا گیا کہ یہ فوجین بوقتِ ضرورت فریقین کے کام مین آسکتی ہین، یعنی اگر آنریبل ایسٹ انڈیا کمپنی کو ضرورت ہوگی تو وہ ان افواج سے مدد لے گی، اور اگر ریاست کو ضرورت ہوگی تو ریاست کو ان سے مدد ملے گی بعض والیانِ ملک نے تو صاف انکاری جواب دیا بعض نے پیچیدہ اور گومگو مصلحت آمیز جواب دیئے، اور اس قسم کے جواب کا مسودہ منشی میر کاظم علی صاحب نے کیا، ایسے ڈپلومیٹک جوابات دیکھکر گورنر جنرل نے چھوٹتے ہی کہدیا کہ منشی بہت بڑا زبردست سیاست دان اور انشا پرداز ہے، ضرور اسی نے مسودہ کیا ہوگا، حالانکہ بہت خفیہ طور سے منشی صاحب مسودہ لکھتے تھے، اس سے ظاہر ہے کہ کس پایہ کے وہ انشا نگار تھے

ایک دفعہ منشی صاحب سخت علیل ہوگئے اور کچھ عرصہ تک علالت کا سلسلہ جاری رہا اس زمانہ مین جو والیانِ ملک کے گماشتے گورنر جنرل کے خطوط کے جواب کے مسودے لکھوانے کو منشی صاحب پاس آئے تو منشی صاحب نے ہمارے حضرت سے مسودے لکھوائے، اور بہت پسند کئے، ہمارے حضرت کے انشا کے استاد منشی میر کاظم علی مرحوم تھے، جو اس فن مین یکتائے روزگار اور منفرد تھے، جن کی صحبت و شاگردی مین مسلسل کئی سال حضرت رہے، فنِ تاریخ و ادب مین مرزا مہدی خان مرحوم نبیرۂ نواب سید غلام حسین خان مؤلف تاریخ سیر المتاخرین سے استفادہ کیا، پھر ہمارے حضرت فن تاریخ دانی مین خود یکتائے روزگار ہوئے،

علم شاعری مین اپنے ہی گھر مین اپنے دونون ماموں صاحبون حضرت اشکی و حضرت جمال

سے تعلیم پائی، ان دونون صاحبون نے حضرت خواجہ میر درد دہلوی رحمہ اللہ سے فیض پایا تھا، چنانچہ ہمارے حضرت نے ان باکمالون سے کمال حاصل کرنے کا اعتراف اپنے ایک طولانی قطعہ مین فرمایا ہے، جس کے چند اشعار درجِ ذیل کئے جاتے ہین، حضرت فرماتے ہین،

تا مدت سی سال بزانوئے ادبہا | در صحبت چندین ادب آموز نشستم
تا از یم تحصیل، بغواصی فکرت | افتادسہ دردانۂ نایاب بدستم
در شیوۂ انشاء وہم انشار وہم آثار | شیرازۂ مجموعۂ تکمیل بہ بستم

واضح ہو کہ میرزا مہدی خان نے جس قدر کمال حاصل کیا وہ اپنے نانا نواب سید غلام حسین خان مرحوم سے کیا، حتیٰ کہ لوگ ان کو ثانیِ غلام حسین کہتے تھے، نواب سید غلام حسین خان کا یہ حال تھا کہ مثل اپنے بھائی نواب فخر الدولہ وغیرہ کے مطلق فکرِ منصب وجاہ مین نہین رہے، بلکہ کسب کمال مین عمر صرف کی، اپنی علمی تکمیل کو سب پر مقدم رکھا، جبکہ شیخ المتاخرین شیخ علی حزین عظیم آباد سے بنارس چلے گئے تو نواب غلام حسین خان مغفور بار بار بنارس جاکر شیخ علی حزین کی خدمت مین مہینون رہتے، کمالاتِ صوری ومعنوی حاصل کرنا اپنا فرض سمجھے ہوئے تھے، مرزا مہدی خان مرحوم ایامِ رضاعت سے جوانی تک نانا کے پاس رہے تھے، نواب سید علی اکبر خان برادر زادۂ نواب غلام حسین خان گو مرزا مہدی خان سے کم تھے، مگر اس پر بھی ایسے تھے کہ جب ہوگلی کے امام باڑہ کے متولی تھے تو مرزا غالب بتقضائے تقدیر ہوگلی پہنچے تو نواب صاحب کے یہان رہے اور جب کلکتہ والون نے مرزا صاحب پر اعتراضات کئے تو نواب علی اکبر خان صاحب سے امداد لے کر جوابات لکھے جس عظمت وعزت سے غالب ان کو یاد کرتے ہین غالب کے خطون سے ظاہر ہے، جب نواب علی اکبر خان مرحوم ترکِ خدمت کر کے ہوگلی سے اپنے وطن عظیم آباد آئے، تو وہ زمانہ ہمارے حضرت کے شباب کا تھا، انکی صحبت مین بھی ہمارے حضرت بہت رہے، حضرت فرماتے تھے کہ اس وقت کے

جتنے باکمال رؤسا اور ذی علم حضرات تھے، وہ وقتہ نواب علی اکبر خان کی خدمت مین حاضر ہو کر مختلف علوم و فنون مین استفادہ کیا کرتے، نواب صاحب موصوف کی عمر اس وقت اسی سے متجاوز تھی، مگر حافظہ کا یہ عالم تھا کہ بلا مراجعت کتاب جو فرمایا وہ پتھر کی لکیر، ہمارے حضرت کے عاشق زار تھے، نہ صرف اس خیال سے کہ کئی پشتون سے دونون خاندانون مین قدیم تعلقات تھے، بلکہ ہمارے حضرت کے کمال و تبحر نے نواب صاحب کے دل مین جگہ کر لی تھی، آغا محمد حسین خان صاحب بھی نواب سید علی اکبر خان مرحوم کی صحبتین دیکھے ہوئے تھے وہ فرماتے تھے کہ جہان دو چار روز ہمارے حضرت تشریف نہین لے گئے تو یا تو خود نواب صاحب تشریف لیجاتے یا خیریت دریافت کرنے کے لئے کسی رفیق کو بھیجتے، دونون صاحبون کے مکان قریب ہی قریب تھے، ہمارے حضرت کی غیر موجودگی مین حضرت کی تعریف اپنی صحبت مین فرمایا کرتے اور کہتے کہ اس کمسنی مین اسقدر ریختہ اور بچا ہوا کلام تو مین نے کہنہ مشق لوگون کا نہین دیکھا، اور جو عذوبت و شیرینی و سلاست خداداد شاہ الفت حسین صاحب کے کلام مین پاتا ہون دلی سے لیکر بنگالہ تک کسی کے کلام مین نہین ہے، واقعی اصل عزت و عظمت ہمارے حضرت کی یہی تھی کہ ایسے ایسے بزرگان باکمال حضرت کی قدر و منزلت کرتے تھے،

اس زمانہ مین بلحاظ وجاہت ظاہری مہاراجہ ہیبت سنگھ بہادر کی توقیر زیادہ تر اس وجہ سے تھی کہ وہ مہاراجہ شتاب رائے کے وارث و یادگار تھے، مہاراجہ شتاب رائے مسلمانون کے آخری عہد اور برٹش گورنمنٹ کے ابتدائی زمانہ مین صوبہ بہار کے ناظم تھے، اور اس صوبہ کے جتنے راجگان نوابان تھے، سب ان کی عزت کے ماتحت تھے، اگرچہ مہاراجہ ہیبت سنگھ کے زمانہ مین نہ حکومت باقی رہی تھی، نہ دولت، آمدنی مین ان سے بڑھ چڑھ کر بہت سے روسا، اور راجگان وغیرہ تھے، باوجود اس کے سرکاری دربارون مین پہلی کرسی مہاراجہ ہیبت سنگھ کی ہوتی تھی، گو اگلی سی دولت باقی نہ تھی، مگر یہ اپنی عظمت کو نباہے جاتے تھے، جلوس کے ساتھ سواری نکلا کرتی تھی، آب بردار

جھنڈی بردار، عصا بردار، تلنگے سپاہی، ہتھیار بند پیادے، سب سواری کیساتھ رہتے تھے، ان کے سامنے باستثنار دو تین رؤسا کے دیگر رؤسا حقہ نہین پی سکتے تھے، مگر ہمارے حضرت جسوقت مہاراجہ کی ملاقات کو جاتے تو مسند چھوڑ کر چند قدم آگے بڑھکر استقبال کو آتے، اور اپنے برابر مسند پر بٹھاتے حقہ بردار فوراً زیرانداز بچھاکر تھال حقہ لاکر رکھتا، پیچوان کا پیچ اپنے ہاتھ سے مہاراجہ پیش کرتے اور بوقت رخصت لب فرش تک پہنچاتے،

اس وقت کے اعیان وعظام مین نواب فیروز جنگ بہادر کا پایہ بھی عالی تھا، وہ نواب منیرالدولہ مرزا رضا قلیخان کے پوتے تھے اور اپنے خاندان مین سب سے زیادہ ممتاز تھے، یہ خود حقہ نہین پیتے تھے، مگر جانتے تھے کہ ہمارے حضرت حقہ کے بہت عادی وشائق ہین، اسلیے ان کے لیے پیچوان منگواتے، اور محض بے تکلفانہ آپس مین باتین ہوتین، اس زمانہ مین میرعبداللہ صاحب بھی بڑے پایہ کے رئیس تھے، اوران کی دولت کا تو کوئی حساب ہی نہین تھا، شاید ہی کوئی بڑا راجہ ہو جوان کا مقروض نہ ہو، عمر مین ہمارے حضرت ان کے فرزند نواب میرلطف علیخان سی آئی، ای مرحوم کے برابر تھے، تاہم میرعبداللہ صاحب سروقد کھڑے ہوکر چند قدم آگے بڑھکر صاحب سلامت کرتے، مسند کے بازو کے دو تکیے اپنے ہاتھ سے حضرت کے سامنے رکھتے اور اپنے بٹوے مین سے معمولاً چھ گلوریان نکال کر بٹہ کی دوسری وال پر رکھکر آگے بڑھا دیتے، حقہ بردار کو حکم دیتے دوسرا پیچوان لاؤ، میر صاحب اپنا حقہ کسی کو نہین دیتے تھے، رخصت کے وقت سواری تک مشایعت کرتے،

ہمارے حضرت سے اعلیٰ درجہ کے انگریز حکام سے بہی ربط بڑھا چڑھا ہوا تھا، وہ بھی حضرت کے تبحر وکمالات کے معترف وقدر دان تھے، اس وقت تک انگریز حکام کو خواہ بضرورت ملازمت خواہ اپنے شوق کی وجہ سے اعلیٰ درجہ کی فارسی جاننے کا شوق تھا، حضرت سے جب کسی علمی مسئلہ کو

دریافت کرتے تو حضرت کے جواب سے کمال تشفی ہو جاتی تھی تو بہت خوش ہوا کرتے، کلکٹر، جج، کمشنر وغیرہ اعلیٰ حکام سب بارادت پیش آتے تھے، اور سواری تک پہنچا جاتے تھے، ایک مشہور و معروف کمشنر صوبہ بہار کا جس کا نام مسٹر گاف تھا یا مسٹر گارتھ تھا جسکی نشانی باقی پور مین لان (میدان گیاہ پوش) ہے وہ ہمارے حضرت کے نام کا شیدا تھا بہت سی تحقیقات علمی اس نے حضرت سے کی تھین، اسی زمانہ مین ایک سال کا فرلو لیکر وہ ولایت گیا، جب رخصت سے واپس آیا تو حضرت کے لیے ایک اعلیٰ درجہ کی طلائی گھڑی مکیب کے کارخانہ کی اور ایک نہایت نفیس، بگھی گاڑی معہ گھوڑے کے ساز کے تحفۃً لا کر دی، وہ بگھی ایسی تھی کہ جو دیکھتا عش عش کرتا تھا، یہ پہلی بگھی تھی جو پٹنہ مین حضرت نے استعمال کی، اس کے بعد ہی نواب لطف علی خان مرحوم نے کلکتہ سے ایک بگھی منگائی تھی، پھر رفتہ رفتہ گاڑی گھوڑے کا رواج ہو گیا، یہ امر قابلِ غور ہے کہ ایک انگریز اس قدر اعلیٰ درجہ کا عہدہ دار جو صوبیدار کے مماثل تھا اس قدر دور دراز ملک سے ایسے تحفے بخرچ کثیر محنت و مشقت سے ڈھو کر اور وہ بھی اس زمانہ کا سفر طے کر کے لائے تعجبات سے ہے، اس سے ظاہر ہے کہ حضرت کا کتنا بڑا اثر اس قدردان انگریز کے دل پر تھا، یہ گاڑی حضرت کو زیب بھی دیتی تھی، حضرت کے شباب کا عالم، وہ صورت اور خوش پوشاکی جس وقت حضرت خود ہانکتے ہوئے سوار ہو کر نکلتے تھے، لوگ دیکھنے کے مشتاق رہتے تھے، حضرت کا معمول تھا روزانہ تیسرے پہر کو ہوا خوری کو نکلتے یا کسی سے ملنے جاتے، پہلے ہوادار یا پالکی پر نکلتے تھے، جب سے یہ بگھی آئی تھی اکثر اسی پر سوار ہوتے، وہ کمشنر گھوڑے کا ساز اسلیے لایا تھا کہ اس وقت تک گاڑی گھوڑے کا رواج نہ تھا، ساز کی صورت بھی کسی نے عظیم آباد مین نہین دیکھی تھی، حضرت فرماتے تھے کہ اپنے لیے بھی گاف صاحب ایک بگھی لائے تھے، اس کے قبل انگریز عہدہ دار حکام بھی گھوڑے یا ہاتھی یا پالکی پر سوار ہوا کرتے تھے۔

اس زمانہ مین انگریزی گورنمنٹ کا یہ خیال ہوا کہ باقاعدہ تعلیم کا جاری ہونا ضرور ہے،

اس وقت تک مدرسے، پاٹ شالے اور نج کے تعلیم حاصل کرنے والے غریب طلاب امرا و
متوسطین کے گھرون مین تعلیم اور کھانا پاتے، بعض گھرون کے طلبہ کو کچھ ضروری خرچ کے لئے
اور لباس بھی ملا کرتا تھا مگر یہ تعلیم باقاعدہ طریقہ کی نہ تھی، اور نہ اس سے موازنہ و معیار تعلیم کا پتہ چلتا
تھا، اسلیے حکام مقامی نے پٹنہ کے با اثر رؤسا سے اس مین مشورہ کیا کہ باقاعدہ تعلیم یہان جاری
کیجائے، سب نے اس کو پسند کیا، انگریزی زبان کا تو اس وقت نام ونشان بھی نہ تھا، یہ بات
قرار پائی کہ اردو و فارسی، و عربی تعلیم کا اسکول ناف شہر مین قائم کیا جائے، اور ہندی ناگری
بھی کچھ پڑھائی جائے، اس خبر کی شہرت سے ناواقف حضرات بہت گھبرائے اور دور از کار
خیالات پکانے لگے، کسی نے کہا رفتہ رفتہ انجیل پڑھا کر عیسائی بنایا جائے گا، کسی نے کہا اخیر مین
انگریزی پڑھا کر بے دین بنایا جائے گا، ہنوز یہ شہرت عام نہ ہو چکی تھی کہ ایک عیسائی بنگالی جو
علاوہ انگریزی کے اردو، فارسی سے بھی واقف تھا پانچ سو روپیہ ماہانہ پر ملازم ہو کر کلکتہ سے آیا،
اس شہرت نے خاص خاص لوگون پر بھی اثر ڈالا، ان کو بھی شک ہو گیا کہ شاید یہ معلم اسی لیے
آیا ہے کہ ہمارے لڑکون کو بے دین بنائے، کھردرلال کے مشہور کٹرہ مین جو اس وقت ایک
وسیع عمارت تھی اور صدر گلی کے متصل سڑک کے کنارہ واقع ہے، کمپونڈ بھی خاصہ بڑا ہے، وہین
یہ تعلیم گاہ قائم ہوئی، مہینون تک بجز دو چار لڑکون کے اور وہ لڑکے بھی جنکے مربی وعدے کر چکے
تھے نہ داخل ہوئے، آخر حکام وقت نے ایک جنرل میٹنگ منعقد کی، عام و خاص سب بلائے
گئے تاکہ دریافت کیا جائے کہ آخر اس ہچک کا سبب کیا ہے، اور بچون کو اس اسکول مین
داخل کرانے کی ترغیب دیجائے، جلسہ کی کاروائی آغاز کیگئی، پہلے کمشنر صاحب نے علم و تعلیم کے فوائد
بیان کئے، اور کہا کہ آپ لوگ مطمئن رہین، انگریزی تعلیم نہین دیجائے گی، وہی کتابین پڑھائی جائینگی
جو ہندو اور مسلمان اپنے اپنے گھرون مین پڑھتے ہین، صرف اس کو باقاعدہ کر دینے سے غرض ہے

مہاراجہ ہیبت سنگھ نے بھی تائید کی، پھر ہمارے حضرت سے کمشنر صاحب نے کہا کہ آپ بھی سمجھائیے، حضرت نے تعلیم کے خصوص اسکول کی متفقہ تعلیم کے فوائد بیان کئے" اثنائے تقریر مین کسی نے باواز بلند کہا اگر آپ اس امر کی ذمہ داری لین کہ انگریزی نہ پڑھائی جائے گی، اور اپنی نگرانی مین اسکول کو لے لین، تو ہم لوگون کو کوئی عذر نہ ہوگا، اور پھر بلا تکلف اپنے لڑکون کو داخل کرادین گے، اب حضرت کو سخت مشکل لاحق ہوئی، دل مین سوچنے لگے کہ رؤسا الگ اصرار کر رہے ہین، اور حکام جدا کہہ رہے ہین کہ اس تعلیمگاہ کی سب طرح کی نگرانی مین قبول کر لون، اور اس امر کی بھی ذمہ داری لون کہ انگریزی نہ پڑھائی جائے، اگر انکار کرون تو یہ کہا جائے گا کہ الفت حسین کے سبب سے یہ عمدہ اور مفید کام تعلیم کا موقوف رہا، اتنے مین جج صاحب اپنی جگہ سے اوٹھے اور حضرت کے قریب آکر آہستہ سے کہا کہ آپ کیون ایسے کام کے قبول کرنے مین تامّل کر رہے ہین، اور کشمکش و پنج مین ہین، حضرت نے کہا کہ چند وجوہ سے مین اسکی ہامی بھرنے مین تامّل کر رہا ہون، اتنے مین کمشنر صاحب بھی حضرت کے قریب آگئے، اور دونون حکام متفق ہوکر مصر ہوئے کہ آپ اس تعلیمگاہ کی تعلیم وغیرہ سب کی نگہداشت قبول کر لیجئے، تاکہ خاص وعام اپنے بچون کو اسکول مین باطمینان بھیجین، اور بھیجنے کا اس وقت وعدہ کرین، حضرت نے فرمایا کہ مجھکو اس کے قبول کرنے مین جو امور مانع ہین، ان کو آپ غور سے سن لیجئے، غرض دوسرے کمرہ مین کمشنر صاحب اور جج صاحب حضرت کو لے گئے، اور مہاراجہ ہیبت سنگھ کو بھی اس کمرہ مین لے گئے، حضرت سے کہا گیا جو امور مانع ہین ان کو بیان فرمائیے، حضرت نے فرمایا کہ اہل شہر میری پوری ذمہ داری چاہتے ہین، اور یہ جب ہی ممکن ہو کہ روزانہ باوقات تعلیم مین برابر موجود رہون اور یہ مشکل ہے، میرے مطالعہ اور درس دہی وغیرہ مین ہرج و رخنہ اندازی ہوگی، غرض بہت گفتگوؤن کے بعد یہ طے ہوا کہ ہمارے حضرت سواری کا خرچ تعلیم گاہ سے لین، جسکے لیے حضرت راضی نہ ہوتے تھے،

مگر مجبوراً قبول کرنا پڑا، یہ بھی طے پایا کہ درجہ اعلیٰ کی تعلیم خود اپنے ذمہ لین اور اپنے نج کے طلبہ
کو جنھین اپنے گھر پر درس دیتے تھے، مدرسہ مین داخل کر لین تاکہ ان بیچارون کا کوئی ہرج نہو،
ایک کمرہ مین ہندوستانی طریقہ کا فرش مسند وگاؤ تکیہ حقہ وغیرہ سب ہو، سب نے بخوشی تمام قبول کر لیا،
کمرہ سے باہر نکلکر حاضرین کو یہ مژدہ سنایا گیا حضرت نے بھی اسکی تصدیق اپنی زبان سے کی جو طلبہ
منقولات ومعقولات پڑھنے کے لیے حضرت کے گھر پر آیا کرتے تھے حضرت کے کلاس مین وہ سب داخل
کر لیے گئے، راقم کے ماموں صاحب نواب جلال الدین حسین خان صاحب مرحوم بھی اعلیٰ درجہ
مین داخل ہوئے، تقریباً دو سال حضرت کو یہ مشغلہ رہا، دو سال کے بعد حضرت کو جب اپنے بعض
انگریزی دوستون سے خانگی طور پر یہ معلوم ہوا کہ مسٹر میکالے (بعد کو لارڈ میکالے جو اس وقت
گورنمنٹ کے چیف سکریٹری تھے، اور کچھ دنون کے لیے گورنر جنرل بھی رہے، پھر ادب و
تاریخ دانی مین مشہور آفاق ہوئے) نے اپنی دانشمندانہ رپورٹ مین صاف لکھدیا کہ ہندوستانیون
کو صرف ورنیکولر کی تعلیم دینا اور انگریزی زبان سے بیگانہ و ناآشنا رکھنا ایک طرح کی بے ایمانی
ہے، گورنمنٹ کو چاہیئے کہ انگریزی دانی کو لازم گردانے حضرت نے اپنا معتمد سمجھ کر بطور راز راقم
کے ماموں صاحب کو یہ خبر دی اور فرمایا کہ شہر کے رؤسا کو یہی کھٹک تھی کہ ایسا نہو کہ انگریزی
تعلیم لازم کر دیجائے، یہی وجہ تھی کہ مجھکو معتمد سمجھ کر گویا بطور نگہبان اس تعلیم گاہ مین سب نے مقرر
کروایا، اگر ایسا ہوا تو مین علیحدہ ہو جاؤنگا، ہر چند اس زمانہ مین بطور خود مین ہندوستانیون کے
حق مین انگریزی تعلیم کو اکسیر سمجھتا ہون، ورنہ آیندہ کی ترقی سے اہل ہند محروم رہین گے لیکن
ساتھ ہی اس کے مین مناسب سمجھتا ہون کہ قبل اس کے انگریزی تعلیم لازم گردانی جائے مین
خود علیحدہ ہو جاؤن، چنانچہ حضرت نے علالت وغیرہ کا عذر کر کے استعفا پیش کر دیا،

ماموں صاحب فرماتے تھے کہ حضرت ایسے دور اندیش تھے کہ حکام انگریزی کی

معرفت ابتدائی تعلیم انگریزی کی کتابین بہم پہنچا کر بہت خفیہ طور سے کسی انگریز دوست سے حضرت انگریزی پڑھنے لگے، اس زمانہ مین کسی ذی علم مسلمان نے جنکا نام مجھے اس وقت یاد نہین ہے کسی انگریز دوست کیساتھ ولایت جاکر لندن مین چار سال رہ کر آئے تھے، اپنے حالاتِ سیاحت کے ضمن مین بطور ڈکشنری ہزارون انگریزی الفاظ ترجمہ کے ساتھ جمع کر کے چھپوائے تھے وہ کتاب بہت قیمتی تھی، حضرت نے خرید کر اسکا مطالعہ شروع کیا اور تاکہ انگریزی دانی مین ترقی ہو کسی تاریخِ بنگالہ کا جو انگریزی مین تھی فارسی مین ترجمہ کر کے اپنے ایک شاگرد کے نام سے چھپوایا، حضرت کی انگریزی دانی اسوقت بہت کام آئی جب کہ سفیر نائب السلطنہ نظامت مرشدآباد ہوئے، زمانۂ قیام مرشدآباد مین ایجنٹ گورنر جنرل سر ہنری ٹارنس سے انگریزی پڑھتے، اور اسے فارسی پڑھاتے، اس مین یہ دونون صاحب کبھی انگریزی مین گفتگو کرتے، کبھی فارسی مین، تاکہ دونون صاحبون کی مشق اپنی اپنی مطلوبہ زبان مین بڑھے، مامون صاحب فرماتے تھے کہ ان کو بھی حضرت نے انگریزی پڑھنے کی تاکید فرمائی، اور فرمایا کہ انگریزی جاننے والا ملے تو اس سے انگریزی پڑھنا شروع کر دو، چنانچہ مامون صاحب نے بھی خفیہ طور سے انگریزی پڑھنا شروع کر دی، خفیہ طور سے اسلیے کہ اس زمانہ مین انگریزی پڑھنا معیوب سمجھا جاتا تھا، مامون صاحب نے بھی ایک حد تک انگریزی زبان حاصل کر لی، چنانچہ انگریزی دانی کی بدولت اور عالیخاندانی کی وجہ سے مامون صاحب پہلے ڈپٹی کلکٹر مقرر کیے گئے، پھر صدر اعلیٰ (سب جج) ہوئے، اور اسی عہدہ پر مامور رہے کہ رحلت فرمائی، حضرت جب اسکول سے علحدہ ہو چکے تو اس کے چھ ماہ کے بعد مسٹر مکالے والی اسکیم کے متعلق کمشنر صاحب نے ہمارے حضرت سے رائے دریافت کی کہ آپ کا ذاتی خیال کیا ہے انگریزی زبان اسکولون مین لازم گردانی جائے؟ حضرت نے اس اسکیم کی بڑے زور سے تائید فرمائی، صوبہ بہار مین غالباً حضرت پہلے ہندوستانی تھے جنھون نے اس اسکیم کا خیر مقدم کیا،

حضرت کی شادی چھبیسوین سال عظیم آباد مین ایک معزز گھرانے مین ہوئی تھی، ایک صاحبزادی تولد ہوئی اور بیگم صاحبہ کا انتقال قبل روانگی مرشدآباد ہوگیا، یہ صاحبزادی میر سید علی صاحب مرحوم زمیندار برادر حقیقی میر نجف علی صاحب وکیل مرحوم کو بیاہی گئی تھین، ان کے ایک فرزند میر محمد حسین صاحب زمیندار ساکن محلہ دوندی بازار ہین،

حضرت کے قریب العہد وہمعصر امرا و شعرا و کملا کے مختصر حالات

پہلی دفعہ حضرت علیہ الرحمہ نے مرشدآباد کا سفر تقریباً ۱۲۳۵ھ مین فرمایا تھا، اس زمانہ مین حضرت کے جو قریب العہد وہم عہد امرا و شعرا و کملا عظیم آباد مین تھے، ان مین سے بعض کے حالات مختصر طور سے اس جگہ عرض کرنا مناسب سمجھتا ہون تاکہ معلوم ہو کہ حضرت نے کیا زمانہ پایا تھا

شیخ غلام علی راسخ تخلص عظیم آباد کے متوطن تھے، لکھنؤ جاکر میر تقی میر کو اپنا کلام دکھایا، میر صاحب نے فخر میر کا خطاب دیا،

مرزا مہدی خان، مشہور میر مہدی خان، بڑے عالیخاندان ذی علم و ذی وقار تھے آپ کا دادیہال محلہ ہنسراج کی ڈیوڑھی موتے خان کے پھاٹک مین تھا، نواب محمد اسمعیل قلیخان کی اولاد مین تھے، جو حقیقی پھوپھیرے بھائی نواب سراج الدولہ شہید خاتم فرمان روایان اسلام بنگالہ کے تھے، نواب اسمعیل قلیخان نواب سید کاظم علیخان مرحوم کے حقیقی نانا تھے، اور راقم کی حقیقی نانی صاحبہ کے پردادا تھے، مرزا مہدی خان مرحوم کے حقیقی نانا نواب سید غلام حسین خان مؤلف تاریخ سیرالمتاخرین و مصنف بشارت الامامتہ وغیرہ تھے، علم و کمال سب اپنے نانا سے حاصل کیا تھا، رفتار وگفتار سب مین ہوبہو نانا کی مشابہت تھی، خط شیوائے شیخ علی حزین کو مثل اپنے نانا کے نہایت پاکیزہ لکھتے تھے، ان کو معیشت جو ننیہال سے ملی تھی دس بارہ ہزار سالانہ کی آمدنی تھی،

داد بہالی پرگنہ ایسٹ انڈیا کمپنی نے ضبط کر کے کچھ پنشن مقرر کر دی تھی، ہمیشہ علمی ترقی مین سرگرم رہتے تھے، ہمارے حضرت سے اور ان سے بیحد ربط و اتحاد تھا، جسکا ذکر مولوی عبدالرؤف وحید مرحوم نے اپنے دیوان کے ضمیمہ مین کیا ہے، مدتون نصف شب تک ہمارے حضرت اور مہدی خان مرحوم ایک جگہ رہتے تھے، ہمارے حضرت اور انھون نے ملکر سیر المتاخرین کی چوتھی جلد لکھی تھی نہ معلوم وہ مسودے کہان رہ گئے، باوجودیکہ ہمارے حضرت عمر مین ان سے بہت کم تھے لیکن حضرت کے کمال وغیرہ کی وجہ سے بیحد انس تھا،

نواب سید مہدی علیخان متخلص مہدی، یہ نواب سید محسن علیخان کے صاحبزادے اور نواب سید محسن علیخان، نواب سید غلام حسین خان مؤلف سیر المتاخرین کے فرزند تھے، نواب سید محسن علیخان کے چھوٹے بھائی نواب سید احمد علیخان تھے، پرگنہ چپلا حسین آباد آباد کردہ بخشی الممالک نواب سید ہدایت علی خان اسد جنگ پدر نواب سید غلام حسین خان کی آمدنی سے نواب سید مہدی علیخان نہایت خوشحالی سے بسر کرتے تھے، نواب سید مہدی علیخان کبھی اپنے تعلقہ پر رہتے تھے، اور کبھی عظیم آباد کے محلہ حاجی گنج مین، اپنے دیوان خانہ مین صحبتِ مشاعرہ مہینے میں دو دفعہ منعقد کرتے تھے، اسی زمانہ مین ایک عالم متبحر آقا احمد بہبہانی عراق سے ہند تشریف لائے تھے، آقا احمد آقا باقر بہبہانی کے نواسے تھے اور آقا باقر بہبہانی مشہور مجتہد غفران مآب مولانا سید دلدار علی صاحب لکھنوی کے استاد تھے، آقا احمد ہندوستان مین جب تشریف لائے تو ان کی بہت آؤ بھگت ہوئی، حیدرآباد دکن، مچھلی بندر مدراس وغیرہ مین قیام کرتے ہوئے عظیم آباد تشریف لائے، یہان سے مرشدآباد، کلکتہ و ڈھاکہ وغیرہ گئے، ایک ضخیم سفرنامہ مرأۃ الاحوال لکھا ہے عظیم آباد کے امرا و فضلا آقا احمد صاحب کی بڑی خاطر و مدارت کرتے تھے، مدرسہ سیف خان کی مسجد مین روزانہ نماز جماعت پڑھاتے تھے، سیکڑون اشخاص شریکِ نماز ہوتے تھے نواب سید مہدی علیخان مہدی نے

مجتہد صاحب کے متعلق ایک قطعہ لکھا تھا وہ یہ ہے،

از اجتہاد آقا احمد درین دیار — گردید شرع زندہ پس از حالت ممات
در نفس پاک آن سر و سر دفتر علوم — رونق گرفت باغِ جہان از گل نجات
از آبیاری مدد ذات پاک او — سیراب گشتہ جملہ ریاحین کائنات
وز وعظ وز نصائح آن عیسوی نفس — در تن دمیدہ مردہ دلان را دمِ حیات
ناگہ ز اتفاق حسن نورِ روئے او — تابید ہمچو مہر بر ذرات ممکنات
آمد بشہر پٹنہ بہ تعلیم مومنان — تمییز تا کند ز مسنون و واجبات
در مسجدی کہ بر لبِ گنگا ز سیف خان — تعمیر گشتہ است بنایش بصد ثبات
پہر نماز جمعہ شدہ مقتدا بصدق — ما خیل شیعیان و محبان با التفات
گل گل شگفتہ غنچہ دل ز استماع این — پر شد زمین ز نغمہ احسن بہ شش جہات
از بس بوجد آمدہ تاریخ این نماز — گفتند انس و جان کہ قد قامت الصلوٰت

انھیں آقا احمد صاحب کی نسبت مرزا مہدی خان مرحوم نے بھی کئی قطعہ لکھے تھے منجملہ ان کے ایک یہ ہے،

قطعہ

در عظیم آباد ہند از فضل حق — از حریم عزت رب ودود
مسجدے در مدرسہ کز سیف خان — بر لبِ دریا در رحمت کشود
آقا احمد مجتہد ذی شرف — شہرۂ آفاق در احسان بود
آنکہ زیبد در مقام مدح او — گفتنش سرخیل اصحاب شہود
کرد در وے زندہ رسمِ موعظت — ہم نماز جمعہ را برپا نمود

در پئے تکمیل جمع شیعیان مقتدا شد در رکوع و در سجود
سال تاریخش همی جستم ز دل گفت ہاتف شرع را رونق فزود

مرزا دانش علی تخلص دانش، کوچہ صدر کے رہنے والے اعیانِ شہر مین تھے، علاوہ فارسی کے اردو شاعری کے بھی استاد مانے جاتے تھے، بعض اشخاص ان کو غلام علی راسخ پر ترجیح دیتے تھے، راسخ ان کو بے دانش کہتے تھے، دانش راسخ کو فاسخ کہتے تھے، آپس مین خوب چھیڑ چھاڑ ہوتی تھی،

سید شاہ وجہ اللہ تخلص فرحت، ہمارے زمانہ کے شاہ محمد یحییٰ صاحب ساکن لال املی کے والد تھے، بڑی عمر پائی تھی، ایک سو دس سال کی عمر مین انتقال کیا، حاجی گنج کے مشاعرون مین اسی برس کی عمر تک برابر شریک ہوا کئے، ہر طرح مین دو غزلہ سہ غزلہ غزلین کہتے تھے،

منشی میر کاظم علی، متوطن شاہجہان پور، فاضل جید تھے، فارسی مین ید طولیٰ رکھتے تھے، گورنر جنرل ہند کے فارن آفس مین مدتون میر منشی رہے، والیانِ ملک ان سے برسرِ حساب رہتے تھے، لاکھون کمایا اور خرچ کیا، خدمت سے جب علیحدہ ہوے تو عظیم آباد مین آکر رہ گئے یہین انتقال کیا، امام باڑہ اور مسجد تعمیر کروائی، مسجد اب تک موجود ہے، مسجد کے کلس طلائی ہین جو محلہ حاجی گنج مین ہے، ہمارے حضرت سے اور ان سے بہت یکجائی رہتی تھی بعض دفعہ والیانِ ملک گورنر جنرل کے خطون کے جواب کے مسودے انھین سے کرواتے تھے خصوصاً جب منشی صاحب علیل رہتے تو ہمارے حضرت سے مسودہ کروا دیتے،

راجہ پیارے لعل الفتی، یہ متوطن عظیم آباد ہی کے تھے، چونکہ ایک عرصہ تک دہلی مین رہے تھے، اکثر لوگ لفظ دہلوی ان کے نام کے ساتھ لکھدیا کرتے تھے، کوچہ ہر مندل مین راجہ

صاحب کے عالیشان مکانات تھے، بعد تحصیل علوم عربی و فارسی دہلی گئے، اکبر شاہ ثانی کا زمانہ تھا، آدمی ذی علم و ہوشیار تھے، بادشاہ تک رسائی ہوئی، اپنے انتظامات محلاتِ سے بادشاہ کو خوش کیا، بعض معاملات مین رزیڈنٹ سے ناچاقی ہوئی اور عظیم آباد واپس آگئے، بادشاہ کو انکی مفارقت بہت گران گذری، چلتے وقت بہت کچھ زر و نقد و جواہرات بادشاہ نے راجہ صاحب کو دیئے، عظیم آباد مین بڑی امارت سے بسر کی علم اور کتابون کے عاشق زار تھے کتب خانہ نایاب تھا انیس بیس ہزار نایاب کتابین تھین، چالیس پچاس ہندو اور مسلمان ان کے شاگرد تھے مثلاً منشی بندا پرشاد، شاہ بخش حسین صاحب والد شاہ حفاظت حسین صاحب مرحوم، ناظر وزیر علی عبرتی، وغیرہ راجہ صاحب نے اپنے فرزند کنور ہیرا لعل تخلص ضمیر کو تعلیم خوب دی تھی، عربی کے عالم متبحر تھے، ایک دفعہ علامہ سید غلام حسنین[۱] مرحوم مشہور ریاضی دان کنتوری مصنف کتاب تذکارِ تم وجامع بہادر خانی وغیرہ سے اور ضمیر سے مباحثہ اعداد و ہندسہ کے بارہ مین عربی زبان مین ہوا تھا ایک عرصہ تک اس مباحثہ کا تحریری سلسلہ جاری رہا، آخر مین راجہ صاحب نے شکست کھائی، ہمارے حضرت راجہ پیارے لعل اُلفتی سے عمر مین بہت کم تھے لیکن بوجہ عالیخاندانی و کمالات ذاتی حضرت کا بہت احترام کرتے تھے، کنور ہیرا لعل ضمیر خلف راجہ پیارے لعل اُلفتی جنکا ذکر اوپر ہوا ہے، ان سے اور ہمارے حضرت سے اکثر صحبتین رہا کرتی تھین، ان کے فرزند کنور سکھراج بہادر تھے جنھون نے کئی سال ایسے مشاعرے کئے کہ اب تک یادگار زمانہ ہین، ہر مشاعرہ مین تین چار ہزار روپئے صرف کرتے تھے، دور دور سے شعرا مدعو ہوتے تھے جنکے اخراجات آمد و رفت کے کفیل کنور صاحب ہوتے تھے۔

ناظر وزیر علی عبرتی اُلفتی کے شاگرد رشید تھے، قصبہ باڑہ ضلع پٹنہ کے متوطن تھے، مگر قیام ہمیشہ پٹنہ عظیم آباد مین رہا، اکثر عمائد اُن کے شاگرد تھے، اور سب کے ہان سے کچھ کچھ مشاہرہ پاتے تھے۔

[۱] پدر مولوی سید تصدق حسین صاحب مہتمم کتبخانہ سرکار عالی حیدرآباد دکن،

کسی زمانہ مین ججی کی کچہری مین خدمت نظارت کی تھی، دو تذکرے اپنے معاصرین و قریب العہد شعرا کے انھون نے لکھے ہین، بحالت مجموعی بڑے شخص تھے، نثر کے بڑے شایق تھے، یوسف زلیخا و سکندر نامہ کو بھی نثر کرکے اور بھی مغلق کر دیا ہے،

مرزا نوروز علیخان یکتا، آپ کو اپنی عالیخاندانی، زباندانی خصوصًا عروض دانی کا حد سے زیادہ دعوی تھا، چاہے کیسا ہی کوئی شخص کیون نہ ہو برسر مشاعرہ ٹوک دینے کی سخت عادت تھی؛ ہمارے حضرت کا وقار و کمال و شہرت و اثر دیکھ کر ہمیشہ خار کھایا کرتے تھے، ہمارے حضرت جب اخیر دفعہ عظیم آباد تشریف لائے تو میرزا صاحب بقید حیات تھے، حضرت کے ہم عمر تھے، اور حضرت کے انتقال سے دو سال قبل رحلت کی، ایک دفعہ کسی ایسی صحبت مین جہان کوئی عروض دان موجود نہ تھا، ہمارے حضرت نے کسی کی فرمائش سے ایک غزل کے چند شعر پڑھے، اتفاقًا وہ بحر ہزج مثمن اخرب مکفوف مقصوص مین تھی جس کے حشو کو سالم و اخرب بھی لانا جائز ہے، حضرت نے اپنا ایک مصرعہ یون ہی ارشاد کیا تھا، یکتا صاحب خاموش کب رہ سکتے تھے، دوبارہ پڑھوا کر کہا کہ یہ مصرعہ ناموزون ہے مفعول مفاعیل مفاعیل فعولن والی بحر مین نہین آتا، اول تو حضرت نے اعتراض ہی کے انداز سے سمجھ لیا کہ یہ شخص بے بہرہ ہے، فرمایا کہ ہان ہوگا مگر مین نے عرفی کی تقلید کی ہے؛ ایک قصیدہ مین کہہ گیا ہے۔ سے

جم مرتبہ خان خانان کز اثر نطق — چون گل ہمگی گوش کند جذبہ صمم را

آپ فرمانے لگے کہ عرفی نے تو کیا غلطی کی ہوگی، مگر کتابت کی غلطی ہو سکتی ہے، حضرت نے مسکرا کر فرمایا کہ یہ بھی ہو سکتا ہے، وہ بھی انسان تھا، طرفہ تر یہ ہے کہ اسی زمانہ مین کہین مشاعرہ تھا آپ نے اسی بحر مین ایک غزل پڑھی جسمین یہ شعر بھی تھا، سے

ماتھے کے ٹیکے نے دیا پھر کو داغ — جوڑا بندھا پچھلا پہر ہو گیا،

عبرتی مرحوم نے جو شریک مشاعرہ تھے دوبارہ پڑھوا کر کہا کہ پہلے مصرعہ مین ایک رکن زیادہ ہے، اب تو آپ گھبرائے کیونکہ معلوم تھا کہ عبرتی چپ رہ جانے والے شخص نہین ہین، آپنے کہا کہ یہ جائز ہے چنانچہ عرفی کہہ گیا ہے۔ ؎

جم مرتبہ خان خانان کز اثر نطق — چون گل ہمگی گوش کند جذر اصم را

عبرتی مرحوم نے ہنسکر کہا کہ یہ آپنے کس سے سنا ہے فوراً جواب دیا کہ مین نے بڑے شخص سے سنا ہے (غرض ہمارے حضرت سے تھی) عبرتی نے کہا کہ عرفی کے اس شعر کی صحت مین کلام نہین ہے، کلام آپکے مصرعہ مین ہے، جسکا ایک رکن زیادہ ہے، غرض اس مشاعرہ مین اس اعتراض اور یکتائی کی عروض دانی کا دعویٰ غلط تمام شہر مین پھیل گیا،

حضرت شاہ گھسیٹا صاحب تخلص عشق، بعض تذکرہ مین لکھا ہے کہ میر تقی میر دہلوی کے شاگرد تھے، مگر مین نے اپنے بزرگون سے سنا کہ شیخ غلام علی راسخ کے شاگرد تھے، ممکن ہے، دونون سے اصلاح لی ہو، ان کی خانقاہ اب تک دیوان محلہ مین موجود ہے، یہ مطلع ان کا مشہور ہے،

جو گرفتار ہین بھٹکانے کے — نہ کہین آنے کے نہ جانے کے

ان کے قائم مقام شاہ میان خان صاحب مرحوم نے اپنے زمانہ مین اچھی ترقی رسم و راہ مین کی تھی، ان کے انتقال کو تیس سال ہوئے ہون گے، شاہ میان خانصاحب کے پوتے اب صاحب سجادہ ہین، شاہ میان خانصاحب کے چھوٹے بھائی علی مرزا صاحب بنے عرف صاحب بہت طبیعت دار تھے، جوانی مین مرے،

مولوی عباد اللہ تخلص محزون، یہ بہت متمول تاجر پیشہ شخص تھے، شاعری کا بھی شوق تھا، محلہ مغل پورہ کے رہنے والے تھے، ہمارے حضرت کے ہان کے مشاعرون مین برابر شریک ہوا کرتے تھے،

مکند لعل تخلص شورش، دیوان محلہ کے رہنے والے قوم کے کایستہ تھے، ان کے اجداد
صوبہ داران بہار کے دفتر مین عہدہ دار تھے، بیحد سیاق دان اور علم ریاضی مین کمال حاصل تھا،
قدیم رواج کے موافق جب گھر سے باہر نکلتے تو جامہ نیمہ پہنتے، اور محمد شاہی دستار زیب سر کرتے،
مشاعرہ کی صحبتون مین بھی اسی لباس سے شریک ہوتے، ہمارے حضرت سے اوران سے بہت
ربط تھا، حضرت فرماتے تھے کہ ایک مثنوی فارسی مین بہت ضخیم لکھی تھی، مسلمانون کی سلطنت کے
زوال پر بہت افسوس کیا تھا، اور زوال کے اسباب سے بحث کی تھی، ان کی ایک اردو کی مثنوی
کے چند شعر مین نے حضرت سے سنے تھے مگر مجھکو صرف یہ دو شعر یاد رہ گئے،

کبھی میرا یہ شہر بہشت برین تھا | جواب اسکا دنیا کے اندر نہین تھا
نہ وہ اب محلے نہ باقی عمارت | جدھر جاؤ ویرانگی کی ہے صورت

کان سے ذرا اونچا سنتے تھے جب وہ اپنی غزل مشاعرون مین پڑھنے لگتے تھے، تو لوگ
قریب جاکر ان کی تعریف کرتے تاکہ سن سکین،

جواہر مل تخلص جوہر، للو بابو کے کوچہ مین رہتے تھے، خط شکست کے استاد کامل تھے،
بعض وصلی ان کی لکھی ہوئی ان کے مرنے کے بعد ایک ایک اشرفی کو بکی، بانکی پور مین خط شکست
کے مشہور بزرگ منشی عبدالعلی مرحوم، خان بہادر مولوی سید فضل امام مرحوم کے دادا اسسرے انھین
جوہر کے شاگرد تھے،

حکیم ابوالحسن مرحوم تخلص مفتون، یہ اپنے فن طب مین تو ید طولیٰ رکھتے ہی تھے، حذاقت
ان کی مسلمہ خاص و عام تھی، شاعری مین بھی اچھی خاصی شہرت حاصل کی تھی، راسخ کے شاگرد
رشید تھے،

مرزا احمد منشا، میر انشاء اللہ خان دہلوی کے داماد تھے، جب تک ان کی اہلیہ زندہ

رہین، سسر کے ہمراہ رہے، لکھنو مین ان کی اہلیہ نے انتقال کیا، یہ عظیم آباد چلے آئے، فاضل جید اور ذکی الطبع تھے، مگر ایک خبط یہ سما گیا تھا کہ حضرت مہدی آخرالزمان بارہوین امام کا اپنے تئین نائب سمجھتے کہتے تھے، دلیل یہ پیش کرتے تھے کہ سنکھیا اور چند اقسام کے زہر لوگون کے سامنے چبا کر کھا جاتے، عظیم آباد مین پچیس سال رہے، اور یہین رحلت کی، سب رؤسا ان کو بادشاہ سلامت کہکر مخاطب کرتے تھے، اور وہ اس سے خوش ہوتے تھے، بعد کو معلوم ہوا کہ زہر لوگون کے سامنے کھا لیتے، اور کسی طرح چھپا کر فادزہر عموماً گولر کی چھال کا سفوف جسکی پوڑیا ان کے جیب مین رہتی کھا لیا کرتے، ایک قصیدہ انھون نے نواب سعادت علی خان سابق صوبیدار اودھ، اور گورنر جنرل ہند کی تعریف مین کہا تھا اس کے دو تین شعر جو مجھے یاد ہین وہ لکھتا ہون،

جو سو کے اٹھا سحر کا گورا شعاع تابان کی کرچ لیکر سحاب نے اپنا ہاتھی ہولا چھیڑے دوڑے ہوا کے فرفر

نہین یہ بادل گرج رہے ہین فرنگی طنبور بج رہے ہین گلابی دستار سج رہے ہین اتار غنچے سرون سے افسر

. . . . . . مسیح نے دھر کا کٹورا شراب نرفام سے دیا بھر

ایک مطلع اردو غزل کا یہ ہے،

پھیک دو چاہو جہان قبر مین اب دھرنا کیا وہ جنازہ ہی نہ دیکھین تو مرا مرنا کیا

ہمارے حضرت سے عمر مین بہت بڑے تھے، مگر حضرت کا بہت احترام کرتے تھے بہت خوشحالی سے زندگی بسر کی یہ کسی کو معلوم نہ ہوا کہ آمدنی کا ذریعہ کیا تھا،

عطاء اللہ تخلص افسوس، یہ تاجر پیشہ تھے کسی کے شاگرد نہ تھے، مگر با استعداد شخص تھے، شاعری کا بہت شوق تھا، ایک شعر ان کا مین نے استاد مرحوم سے سنا تھا جس کا ایک مصرعہ یاد رہ گیا، ع

محفل مین شب کو یار تھا افسوس ہم نہ تھے،

انکی پرگوئی کی استاد مرحوم تعریف فرماتے تھے،

مولوی کریم بخش تخلص کریم، متمول شخص تھے زمیندار تھے، اور باسواد شخص تھے، انکا اور افسوس کا ہمیشہ ساتھ رہتا تھا،

نواب جعفر حسن خان تخلص فیض، اپنے وقت مین رکن رکین شہر تھے، بہت عالیخاندان دولتمند تھے، عربی و فارسی کے بڑے عالم و شاعر تھے، خط نستعلیق و شفیعا کے استاد بے مثل تھے تہذیب و آداب مین یگانہ روزگار، باوجود دولت و ثروت کثیر کے طالبانِ علم کو شوق خود پڑھایا کرتے تھے، خوش نویسی کی بھی اصلاح دیتے تھے، لکھنؤ جاکر مصحفی کے شاگرد ہوئے تھے، آتش و ناسخ کے مشاعرون مین اور معرکون مین شریک رہے، لکھنؤ مین برسون مقیم رہے، ان کے فرزند نواب مہدی علیخان مرحوم بھی نہایت باسواد رئیس تھے، اس وقت سنگی والان کے امرا مین نواب احمد علیخان و نواب عنایت حسین خان حضرت کے پوتون مین ہین، ہمارے حضرت سے بیحد خلوص رکھتے تھے،

نواب فیروز جنگ، خلف نواب مہدی قلیخان ولد نواب منیر الدولہ مرحوم بڑے پایہ کے رئیس تھے، بگنا پہاڑی کے مشہور رئیس نواب سہراب جنگ مرحوم کے برادر بزرگ تھے نواب فیروز جنگ کی صحبت مین سوا دو تین رؤسائے شہر کے کسی کو حقہ نہین ملتا تھا، ہمارے حضرت سے ساوات کی ملاقات تھی، اور نواب فیروز جنگ گو خود حقہ نہین پیتے تھے مگر جس وقت ہمارے حضرت تشریف لیجاتے تھے، مسند چھوڑ کر چند قدم پیشوائی کو آگے آتے تھے، اور حضرت کے لیے پیچوان کا حکم دیتے تھے،

مہاراجہ مہیبت سنگھ، مہاراجہ شتاب رائے سابق صوبیدار بہار کے وارث و یادگار تھے، ان کا ذکر اوپر آچکا ہے، فارسی اچھی طرح جانتے تھے، اور ہمارے حضرت سے بخلوص و

مساوات ملتے تھے،

مولوی میر تصدق حسین، زخمی، محلہ مغلپورہ مین رہتے تھے، عجیب ذی جوہر قابل اور زاہد باخدا بزرگ تھے، کتابین عربی و فارسی کی تمام تھین، شاعر کامل تھے، ہمارے حضرت کے نام پر عاشق تھے، جس زمانہ مین حضرت اپنے وطن عظیم آباد دوبارہ تشریف لاکر کلکتہ واپس تشریف لے گئے، تو حضرت استاد کی ہدایت وارشاد کے موافق کتاب مختصر المعانی و حدایق البلاغت اور فنون و عروض و قوافی کے چند رسائل راقم نے حضرت زخمی علیہ الرحمہ سے پڑھے، غزلین بھی چند بار بغرض استفادہ و اصلاح پیش کین، حضرت زخمی نے سن تو لین، لیکن اصلاح نہ فرمائی، اور فرمایا کہ آپ ایسے کے شاگرد ہین، کہ ادب مانع ہے کہ آپکے کلام پر مین اصلاح دون، اللہ اکبر کس خیال کے بزرگ تھے،

آغا محمد حسین خان، ان کا ذکر باب اول مین بھی آچکا ہے، ان کے والد آغا حسین قلیخان مرحوم مؤلف تذکرۂ نشتر عشق خاندانی رؤسا مین تھے، مجمع الوجوہ قابل مدح و لایق تکریم بزرگ تھے، فارسی مین ید طولی رکھتے تھے، علم و کمال کے دلدادہ تھے، ہمارے حضرت کے بزرگون سے اور آغا صاحب کے بزرگون سے کئی پشتون سے اتحاد و اخلاص چلا آتا تھا، اور دونون خاندان ہم محلہ بھی تھے، ہمارے حضرت سے عمر مین تین چار سال چھوٹے تھے، ان کی زبانی بھی راقم کو حضرت استاد علیہ الرحمہ کے کمسنی و شباب کے بہت سے حالات معلوم ہوئے تھے، حضرت کے اشعار بھی زبانی ان کو بہت یاد تھے، اور اپنی بیاضون مین لکھ بھی لیا کرتے تھے، جو اب مجھکو ان کے پوتے مہدی نواب سے ملے،

مولانا آقا محمد، خلف مرزا الہی بخش، مغلپورہ کے رہنے والے، راقم نے ان کو پیرانہ سالی مین دیکھا تھا، اس وقت بھی بہت خوبصورت، سرخ و سفید رنگ، ورزشی جسم رکھتے تھے

مولانا نے مولوی سید اشرف حسین عظیم آبادی سے درسیات بعہد شباب تمام کر کے علامہ سید غلام حسین مرحوم مشہور ریاضی دان سے فنونِ ریاضی واسطرلاب وغیرہ حاصل کیا، اور ریاضیات مین اسقدر عبور و تبحر تھا کہ ان کا مثل شاید ہی کوئی ہند مین اسوقت ہو، بہت سے آلات ایجاد کئے تھے، گھڑیان، اور اس کے پرزے خود بناتے تھے، جو مثل ولایتی کے معلوم ہوتے تھے، منگرن گھڑی ساز جس نے نواب بہادر نواب سید ولایت علیخان مرحوم کے پھاٹک پر کلاک ٹاور بنایا ہے، انھین کا شاگرد تھا، پٹنہ کالج مین عربی کے پروفیسر بھی کچھ دن رہے، عربی وفارسی جب بولتے تھے تو لہجہ نہایت شیرین، زبان بہت فصیح ہوتی تھی، بڑے حقگو، راست باز اور قبیلہ پرور تھے، ہمارے حضرت کے بڑے مداح تھے، سید ہادی علی خان مرحوم سابق ڈپوٹی رجسٹرار جو مولانا کی خدمت مین اکثر حاضر رہا کرتے تھے، اور شاگرد بھی تھے فرماتے تھے کہ آقا محمد صاحب کی صحبت مین اسوقت موجود تھے جبکہ میر انیس مرحوم کے انتقال کی خبر ایک صاحب نے آقا محمد صاحب سے بیان کی، اور ساتھ ہی یہ کہا کہ طوطیِ ہند دنیا سے گیا، آقا محمد صاحب میر انیس صاحب کے بڑے مداح تھے، اور جب میر صاحب نواب قاسم علیخان کے ہان محرم مین مجلسین پڑھنے کے لئے عظیم آباد آیا کرتے تھے، تو آقا محمد صاحب سے بہت یکجائی رہتی، میر صاحب کے انتقال کی خبر سنکر آقا محمد صاحب بہت متاثر ہوئے پھر کہا کہ اب یہ دعا کیجئے کہ ہمارے بلبلِ شیراز حضرت فریاد کو خدا تا دیر زندہ و تندرست رکھے، اس سے ظاہر ہے کہ استاد مرحوم کے کس قدر دل سے قدردان تھے، ستر سال کی عمر مین انتقال فرمایا،

مرزا امان علی تخلص ذبیح عظیم آباد کے متوطن تھے، بعہد نصیر الدین حیدر سابق شاہِ اودھ لکھنؤ گئے تین برس قیام کیا، مصحفی کے شاگرد ہوئے، آتش و ناسخ کے مشاعرون مین شریک رہا کئے، راقم کی عمر سولہ سترہ سال کی تھی جب تک زندہ تھے، بڑے خوش بیان وظریف تھے

فی الجملہ ہکلاتے تھے، ہکلون کی زبان مین بہت سی غزلین بھی مذاقیہ کہی تھین، ایک غزل کا ایک شعر مجھے یاد ہے ؎

ہ ہ ہجر مین تمھارے پھ پھ پھٹ گیا کلیجہ   م م مدتین گذر گئین پ پ پاس تم نہ آئے

ایک اور شعر ان کا یہ بھی یاد ہے کسی غزل کا مطلع ہے، ؎

گڑے ہوئے ہین بہت گلبدن زمین کے تلے   ہماری سیر کو ہے اک چمن زمین کے تلے

ان کی ایک غزل حضرت کے کلام کے ساتھ لکھدی ہے، ۷۵ برس کی عمر مین رحلت کی، حضرت استاد کے مشاعرون مین بھی شریک رہا کئے،

شیخ رحم علی، بڑے ذی کمال موسیقی دان، محلہ تون گولہ کے ساکن تھے، نواب سید کاظم علیخان مرحوم کے حاجی گنج والے امام باڑہ مین سوزخوانی کرتے تھے، نو بجے شب سے سوزخوانی شروع کرتے تھے بارہ بجے رات تک تین گھنٹہ مسلسل پڑھتے تھے۔ ان کے بازوان کے شاگرد میر احمد صاحب مشہور سوزخوان ہوا کرتے تھے، شیخ صاحب کے سننے کو شہر بھر کے کلاونت، قوال گوییے، ڈھاڑی، اور اس فن کے بڑے بڑے ماہرین جنمین روسائے شہر بھی تھے سب جمع ہوجاتے تھے۔ تعریفون سے مکان گونج جاتا تھا، پورب دروازہ کے پل تک ایک بھیڑ انکے مشتاقون اور قدردانون کی رہتی تھی،

شیخصاحب کے شاگرد رشید میر احمد تھے، اور یہ عظیم آبادی تھے، جب شیخ صاحب کا انتقال ہوگیا، غازی الدین حیدر کا زمانہ تھا میر احمد صاحب لکھنو گئے، وہان کے جتنے نامی سوزخوان وموسیقی دان تھے، سب کو سنا کئے اور کسی پر اپنا حال عرصۂ دراز تک ظاہر نہ کیا کہ خود بھی موسیقی سے واقف تھے، لکھنو مین اس زمانہ مین سلطان علیخان مشہور ومعروف سوزخوان تھے، خانصاحب اپنے گھر مین بہت محفوظ جگہ کسرت اور مشق کیا کرتے تھے۔ جہان پرندہ کا گذر نہ تھا، ان کے مکان

کے متصل ایک بڑھئی کا گھر تھا جس کے گھر مین نیم کا درخت تھا، میر احمد مرحوم نے خیال کیا کہ اگر اس درخت پر چھپ کر بیٹھنا نصیب ہو تو خانصاحب کو سن سکتے ہین، چنانچہ بڑھئی سے ربط بڑھایا، خلاصہ یہ کہ اس نے منظور کر لیا، مشکل یہ تھی کہ برسات کا زمانہ تھا اور خانصاحب آخر شب کو کسرت کرتے تھے، غرض کمبل اوڑھ کر نصف شب کو اس درخت پر جا بیٹھتے تھے، ہزار پانی برسے، مگر اپنی دھن مین اسکی پرواہ کرتے تھے، تین مہینے تک خوب سنا، اس کے بعد اپنی ذاکری اپنے گھر مین شروع کی تھوڑے دنون مین سارے لکھنو مین میر صاحب کے کمال کی شہرت ہوگئی، پہلے تو وہان کے جتنے باکمال تھے سب کا طرز لوگون کو سنایا گئے (مطلب یہ کہ دوسرون کے طرز کو صاحب طرز سے کچھ بھی کم نہین برتا) پھر اپنا خاص طرز اختیار کیا، ایک دھوم مچگئی، مرزا دبیر صاحب مرحوم مجھ سے فرماتے تھے ایک ہزار سے زیادہ موسیقی دان ان کے شاگرد ہوگئے، یہ مبالغہ نہین ہے کہ آواز کی ورزش کے لحاظ سے چالیس برس تک معمولی باتین کھرج مین کیا کرتے تھے (کھرج آواز کو بالکل دباکر بولنے کو کہتے ہین) زمانۂ دراز تک پانی مطلق نہین پیا، چائے وغیرہ پی لیا کرتے تھے، راقم نے اپنی کمسنی مین نواب جعفر حسین خان مرحوم کے امام باڑہ مین ان کو سنا تھا، جب یہ لکھنو سے اپنے وطن عظیم آباد آئے تو ان کے ہمراہ ان کے دو شاگرد رشید میر علی حسن اور میر بندہ حسن تھے، یہ دونون بھائی شہرۂ آفاق اپنے زمانہ مین ہوئے، نواب ناظم بنگالہ کے ملازم تھے، جب فریدون جاہ اخیر ناظم بنگالہ لندن اظہار حقوق کے لیے گئے، اور بارہ سال وہان رہے، لندن مین بھی محرم مین مجلسین کرتے تھے، ان دونون بھائیون کو لندن طلب کیا، اور عرصۂ دراز تک یہ دونون بھائی وہان رہے، بزمانۂ قیام لندن اٹلی اور فرانس کے موسیقی دانون سے ان لوگون نے مقابلہ کیا اور ان کو حیرت مین ڈالا،

میر احمد صاحب کے شاگردون مین وارث علی خان بنارسی مشہور ہین کا روسوز خوان

بھی تھے ، جو کرنل کلب علیخان مرحوم کے مشہور امام باڑہ دیوان محلہ مین سوز خوانی کرتے تھے ،
ہمارے حضرت سے اور میر احمد صاحب سے بہت اتحاد تھا اور حضرت نے فنِ موسیقی میر احمد صاحب سے
سیکھا تھا ،

مولوی حکیم سید امیر جان ، مغلپورہ کے رہنے والے تھے ، موسیقی کی دھن مین مدتون
سارے ہندوستان کو چھانا کئے ، آخر فیروز خان جی کلاونت کے شاگرد ہوئے ، اور استاد مجکر
بحد اطاعت کرتے تھے ، اس نے بھی دل کھولکر خوب بتایا ، پھر تو سید صاحب ایسے ماہرِ فن
ہوئے کہ بڑے بڑے کلاونت دھرپد کی تصحیح ان سے کیا کرتے تھے ، سپر گدکا ، کشتی اور پیراکی مین
بھی استاد تھے ، ایک دن ایک ثقہ مولوی صاحب نے ان پر طنز کیا اور کہا ایک ذلیل فن
مین تم نے ساری عمر صرف کر دی ، حالانکہ بہت سہل فن ہے ، اس پر انھون نے کہا کہ آپ
اس کو کر کے دکھائیے تو جانون اور مین تحصیلِ علوم عربیہ کر کے تبلاتا ہون ، چنانچہ آٹھ برس
مین مولوی صاحب تو سرگم ہی مین اٹکے رہے ، اور سید امیر جان صاحب درس نظامیہ بلکہ
طب تک پڑھ ڈالی اور خاصے فاضل اور باضابطہ طبیب بنگئے ، غالباً بتیس سال ہوتے ہین ،
کہ پینسٹھ برس کی عمر مین انتقال کیا ،

خواجہ سلطان جان مرحوم اور دیوان مولا بخش مرحوم بھی اس زمانہ کے رؤسا مین تھے
اور ہمارے حضرت کے خاص دوستون مین تھے ،

خواجہ سلطان جان مرحوم صاحب ثروت اور بڑے مخیر تھے ، یہ انکی نسبت مشہور ہے کہ
مدت العمر روپیہ یا پیسہ اپنے ہاتھ سے نہین چھوا ، شاعری کا بھی شوق تھا اُن کا ایک مطلع مجھے یاد ہے

ہجر مین نیند نہین آتی ہے   کیا طبیعت مری گھبراتی ہے

ملا مرزا احمد سلجوقی ، یہ جید عالم و فاضل تھے ، عربی و فارسی دونون زبانون کے شاعر تھے

اپنی عالیخاندانی کی عظمت کا بڑا خیال رکھتے تھے،

مرزا امدار بیگ مدآر، یہ ایک خوش باش شخص تھے، شاعر بھی بڑے پایہ کے تھے ان سے اور لچھمن لعل سے جو ایک کایستہ قوم کے شاعر تھے ہمیشہ چشمک رہتی تھی، چھیڑ چھاڑ مشاعرون مین بھی رہا کرتی تھی، اپنے بزرگون سے ان دونون کے سوال و جواب کے بہت سے اشعار سنے تھے، اس وقت صرف مرزا امدار بیگ کا ایک شعر یاد آگیا ہے،

مول ایک گائے لی جو ہم نے جوان اور دوبیل — دودھ کو خوب جو گھیپا تو نکا لا لکھمن

مرزا عبدالرحمن خان شورش، اور کندن لعل فہیم اسی زمانہ کے شعرا مین ہین،

قریب العہد امرا مین نواب مرزا جنگلی مرحوم اور نواب مرزا میڈھو مرحوم، نواب کوکا خان فغان بھی شامل ہین،

حضرت کے قریب العہد شعرا مین مرزا عبدالقادر بیدل اور ملا علی تحقیق بھی ہین، خلاصہ یہ ہے اس سرزمین عظیم آباد نے کیسے کیسے باکمال ہرفن کے پیدا کئے، اور ہمارے حضرت کے شباب کے زمانہ تک کیسے کیسے لوگ اس شہر مین موجود تھے، اور کیا زمانہ حضرت نے پایا تھا،

باب سوم

مرشد آباد و کلکتہ کے سفر و قیام کے حالات

حضرت نے جب اپنا تعلق مدرسہ سے قطع کیا تو اس کے بعد سے چند واقعات زیادہ تر خانگی ایسے پیش آتے گئے کہ جنکی وجہ سے بہت شکستہ خاطر ہوئے، علاوہ ازین حضرت کے بعض دوست جن سے بید انس تھا ان کا بھی یکے بعد دیگرے انتقال ہوگیا، راقم آثم کے حقیقی ماموں نواب جلال الدین حسین خان تاثیر تخلص جو ہمارے حضرت کے باکمال و قابل شاگرد تھے اور جن سے حضرت کا دل بہلتا تھا، وہ بھی صدر اعلیٰ (سب جج) مقرر ہو کر شہر سے باہر تشریف لے گئے تھے، غرض انھین اسباب نے حضرت کو سخت پریشان کر رکھا تھا،

حضرت کے دولت خانہ کے متصل خواجہ عطاءاللہ نامی ایک بزرگ کشمیری رہتے تھے، وہ سرکار نواب ناظم بنگالہ کے معزز ملازم تھے اور عظیم آباد کی جائداد نظامت و مسجد فخر الدولہ وغیرہ کے اوقاف کے محافظ و تحصیلدار تھے، سال بھر مین ایک بار مرشد آباد جایا کرتے تھے، ہمارے حضرت کی خدمت مین اکثر حاضر باش رہتے تھے، یہ زمانہ ہمایون جاہ بہادر کی نظامت کا تھا، خواجہ صاحب ۱۸۳۷ء مین جب مرشد آباد گئے تو خود ہمایون جاہ بہادر نے خواجہ صاحب سے پوچھا کہ تمھارے شہر کے شاہ الفت حسین صاحب فریاد مرشد آباد آسکتے ہین؟ اگر وہ آئین تو مین بہت خوش ہونگا، انھون نے عظیم آباد حضرت کو خط لکھا،

حضرت نے راقم کے والد مرحوم اور چچا صاحب سے تذکرہ کیا اور ان کو گو حضرت کی جدائی تلخ تھی، لیکن باین خیال کہ عظیم آباد مین حضرت کی طبیعت مکدر رہتی ہے مشورہ دیا کہ ضرور تشریف لیجائے چنانچہ حضرت نے منظور کرلیا، اور نواب ناظم بہادر نے راہ خرچ ایک ہزار اور ایک خط دفتر سے لکھواکر خواجہ صاحب کے حوالہ کیا،

اس بارہ مین چند روایتین اور بھی ہین، کہ کسی اور صاحب نے تحریک کی تھی، مگر راقم کو اپنے بزرگون سے یون ہی معلوم ہوا تھا،

غرض پہلی دفعہ ۱۲۳۵ھ مین حضرت مرشدآباد روانہ ہوئے، آپ کے ہمراہ ایک خانسامان دو خدمتگار ایک باورچی ایک مصاحب میر قدرت علی نامی یہان سے چلے، براہِ دریا بجرے پر روانہ ہوئے قریب مرشدآباد پہنچکر میر قدرت علی دفعۃً قضا کر گیے، حضرت کو اپنے قدیم مصاحب کے مرنے کا سخت صدمہ وملال ہوا، اور لوٹ آنے کا خیال کیا، پھر توکل بخدا کرکے مرشدآباد پہنچے، وہان کے لائق وقابل میزبانون نے ہاتھون ہاتھ اس مہمان عزیز کو لیا، سکونت کیلئے نظامت سے اچھی کوٹھی ملی، اور خاص باورچی خانے سے چوگوشہ دونون وقت آنے لگا،

ہمایون جاہ کے زمانہ تک پھر بھی نظامت اور بعض ڈیوڑھیون کا نام تھا علی الخصوص نواب رئیس النسا بیگم کی سرکار بڑی ممتاز تھی، ہمایون جاہ ذرا لاأبالی واقع ہوئے تھے، ہمارے حضرت وہان کی حالتین دیکھ کر ذرا پریشان ہوئے جو ممتاز خدمتین حضرت کے متعلق کیجاتی تھین وہ حضرت کو پسند نہ آتی تھین، اور جو خدمت حضرت خود چاہتے تھے، نواب ناظم اس کا صاف جواب نہین دیتے تھے،

اس زمانہ مین وہان سر ہنری ٹاونس رزیڈنٹ تھے فارسی مین ان کو اتنی لیاقت تھی کہ حضرت سے گفتگو فارسی مین کرتے تھے، ہر چند دلچسپی کے سامان وہان تھے اور ہر قسم

کے باکمالون کا مجمع تھا، مگر چونکہ کوئی خدمت حضرت کے متعلق نہ تھی اسی لیے برخاستہ خاطر ہوئے

اس اثنا مین حضرت کا قدیم خاصہ بردار تپ دلرزہ و طحال مین مبتلا ہو کر مرگیا اور ایک

خدمت گار کو بھی طحال ہوگیا اور بخار آنے لگا،

حضرت کے چار ماہ کے قیام کے زمانہ مین سر ہنری لارنس نے دو تین فارسی کی کتابین

بھی پڑھ لین اور زبانی فوائد تو خدا جانے کتنے ہی حاصل کئے، وہ کسی طرح آپکی معاودت پر راضی

نہین ہوتے تھے بلکہ جو خدمت آپ چاہتے دلوا چھوڑتے لیکن نہ معلوم کیا اسباب ہوئے،

بظاہر تو میر قدرت علی اور باورچی کے انتقال کی وجہ سے بھی کچھ پریشان تھے، غرض براہ دریا

واپس ہوئے،

بھاگلپور پہنچتے پہنچتے وہ خدمت گار بھی جو مبتلائے طحال و تپ تھا انتقال کر گیا،

بھاگلپور مین میر عشرت علی صاحب وکیل ایک نامی اور خوشحال موقر بزرگ تھے، وہ حضرت

کے بھاگلپور کے آنے کی خبر پا کر دوڑے آئے، نہایت اعزاز و اکرام کے ساتھ حضرت کو

اپنے گھر مین اتارا، چند دن بعد کہارون کی ڈاک مین حضرت وہان سے روانہ ہو کر وطن پہنچے

سات آٹھ ماہ کے بعد پھر تحریک ہوئی، اور اسکی صورت یہ ہوئی کہ مسٹر جیمس کارکرن

ایک مستشرق عہدہ دار طہران کے سفارت خانہ مین مقرر تھا، مولانا کرامت علی مغفور کو جو بعد

کو ہوگلی کے امام باڑہ کے متولی مقرر ہوے اور بہت مشہور تھے، سرکار انگلشیہ نے کسی

سرکاری ضرورت سے ایران بھیجا تھا، ان سے اور کارکرن صاحب سے طہران مین ارتباط

ہوگیا تھا، جب مولانا اور وہ ہندوستان واپس آئے، اور کلکتہ آئے تو مسٹر موصوف

نے مولانا سے کہا کہ مین اگرچہ فارسی سمجھ لیتا اور بول بھی لیتا ہون مگر بہت خام ہون اور

اردو مین تو کچھ بھی لیاقت نہین رکھتا، ان ہر دو زبانون مین اتنی لیاقت حاصل کیا چاہتا ہون

کہ صاحبِ تصنیف ہو جاؤن یا تو آپ مجھکو خود پڑھایئے، یا کسی ایسے منتخب روزگار قابل بزرگ کا پتہ دیجئے کہ قلیل عرصہ مین مجھے اس قابلیت تک پہنچا دے، مولانا موصوف علامۂ وقت و متوطنِ شہر جونپور تھے، وہ ہمارے حضرت کی صاحب کمالی سے آگاہ تھے، اور سن چکے تھے کہ مرشد آباد مین تشریف رکھتے ہین، یہ نہین معلوم تھا کہ واپس بھی جا چکے ہین، بہرحال مولانا نے حضرت کے حالات و کمالات کا ذکر کیا،

کارکرن صاحب نے ٹارنس صاحب کو یہ خط لکھا کہ کوئی تدبیر ایسی کرو کہ مین حضرت سے فارسی دانی حاصل کرون، ٹارنس صاحب نے نظامت مین الگ تحریک کی اور حضرت کو الگ خط لکھا، اور نہایت اصرار کے ساتھ مرشد آباد طلب کیا اور یہ خیال دل مین رکھا کہ منجانب نظامت بعہدۂ سفارت حضرت کو کلکتہ بھیجدین تاکہ کارکرن صاحب حضرت سے استفادہ حاصل کرین،

عجیب اتفاق کہ جب حضرت مرشد آباد پہنچے تو کارکرن صاحب کو سرکار انگلشیہ نے پھر ایران بھیجدیا تھا، اب حضرت کو ٹارنس صاحب نے مرشد آباد مین روک لیا، مرشد زادون کی اتالیقی اور نواب رئیس النسا بیگم صاحبہ کی ڈیوڑھی کی سربراہ کاری تفویض ہوئی، ان خدمتون پر حضرت تین برس رہے، ٹارنس صاحب بھی حضرت سے استفادہ حاصل کرتے رہے،

حضرت کی تاریخ دانی و غیر معمولی حافظۂ یادداشت کی نسبت شک و شبہہ کرکے نواب احمد علی خان نے جو حضرت کا امتحان لیا تھا جس کا ذکر باب دوم مین آچکا ہے وہ اسی زمانہ کا واقعہ ہے، اس واقعہ کے بعد سے حضرت کے کمالات کی بڑی شہرت ہوئی، اب تو حضرت کی صحبت باکمالون سے پر رہنے لگی،

چونکہ رزیڈنٹ خود حضرت کو صرف استاد ہی نہین بلکہ اپنے باپ کے برابر سمجھتا

حضرت کا بیحد احترام کرتا تھا، اس کا اثر نظامت مین بھی ہوا تھا، ایک امر قابلِ ذکر یہ بھی ہے کہ جبکہ حضرت نے نظامت مین ملازمت قبول کی تو یہ شرط کی کہ بلحاظ اپنے خاندانی حالات واعزاز کے نواب ناظم بہادر کو نذرانہ عیدین کے دربار مین نہ نوروز کے دربار مین نہ کسی اور موقع پر دون گا جس کو نواب ناظم نے قبول کرلیا تھا،

حضرت کے بزمانۂ قیام مرشدآباد بہت امرا و شرفازادے حضرت کے زمرۂ تلامذہ مین داخل ہوئے، بہت سے لوگون نے اصلاحین لین اور زیادہ تر اشخاص نے پڑھا، حضرت کو درس دینے کا شوق ابتدا سے آخر عمر تک رہا، حضرت نے اپنا عقد نواب عفت آرا بیگم صاحبہ سے کہ از اقربائے نظامت سے وہین کیا،

اس زمانہ مین کارکن صاحب ایران سے کلکتہ واپس آگئے اور حضرت کو حسب تحریک گورنمنٹ انگلشیہ بذریعہ رزیڈنٹ نواب ناظم بہادر نے بعہدۂ جلیلہ نیابت وسفارت مامور کیا اور عید سعید کے دربار عام مین خلعت گران بہا عطا کیا اور اپنے ہاتھ سے مالائے مروارید حضرت کے زیبِ گلو کیا اس عہدہ جلیلہ کی انجام دہی کے لئے حضرت کلکتہ تشریف لے گئے،

ہمارے حضرت مرشدآباد سے کلکتہ پہلی دفعہ ۱۲۸۲ھ مین تشریف فرما ہوئے، کلکتہ چونکہ دارالسلطنت تھا سرکاری دفتر فارسی تھا، ہندوستان بھر کے اہل علم و کمال و منتخبان روزگار کے اجتماع سے یہ شہر گلدستہ ہو رہا تھا، اہل ایران کی تجارت زورون پر تھی کروڑ پتی تجار مثلاً آغا مرزا شیرازی، حاجی کربلائی، مرزا مہدی، حاجی آغا بابا اصفہانی ایسے ایسے اشخاص تھے جنکی کرورون کی تجارت تھی، پندرہ پندرہ بیس بیس جہاز کے مالک تھے، اس لیے ایرانی باکمالون کا بھی الگ اجتماع تھا، پچاسون فارسی زبان کے انشا پرداز و شعرا موجود تھے، ہر ہفتہ مین مشاعرہ اور نثر خوانی کی صحبتین کئی کئی جگہ ہوا کرتی تھین،

اس کے چند سال پہلے مرزا اسد اللہ خان غالب کلکتہ مین اپنی پنشن جاری کرانے کے لیے جو گئے تو برسون وہان رہ کر دہلی واپس جا چکے تھے، بعض بے لطفیان بھی وقوع مین آچکی تھین، اسی لئے زبان دانانِ ایران نے فارسی گویانِ ہند کی طرف سے نظر توجہ پھیر لی تھی، مرزا صاحب پر کثرت سے اعتراضات زبان دانان و شعرائے عجم ہی نے کئے تھے، مرزا قتیل و واقف پٹیالوی و ٹیک چند بہار بڑے پایہ کے لوگ تھے،

بہار کی اصطلاحاتِ فارسی مین بہار عجم سی مستند کتاب مشتمل بہ ہفت جلد آج تک ایران مین رائج ہے، اور قدر کی نگاہون سے دیکھی جاتی ہے، اور بعد امیر خسرو کے اگر ہند کے شعرائے فارسی گو مین سے کسی کا کلام ایران تک پہنچا ہے، تو واقف پٹیالوی و مرزا قتیل کا ہے، واقف بھی وہ شخص تھا جس نے شیخ المتاخرین علی حزین جیسے یکتائے عصر کو اپنے کلام کا والہ و شیدا بنا لیا تھا، مرزا قتیل اتنا بڑا فاضل و زبان فارسی کا محقق ہے کہ ملا گل محمد[1] مکرانی نے مرزا قتیل

[1] ملا گل محمد مکرانی نواب آصف الدولہ کے زمانۂ سلطنت مین لکھنؤ آکر مقیم ہو گئے، ملا صاحب کے یہ دو شعر قابل یاد رکھنے کے ہین

حدیثِ لذتِ لعلِ لبِ شکر فشانِ او ‏— بشہر افگندم و شکر فروشان را دکان بستم

نخواہم ہمّم نقصان کس... گو بود دشمن ‏— پئے آگاہی رہزن جرس برکار دل بستم

مین یہ نقل ایک ایسے شخص سے بھی سن چکا تھا جو اس صحبت مین شریک تھے جسکو مکرمی مولانا حالی مرحوم نے اپنی کتاب حیات غالب مین تحریر کیا ہے، وہ یہ ہے کہ مرزا غالب مرحوم جب کلکتہ تشریف لیجانے لگے تو لکھنؤ مین بھی کچھ دن قیام کیا، کسی صحبت مین اپنی فارسی مثنوی پڑھ رہے تھے، کسی گوشہ مین ملا گل محمد مکرانی بھی تشریف رکھتے تھے، مرزا صاحب نے اس مثنوی کے کسی مقام پر کسی شخص کے غصہ آجانے پر ایک شعر کہا تھا جسکا پہلا مصرع یہ ہے
خوک شد و پنجہ زدن ساز کرد، ظاہر ہے کہ سُور کو پنجہ نہین ہوتا ہے، ملا صاحب نے فوراً ٹوکا کہ وائے وائے این چہ فارسی است خوک پنجہ ندارد، بگو خرس شد پنجہ زدن ساز کرد یعنی ریچھ ہو گیا اور پنجہ مارنے لگا، مرزا صاحب خاموش ہو رہے،

کو میرزا ئے اصفہانی کا لقب دیا تھا، اور ان کی فارسی دانی کے قائل تھے،

کلکتہ مین مرزا غالب نے بد اخلاقی کا کوئی حملہ ایسا نہ تھا کہ ان باکمالون کے حق مین اپنی زبان سے نہ نکالا ہو، حتی کہ فیضی فیاضی کے سے باکمال کی شان مین بھی (جس کو اساتذۂ عجم نے سرتاج مانا ہے اور فی الحقیقت بنظر اسکی فارسی دانی و شاعری و مختلف علوم کے عالم بے بدل ہونے مین کسی طرح کا شک و شبہہ نہین) مرزا صاحب نے ایک لفظ کہ یہ فقط زبان ہی سے نہین کہا بلکہ لکھکر چھپوا یا بھی (یعنی فارسی زبان مین کہین کہین میان فیضی کی بھی ٹھیک نکل جاتی حضرات اردو کے زبان دان خیال فرمائین ٹھیک کا نکل جانا ایک قسم کی گالی ہے،

الغرض اپنی جگہ پر غالب نے یہ خیال کیا ہوگا کہ میری تحقیقات و کمال کی عظمت ان باتون سے ہوگی اور لوگ یہ خیال کرین گے کہ جب یہ شخص قتیل و واقف و فیضی کو اپنی نظرون مین نہین لگاتا ہے تو ضرور بڑے پایہ کا محقق ہوگا، مگر وہان برعکس نتیجہ نکلا اکثر قتیل کے بالواسطہ و بلا واسطہ تلامذہ اور واقف کے معتقدین موجود تھے، اس کے علاوہ فیضی ایسے باکمال کو جسکو سارا ہندوستان بلکہ ایران مان رہا ہے، کتاب بہار عجم پر کلکتہ والون کا دار و مدار تھا، اسیلیے غالب کی کثرت سے غلطیان نکال نکالکر اس وقت کے موجودہ کملائے ایران سے استشہاد کرنا شروع کر دیا، میرزا صاحب ان شورشون سے پراگندہ خاطر ہوئے، اور نواب سید علی اکبر خان کے پاس ہوگلی گئے، نواب[1] صاحب نے سب قصہ سنکر فرمایا کہ آپ کو اسکی ضرورت کیا تھی کہ مرزا قتیل و واقف و صاحب بہار عجم کے پیچھے پڑ گئے، اور سخت و سست کلامات سے ان کملائے فن کو برا بر یاد کیا، آپ نے تو بھڑون کے چھتہ کو چھیڑ دیا ہے اور بعض اعتراضو کا جواب ہو نہین سکتا،

---

[1] نواب سید علی اکبر خان مرحوم راقم کے اجداد مین ہین،

اس واقعہ کے لکھنے سے میری غرض یہ ہے کہ برخلاف مرزا غالب ہمارے حضرت جب کلکتہ تشریف لے گئے اور مدتون قیام فرمایا کبھی کسی باکمال کی نسبت ایک لفظ خلافِ اخلاق یا اعتراضاً اپنے منھ سے نہ نکالا، صرف یہی نہین بلکہ بعض لوگ دوسرون پر اعتراضات جو کرتے اور حضرت سے اس مین امداد چاہتے تو اعتراض کرنے والون کو یہ کہکر روکتے کہ اگر کسی نے غلطی کی ہے تو چپکے سے جاکر اس کو آگاہ کر دیجیے، تاکہ آئندہ وہ متنبہ ہو، اور آپ کا مرہونِ منت رہے، شعارِ بزرگی اور کمال اسی کا نام ہے،

اس مقام پر حضرت کے کمال کا ذکر آگیا ہے، اول مین اس لائق نہین کہ حضرت کے کمالات کا اندازہ کر سکون، یا ان کے تفصیلی حالات بتا سکون، تاہم بعض واقعات جو مجھ پر گذرے ہین، اور جن سے حضرت کے غیر محدود معلومات وقابلیت وغیرہ پر روشنی پڑتی ہے، ان کا مجملاً اظہار کرنا ضروری سمجھتا ہون،

حضرت نے کلکتہ پہنچکر نہایت عالی دماغی وہوشیاری سے سفارت ونیابتِ سلطنت کے کارہائے مفوضہ ادا کیے، جتنے مسلمان عمائد کلکتہ واعلیٰ عہدہ دارانِ ملک تھے، سب آپکی خدمت مین حاضر ہوتے، اور آپ کے فیضِ کلام سے بہرہ ور ہو کر جاتے،

مسٹر جیمس کارکرن نے جب آپ سے تلمذ اختیار کیا تو آپ کو ایک دریائے معلومات پاکر بے حد خوش ہوئے، اور مولانا کرامت علی صاحب کا تحریری شکریہ ادا کیا،

حضرت کی چھ سات مہینے کی تعلیم نے اردو زبان مین اتنی استعداد پیدا کر دی کہ وہ صدر دیوانی کلکتہ کے مترجم اعلیٰ مقرر ہوئے اور دو برس کے بعد اتنی ترقی کی کہ رسالہ جواہر اخلاق بعبارت نظم ونثر اردو تالیف وتصنیف کر کے چھپوا دیا، جسپر تقریظ نواب ضیاء الدین خان دہلوی نیر رئیس لوہارو کی قابلِ دید ہے، راقم نے پچاس سال پیشتر یہ رسالہ دیکھا تھا، مگر اب بہت تلاش

کیا نہ ملا سب سے زیادہ قابلِ ذکر اونکی تاریخ چین ہے جو دو جلدون مین لکھی گئی ہے،

ہمارے حضرت کی تاریخ دانی کی یہ ادنیٰ مثال ہے کہ جب کارکرن صاحب کو تاریخِ چین مرتب کرنے کا شوق ہوا اور انگریزی اور فرنچ زبان کی کتابین منگا کر حضرت سے اپنا شوق ظاہر کیا، تو حضرت نے فرمایا مجھ سے پہلے زبانی لکچر تھوڑا تھوڑا سن لیا کرو، اور اس کو لکھتے جاؤ، پھر کتابون سے تطابق کر کے دوبارہ لکھو، اس طرح سے کتاب جلد تمام ہو جائیگی چنانچہ ایسا ہی انھون نے کیا، روزانہ دو گھنٹے حضرت سے زبانی بیان سنکر لکھتے جاتے اور شب کو کتابون سے مطابق کرتے تو ذرا بھی فرق نہ پاتے بلکہ حضرت کے بیان مین جو وسعت پاتے وہ کتابون مین نہ پاتے، مجھ سے حضرت کے شاگرد رشید مولانا عبدالرؤف وحید مرحوم سابق مترجم اعظم کونسل وضع قوانین وسیرائے ہند کہتے تھے کہ مین اکثر اس نایاب صحبت مین حاضر رہا ہون جس سلسلہ اور معلومات کے ساتھ حضرت زبانی بیان فرماتے تھے ممکن نہین کہ کتاب مین ایسی عمدہ عبارت کیساتھ کوئی بیان ہو، یہ حضرت ہی کے لیے سعادت نصیب ہوئی، کہ ایک عیسائی یورپین کے قلم سے جناب سید الصابرین سلطان الشہدا حضرت امام حسینؑ کے مصائب وصبر کے بارہ مین ایسے ریمارک لکھوائے گئے، کہ جسکی آج تک دھوم ہے، دونون جلدین تاریخِ چین کی چھ سات مہینے مین تمام ہوئین، اور چھپ گئین، اور کارکرن صاحب کی تمام دنیا مین شہرت ہوئی، سرکار نے بھی نہایت قدر دانی کی تنخواہ مین اضافہ وغیرہ کیا،

ایک کارکرن صاحب پر منحصر نہین، زمانہ قیامِ کلکتہ مین جوق جوق اہل علم آتے تھے، اور حضرت کی معمولی باتون کو سنکر صفحۂ دل پر نقش کر کے اپنی تصنیفات مین اوس کو داخل کیا کرتے تھے،

مولانا عبیداللہ عبیدی جو سررشتۂ تعلیم بنگال مین نامی گرامی مسلمہ علمائے ایشیا و یورپ

گزرے ہین جنکی تصانیف عربی و فارسی زبانون مین مشہور و معروف ہین، فارسی زبان و فن تاریخ مین ہمارے حضرت ہی کے شاگرد تھے،

جب ہمارے حضرت آخر زمانہ مین عظیم آباد تشریف لاکر قیام گزین ہوئے تو راقم نے رسالہ تہذیب الاخلاق مین ایک طویل لکچر مولوی سید مہدی علی محسن الملک کا تازہ چھپا ہوا دیکھا جو انھون نے بحالت تحصیلداری مرزاپور کے ضلع اسکول کے تقسیم انعامات کے جلسہ مین دیا تھا، جس کے بارہ مین سرسید احمد خان مرحوم نے یہ لکھا ہے کہ اس لکچر پر مسلمانون کو ہمیشہ فخر رہے گا، لکچر مذکور مین مسلمانون کے علمی و عملی فنون لطیفہ وغیرہ کل اصناف علم مین ترقی و ایجاد کا محققانہ اور تفصیل سے ایسا بیان کیا ہے کہ بغیر واہ واہ کئے اوران تحقیقات پر حیرت کئے کوئی رہ نہین سکتا، ایک دن جب مین حضرت کی خدمت مین حاضر ہوا وہ پرچہ راقم کے ہاتھ مین تھا حضرت کے ملاحظہ کرانے کے خیال سے راقم اسے لیکر حاضر ہوا تھا، اور ایک مختصر تمہید کے ساتھ بعد حصول اجازت اسکو پڑھنے لگا، شاید ایک کالم پڑھا ہوگا کہ حضرت نے فرمایا کہ ہین یہ تو بعینہ وہی بیان ہے جو چند سال کے پیشتر مولوی عبید اللہ نے کلکتہ مین مجھ سے پوچھ پوچھ کر قلمبند کیا تھا، یہ فرماکر راقم سے ارشاد کیا کہ بیٹا مولوی عبید اللہ نے اسے ٹائپ مین چھپوایا بھی ہے، ذرا میری کتابون کی دونون الماریون مین دیکھو دو جزسے کچھ زیادہ ٹائپ کے چھاپہ مین ایک رسالہ ہے جس کے ٹائٹل پیج پر انگریزی اور اردو مین یہ لکھا ہوا ہے، جلسہ ٹاؤن ہال کلکتہ لکچر مولوی عبید اللہ عبیدی متعلق بہ ترقی و تنزل اہل اسلام، راقم نے ڈھونڈھنا شروع کیا اور وہ رسالہ نکل آیا اب جو دیکھتا اور تہذیب الاخلاق سے ملاتا ہون تو لفظون مین جو فرق ہو مگر معناً ذرا بھی فرق نہین، پھر لطف یہ کہ جس سلسلہ کے ساتھ تہذیب الاخلاق والے لکچر مین ادا کیا گیا ہے، بلافرق مولوی عبید اللہ صاحب والے لکچر مین بھی ہے، فرمانے لگے

ایک اسی پر کیا موقوف ہے یہ تو برابر ہوتا رہا کہ مین نے جو تاریخی یا علمی باتین زبانی بیان کین لوگون نے اپنی اپنی تصنیفون مین درج کرکے چھپوادین،

اس کے بعد چند مشہور کتابون کے نام لیے جنمین ایک رسالہ وہ بھی تھا جو تائید برہان قاطع مین لکھا گیا تھا، راقم نے ۱۸۶۷ء مین جو تاریخ بہار کی لکھی وہ حضرت ہی کے زبانی لکچرون پر مبنی ہے۔ حضرت جو کچھ زبانی ارشاد فرماتے تھے راقم وہ لکھتا اور جمع کرتا جاتا تھا،

چونکہ تاریخی واقعات کے لیے کتابون کی سندون کی ازبسکہ ضرورت ہے مین اس فکر مین تھا کہ کسی طرح ان واقعات کی سندین کتابی حاصل کرون "اتفاقاً مسٹر ایلیٹ سابق رونیو کمشنر پٹنہ کا کتب خانہ نیلام ہونے لگا، اس مین آٹھ نو جزون کی ایک فارسی قلمی کتاب مین نے خریدی، جسمین دو کالم تھے ایک مین فارسی عبارت صوبہ بہار کے ابتدائی حالات اور شہر پٹنہ کے آباد ہونے سے قبل و بعد کے حالات بطور جمع و توفیق و جرح و تعدیل کے جسکی ضرورت تاریخ نویسی مین ہر ہر قدم پر ہوا کرتی ہے، درج تھے اور دوسرے کالم مین اسکا ترجمہ انگریزی مین لکھنا شروع کیا گیا تھا لیکن دو صفحون سے زیادہ اس مین کامیابی نہین ہوئی تھی' پھر خوش قسمتی سے راجہ پیارے لعل صاحب کے قدیم دبے مثل کتب خانہ کے نیلام مین ایسی ایک کتاب جو فارسی ترجمہ سنسکرت کی کسی کتاب کا تھا میرے ہاتھ لگ گئی، مسٹر ایلیٹ والی کتاب کے مضامین کو اس کتاب کے مضامین کو قریب قریب یکسان پاکر نہایت خوشی ہوئی اور یہ خوشی اس وقت حیرت کے ساتھ دوبالا ہو گئی، جب حضرت علیہ الرحمۃ کے زبانی ارشادات کو ان دونون کے مطابق پایا،

منشی ذکار اللہ مرحوم اسی زمانہ مین جب دو ہفتہ کے لیے عظیم آباد آئے ہوئے تھے، اور خان بہادر سید قاضی رضا حسین مرحوم کے مہمان تھے تو ان دونون رسالون سے بہت سے حالات منتخب کرکے لکھ کرلے گئے، یہ دونون رسالے معہ اور کتابون کے مرحوم

خدابخش خان نے مجھ سے اپنی پبلک لائبریری کے لیے لئے جواب وہان موجود ہین،

ایک دفعہ راقم الحروف کلکتہ مین مسٹر اوکینلی سابق جج ہائیکورٹ کلکتہ (جو عربی دان اور پرانی کتابون کے مشہور قدردان تھے) کی ملاقات کو گیا، وہ راقم کو اپنے آفس کے کمرہ مین بٹھا کر کسی ضرورت سے دوسرے کمرہ مین چلے گئے، لکھنے کی میز پر ایک پروف شیٹ دکھائی دیا، ٹائپ کے عمدہ چھاپہ مین عربی اشعار تھے جا بجا سرخ روشنائی سے اسکی تصحیح کیگئی تھی، مین اٹھا کر دیکھنے لگا اتنے مین صاحب موصوف واپس آ گئے، مجھ سے کہنے لگے کہ یہ ایام جاہلیت کے ایک شاعر جبیر بن یافع کا دیوان ہے اور نایاب ہے، مجھکو مصر مین ملا تھا مین چھپوا رہا ہون، مین نے تو جلتقار مین اس شاعر کا نام تک نہین دیکھا تھا، دو چار شعر ان کی اجازت سے مین نے لکھ لیے تھے، جب مین نے اپنے حضرت سے اس کا ذکر کیا تو فرمانے لگے کہ میرے پاس یہ دیوان تھا، ساڑھے تین ہزار نادر کتابون کے ساتھ گھر کے جلنے مین یہ دیوان بھی جل گیا، اور بہت سی میری تصنیفین بھی نذر آتش ہوئین ہین نے وہ شعر جو مجھ کو یاد تھے پڑھ کر سنائے تو حضرت اس کے قبل و بعد کے اشعار پڑھنے لگے، غالباً سات آٹھ شعر پڑھ گئے،

پادری عماد الدین نے ایک کتاب برخلاف فصاحت و بلاغت قرآن شریف لکھ کر شائع کی تھی، ان کی غرض یہ تھی کہ مسلمانون نے اپنا علم فصاحت و بلاغت قرآن کے مطابق جمع کر لیا ہے، لیکن حقیقت حال یہ ہے کہ سیکڑون الفاظ و محاورات عرب العربا کے برخلاف محاورہ ہین، پھر ان الفاظ و محاورات کو جنکر ایام جاہلیت کے شعرا کے کلام سے سند طلب کی ہے، اس کتاب نے مباحثہ کرنے والون مین ایک دھوم ڈالدی، چار پانچ برس تک جواب نہ لکھا جا سکا، آخر جناب مولانا سید محمد صاحب مجتہد اکبرآبادی نے بڑی جانفشانی سے اور جناب فخر المجتہدین حضرت مفتی سید عباس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مدد

سے اس کا جواب لکھا اور ایام جاہلیت کے کلام سے سند دی، ایک دن راقم کے ہاتھ مین سے کتاب مذکور لیکر ملاحظہ فرما کر ہمارے حضرت نے پوچھا تو راقم نے تفصیل اسکی عرض کی، فرمایا کچھ پڑھو، اسکی ایک بحث راقم نے پڑھی ساتھ اس کے سند والا شعر بھی پڑھا، حضرت نے اس شعر کے بعد کے چند اشعار پڑھکر ایک شعر اور بھی اس قصیدۂ رومیہ کا پڑھا، اور فرمایا کہ اس شعر کے عوض یہ شعر سند مین دیا جاتا تو افضل و بہتر تھا،

یہ تو گویا ایک معمولی بات تھی کہ قدما و اساتذہ شعرائے عجم کا کوئی شعر پڑھکر ایام جاہلیت کے کسی غیر مشہور عرب شاعر کا اسی کے ہم قالب شعر پڑھ دیا کرتے تھے، یہی حالت بھاکھا کے دوہرون کی تھی، جاننے والے جانتے ہین کہ ملک محمد جائس کی کتاب پدماوت بھاکھا مین کیسی نادر نظم ہے، اگر استعارون اور تشبیہون کا سمندر کہون تو مبالغہ نہین ہوگا، قریب قریب چوتھائی حضرت کو یاد تھی، بالمیک کی رامائین علی الخصوص جب رام نیواس بن باس ہونے چلے ہین اور عام خلقت جمع ہوئی ہے، وہان پر کے اشعار اس سوز و گداز سے پڑھتے تھے کہ سننے والے بے اختیار رونے لگتے تھے، خود بھی بطور تفنن طبع دوہرے وغیرہ بھاکھا مین فرماتے تھے، سنسکرت دان پنڈت اکثر حضرت کی صحبت مین رہا کرتے تھے، اردو مین راسخ مرحوم کی اصمعی والی مثنوی مسمّٰی بہ راز و نیاز پوری یاد تھی، میر حسن کی مثنوی کے بہت سے شعر یاد تھے، حد ہے کہ مثنوی زہر عشق کے بیسون شعر بنوک زبان تھے،

حضرت کے حافظہ کی کیفیت یہ تھی کہ ایک یا دو بار جس چیز کو پڑھا یا دیکھا وہ دماغ مین محفوظ رہ جاتی تھی، ایضاح سے لیکر میر شمس الدین فقیر و خان آرزو کے رسالے مختصر معانی کے حواشی جتنی شارحین کے باہم جو اختلافات تھے تقریبًا سب یاد تھے،

تاریخ دانی مین یہ حالت تھی کہ صفحۂ عالم مین شاید ہی کسی جگہ کی پرانی تاریخ نہ جانتے ہون

ورنہ اس مین بھی آئینہ جہان بین تھے، چنانچہ ضمیمہ جواہر منتخب مین حضرت کی تاریخ دانی کا جہان ذکر ہے یہ عبارت ہے :- باستانی تواریخ عرب وعجم بل سائر بلاد عالم را سینہ اش گنجینہ و جمال جہان آرائے شاہد سخن را طلعش آئینہ تقریرش افصح المقال وتحریرش سحر حلال:- الخ

خان آرزو سے حضرت اظہار ناراضگی فرماتے تھے کہ اس نے شیخ علی حزین جیسے کامل بزرگ پر عامیانہ حملہ کیون کیا، پھر خان موصوف کے اشعار کی لغزشین بتلاتے اور برخلاف محاورہ اہلِ زبان جوان کے اشعار تھے پڑھ دیا کرتے تھے اور ساتھ ہی یہ بھی فرماتے کہ مین نے یہ اشعار اس غرض سے پڑھے ہین تاکہ تم ان باتون سے سبق حاصل کرو، اور تمہاری نظر بسیط ہو، اور کبھی کوئی کلمہ سخت کسی کے حق مین نہین فرماتے،

آخر زمانہ کے ہندی فارسی گو شعرا مین مرزا قتیل کی تعریف فرماتے اور فرماتے کہ مرزا قتیل جیسا پرمایہ شخص مشکل ہے کہ اب ہندوستان پیدا کر سکے،

براہمہ کا فلسفۂ الہیات اس قدر یاد تھا اور اس کے نکات سے اس قدر واقف تھے کہ شاید ہی کسی شاستری پنڈت کو اس پر عبور ہو، شبستری کی مثنوی گلشنِ راز، گرو نانک جی کے مقالات، نظم توریت، انجیل، تاریخِ کلیسا، استا زند، کن فیوشس کے حالات واقوال یہ سب چیزین بنوکِ زبان تھین،

غرض حضرت کے آخر زمانہ مین سات آٹھ سال کی مسلسل خدمت گذاری مین راقم نے بھی بے انتہا فیض حاصل کیا، جس صحبت اور جس محفل مین حضرت تشریف رکھتے اور تقریر فرمائے اور جس لب ولہجہ سے مختلف سوالات کے جوابات دیا کرتے تھے معلوم ہوتا تھا کہ دریا ہے کہ امنڈ رہا ہے، سارے لوگ محو ہو جاتے تھے، عالم سا عالم، کامل سا کامل، دولتمند سا دولتمند بھی جو اس مجمع مین ہوتا حضرت کے آگے اس کا شمار عامیون مین ہو جاتا تھا۔

اے زمین بہار! اے خاکِ عظیم آباد اگر تو فخر و ناز کے ساتھ اس بات کا دعوی کرے کہ ہمارے خزانہ مین ایسے ایسے لعل و گہر بند ہین کہ ہند کے جوہری جنکی قیمت نہ لگا سکے (کیونکہ قیمت کا لگانا بھی تو آنکھ رکھنے والون کا کام ہے) تو ہرگز بیجا نہ ہوگا جہان عذرِ بینائی ہو وہان کیا علاج ہے، افسوس! صد ہزار افسوس!!

یون تو حضرت کا تھوڑا سا کلام بابِ ہفتم مین ناظرینِ کتاب ہذا کے دیکھنے کے لیے لکھونگا جس سے حضرت کے کمالِ سخن کا صاحبِ بصیرت اندازہ فرمائین گے، اس مقام پر ایک واقعہ کا ذیل مین اظہار کرتا ہون،

راقم کا سالہائے دراز سے تجربہ ہے کہ اہلِ ایران عموماً یہ سمجھتے ہین کہ اہلِ ہند فارسی مین چاہے کتنی ہی ترقی کرین مگر ہندی پن جا نہین سکتا، البتہ امیر خسرو کو اکمل جانتے ہین اور بار ہا ان کے چیز فہمون سے مطارحہ کی نوبت آئی تو مرزا بیدل کے بارہ مین بالاتفاق یہی کہتے سنا "زبانش اجنبی است بابا شعر سلامت رامی خواہد اگر شعرش سلامت و فصاحت می داشت در تکمیل او شکے نہ بود" واقف پٹیالوی، خان آرزو، میر شمس الدین فقیر، مرزا قتیل وغیرہ کے بارہ مین بالاتفاق یہ کہتے سنا۔ "اینہا فارسی را از ما درست و یاد گرفتہ بودند" اور صاحب برہان قاطع کے بارہ مین یہ کہتے ہین، کہ "مدتے در سرزمین ایران بسر بردہ بودند و ہرچہ نوشتہ است مسلم است"۔ اور منشی ٹیک چند بہار کی بہارِ عجم کے بارہ مین یہ سنا کہ "در ایران متداول است و در ماخذش کلامے نیست"؛

راقم نے جہان تک اہلِ ایران سے مدتون گفتگو کی تو اہلِ ہند کے فارسی دانون کی نسبت زیادہ تر اہلِ عجم کو متعصب پایا چنانچہ یہ نقل یادگار ہے، راقم کا کلکتہ جانا آنا اکثر ہوا کرتا ہے، اخیر دفعہ سال گذشتہ گیا تھا اور تقریباً پینتیس۳۵ سال ہوئے جب مین کلکتہ گیا تو

ایک فارسی مثنوی فغان دلکش نام جو راقم کی تصنیف سے ہے اور اس سے تازہ چھپی تھی ہمراہ لیتا گیا، جناب نواب محمد علی خان صاحب مرحوم انجم تخلص رئیس شیخ پورہ اس زمانہ مین گول کوٹھی (کولہ ٹولہ) مین فرود تھے، مین بھی وہین اترا، شمس العلما مولانا شیخ محمود جیلانی مرحوم کا دولت خانہ اُسی محلہ مین تھا، دوسرے دن شام کو مین اور نواب صاحب ممدوح ان سے ملنے کو گئے،

اتفاق سے سفیرِ ایران ناصرالدین شاہ شہید سابق شہنشاہِ ایران کی طرف سے حضور لیڈی ڈفرن کے لیے تمغہ لائے تھے، شیخ صاحب کے یہان اس دن سفیر ممدوح کی دعوت تھی، تمام اعیانِ ایران ساکنینِ کلکتہ جمع تھے، اس مجمع مین مرزا محمد باقر شیرازی کو دیکھکر جی خوش ہوگیا، یہ میرے قدیم دوستون مین تھے، شیخ صاحب نے راقم کو سفیر سے ملایا اور چند کلمے میرے خاندان اور میری نسبت اپنی دیرینہ محبت سے ارشاد کئے، مین شیخ صاحب کے لیے مثنوی فغان دلکش لیتا گیا تھا وہ شیخ صاحب کو دی تو شیخصاحب نے پوچھا "این چہ کتاب است" مین نے کہا کہ "مثنوی است کہ گفتۂ بندہ است تازہ چاپ شدہ"، مثنوی کا نام آنا تھا کہ مرزا محمد باقر چونکے اور پوچھا "این مثنوی در زبان ہندی است" مین نے کہا "نہ خیر در فارسی است" تو کہا "مال آقا ست" مین نے کہا "بلے" آپس مین شیخ صاحب کے اور مرزا باقر کے باتین ہونے لگین مرزا محمد باقر بولے کہ "بعد از نظامی و امیر خسرو بجز چند اہل ایران کسے دعوی مثنوی گفتن نماید محل خندہ است چہ جا کہ اہل ہند" اگرچہ باتین آہستہ ہوئین مگر مین نے سن لین، مین نے کہا کہ "مثنوی مولوی معنوی آقا چہ طور است و بوستان سعدی شاہنامہ فردوسی، سبحۃ الابرار جامی، لیلی مجنون، انیس المسافرین میر حسن، اور کئی مثنویون کا مینے نام لے کر کہا کہ "ایہا مگر مثنوی نیستند؟" دونون صاحب کہنے لگے کہ "گفتگو در مثنوی ہائے اہل ہند است"

این ہا کہ ہمہ ایشان از ماہستند۔" مین نے کچھ سوچکر پوچھا کہ کلامِ مفتی میر عباس را ملاحظہ کردہ؟" کہنے لگے" کدام مفتی آنکہ در مٹیا برج است و لکھنوی است" مین نے کہا" بلے ہمین مفتی" تو کہنے لگے" د خیر اما شنیدم طبع شعر ہم دارد"

پھر مین نے شیخ بہائی علیہ الرحمۃ کی مثنوی نان و حلوا کا ذکر کیا تو بہت تعریف شروع کردی مین نے موقع پا کر نان و حلوا کے شعر کو پڑھنا شروع کئے، ساری صحبت کو متوجہ پایا تو شیخ کے اور یہ چند اشعار پڑھے،

شب کہ بودم با ہزاران کوہ درد   سر بزانوئے غمش بنشستہ فرد
جان بلب از حسرت گفتار او   دل پر از نامیدی دیدار او
آن قیامت قامتِ پیماشکن   آفتِ دوران بلائے مرد و زن
از درم ناگہ بر آمد بے حجاب   لب گران وز رخ بر افگندہ نقاب
کاکلِ مشکین بدوشش انداختہ   وز نگاہ کارِ عالم ساختہ

صحبت پر اثر ہو گیا اور سب کے سب" آفرین بہ بہ" کہنے لگے مین نے وہین سے مفتی صاحب کی مثنوی من و سلوا کے اشعار کا جوڑ لگایا،

خامش اے دل نغمہ سازی تا بہ کے   در فرے بانگ حجازی تا بہ کے
پیشِ نادان خواندن تنزیل ہیچ   مردہ دل را صور اسرافیل ہیچ
کور را نمودن آئینہ چیست   گاؤ خر را دادن نوربینہ چیست
کس درینجا ہم زبانم نیست حیف   محرم رازِ نہانم نیست حیف

ساری صحبت جب تعریف کرنے لگی تو اس کے ساتھ مین نے اُستاد علیہ الرحمہ کے اشعار کا جو اس بحر رمل مثنوی مین ہے جوڑ لگایا،

خوش نوا سنجان عہد پاستان | پردہ ہا سنجیدہ انداز داستان
در بیان خوب و زشت روزگار | نو بنو افسانہائے تازہ کار
نوک ریزہ خامہ خود کردہ اند | درج نامی نامہ خود کردہ اند
نکتہ ہائے گوہر افشان دیدہ ام | خود عیار نکتہ ہا سنجیدہ ام
اے خوشا فرخندہ ایامے کہ بود | ارجمند آن نامہ و نامے کہ بود
تا بنام خسروان شد نامہا | نام شاہان را رقم زد خامہا
نامور گشتند گم نامان بسے | یافت سامان بے سر و سامان بسے
اے بسا فرمان وہان سبز بخت | کز گذرگاہ جہان بر دند رخت

غرض ساری صحبت متاثر ہو گئی اور سفیر صاحب کہنے لگے "حق این است کہ باین سلامت و غدبت بجز اہل ایران دیگران کلام کردنی دانند" تب میں مرزا باقر کی طرف متوجہ ہوا اور کہا "شنیدی آقا اینہا خواندم چہ طور بود" کہنے لگے ہمین را گویم کہ این چاشنی ہائے فارسی را اہل ہند نمی دانند" تب مین شیر ہوا اور کہا کہ جناب آقا این شعر ہا کہ خواندم یعنی خاتش الخ از کلام ہمان مفتی میر عباس ہندی بود واز خوش نوا سنجان بے آخر کلام استاد بندہ حضرت فریاد عظیم آبادی است"

بات از تیر کمان جستہ ہو گئی تھی تردید ناممکن تھی کہنے لگے "بلے من کلا اہل ہند را نمی گویم بعض آنہا چنانچہ خواندی خیلے مثل ما ہا سلاست نمکینی زبان دارند"

اس صحبت میں مٹیا برج کے اہل لکھنو بعض حضرات متعصب بھی بیٹھے تھے انھوں نے مرزا غالب کا ذکر کیا، اس پر مرزا باقر نے کہا کہ "کلامش برائے اہل ہند خوب است دیوانش دیدہ ام نہ پسندیدیم" مٹیا برج کے ان صاحب نے تو غضب ہی کیا کہنے لگے

مجھکو تو ایک شعر بھی مطابقِ قاعدہ نہ معلوم ہوا، دوسرے صاحب بولے خصوص اردو زبان پر تو غالب نے چھری پھیری ہے، مجھ کو برا معلوم ہوا، مجھ سے رہا نہ گیا، مین نے مرزا کے بعض فارسی سلیس شعر پڑھکر سنائے، اس کے جواب مین ان صاحب نے چار پانچ شعر اس کے برخلاف پڑھے، پھر ان کے اردو کے پیچیدہ ترکیب کے اشعار پڑھے سفیر صاحب کہنے لگے " العجب بابا اینکہ نہ فارسی است نہ اردو" موقعِ گفتگو نہ رہا مین رخصت ہوا،

مذکورالصدر واقعہ کے بیان کرنے سے راقم کا مقصد اسی قدر ہے کہ گو اہل عجم متعصب ہین لیکن ہمارے حضرت کے کلام نے ان سے بھی قبولوا دیا کہ سلاست و شیرینی مین اساتذۂ عجم سے کم نہین ہے، ایسے موقعے بارہا مجھکو ملے کہ بغیر نام کا پہلے اظہار کئے اہل عجم کے سامنے حضرت کا کلام پڑھا جس نے سنا یہی کہا کہ اساتذۂ عجم کا کلام ہے بعض نے نام ظاہر کرنے پر بھی یقین نہ کیا اور قسمیہ کہا " حاشا این مال ہندی نیست"

مجھے حضرت علیہ الرحمہ کے کلام کے بارہ مین جو کچھ عرض کرنا ہے وہ باب ہفتم مین عرض کرونگا، اس جگہ حضرت کے کمال کا ذکر آگیا تھا تو مختصراً و مجملاً کچھ عرض کر دیا، اب اصل مطلب کی جانب رجوع ہوتا ہون،

حضرت کا قیام بنگالہ مین اڑتیس سال رہا، بارہا حضرت کی زبانِ مبارک سے یہ سنا کہ باوجودیکہ مین اڑتیس برس بنگالہ مین رہا، مگر جو زبان (اردو) اپنے ساتھ لیتا گیا تھا ساتھ لایا، بنگالہ اور بنگالیون کا کوئی اثر میری زبان پر نہ ہوا، منجملہ اڑتیس سال کے تین سال تو مرشدآباد مین مسلسل گذرے اور پینتیس ۳۵ سال کلکتہ مین، چنانچہ جواہر منتخب کے ضمیمہ مین درج ہے کہ " حضرت فریادسی و پنج سال از عمر گرانمایہ خود بہ کلکتہ بسر بردہ " یعنی ۱۸۳۹ء مین مرشدآباد دوبارہ تشریف لے گئے اور ملازمت قبول فرمائی ۱۸۴۲ء مین بعہدۂ نیابت

وسفارت کلکتہ تشریف فرما ہوئے، اور ۱۸۷۴ء مین اخیر دفعہ عظیم آباد تشریف لائے اور ۱۸۸۱ء مین سات سال کے بعد یہین انتقال فرمایا،

زمانہ قیام کلکتہ کے حالات جو راقم تحریر کریگا، وہ تو کچھ خود حضرت کی زبانی سنے تھے، اور زیادہ تر حضرت کے شاگرد رشید مولانا عبد الرؤف وحید سے سنے تھے، جبتک مولانا زندہ رہے اور جب جب راقم کلکتہ جاتا رہا تقریبًا روزانہ مولانا سے ملاقات ہوتی تھی اور ہر ملاقات مین پہرون حضرت ہی کا تذکرہ رہتا تھا اور ہم دونون آدمیون کو اس مین خاص دلچسپی تھی، علاوہ ازین کچھ باتین راقم کی چشم دید بھی ہین،

۱۸۷۱ء مین راقم پہلی دفعہ جب کلکتہ گیا اور دو ماہ وہان قیام رہا تو اس زمانہ مین حضرت کلکتہ مین تشریف فرما تھے، حضرت ۱۸۴۲ء مین جب بعہدۂ نیابت وسفارت کلکتہ تشریف لائے تو یہ زمانہ لارڈ ایلنبرا کا تھا، ان سے اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے بورڈ آف ڈائرکٹرس سے ناموافقت ہوئی اور اس لیے ۱۸۴۴ء مین اندرون مدت پنج سالہ ان کو واپس بلالیا اور ان کی جگہ لارڈ ہارڈنگ کو یعنی (جد لارڈ ہارڈنگ جو ۱۹۱۴ء مین ویسرائے ہند تھے) گورنر جنرل ہند کے عہدہ پر بھیجا،

لارڈ ایلنبرا اور لارڈ ہارڈنگ اول مین عزیزداری تھی، لارڈ ایلنبرا سے اور ہمارے حضرت سے بڑی موافقت ہو گئی تھی، اسلیے انگلستان واپس جاتے وقت ہمارے حضرت کو لارڈ ہارڈنگ سے بطور خاص ملایا چنانچہ لارڈ ہارڈنگ بھی بڑے دوست ہو گئے تھے، حضرت فرماتے تھے، لارڈ ہارڈنگ بڑی خوبیون کے آدمی تھے یہی وجہ تھی کہ وہ لارڈ ہارڈنگ بھی جو ۱۹۱۱ء لغایتہ ۱۹۱۵ء ویسرائے ہند تھے مثل اپنے دادا کے ہند مین نیک نام و ممدوح خلایق رہے،

ہمارے حضرت سفیر و نائب السلطنۃ سولہ سال رہے، اس عرصہ مدت مین کئی گورنر جنرلون سے مثلاً لارڈ منٹو (جنکے پوتے نے لارڈ ہارڈنگ ثانی کو ۱۹۱۱ء مین عہدۂ وسیرائے کا جائزہ دیا) اوران کے بعد والے گورنرون سے بھی سابقہ رہا کیونکہ سفارت کا کام گورنر جنرلون سے رہتا تھا، علاوہ عہدہ کے تعلق کے خانگی حیثیت سے بھی گہرے تعلقات تھے، مگران سب گورنرون سے زیادہ تر تعلق و مراسم واتحاد لارڈ ہارڈنگ اوّل سے رہا ان کی توصیف مین حضرت نے مدحیہ ایک قصیدہ بھی کہا تھا، جس کے چند اشعار باب ہفتم مین درج کرونگا،

حضرت نے اپنے عہدہ کے کارہائے مفوضہ نہایت حسن وخوبی سے انجام دیئے، اور زمانۂ سفارت مین مرشدآباد بھی اکثر جانے کا اتفاق ہوتا تھا، مگر وہ بھی مہینے بیس دن کے لیے چونکہ ٹارنس صاحب حضرت کے دلدادہ شاگرد تھے؛ اسلیے حضرت کے ہرایک پیش کردہ معاملہ مین ان کی تائید پہنچتی رہتی تھی جسکی وجہ سے اکثر درباری حضرت سے حسد کرتے اور آتشِ رشک مین جلتے،

گو ہمارے حضرت ایک معصوم صفت فرشتہ خصال اور راست گو شخص تھے اور ہمیشہ حضرت کا اصول مرنج دمرنجان اور مشرب صلح کل تھا لیکن بعض افراد

نیش عقرب نہ ازپئے کین است   مقتضائے طبیعتش این است

کے مصداق تھے لگائی بجھائی اور سازشون مین طاق تھے، نواب ناظم کے کان بھرا کرتے، مگر جب تک ٹارنس صاحب زندہ رہے ان چیزون کا کوئی اثر نہ ہوا،

ٹارنس صاحب کا انتقال بعارضۂ ہیضہ یک بیک ہوگیا، یہ بھی عجیب بات تھی کہ جبکہ ٹارنس صاحب لکھنؤ کے رزیڈنٹ مقرر کیے گئے اور اتفاق سے ہمارے حضرت اس وقت مرشدآباد گئے ہوئے تھے ٹارنس صاحب نے خوش ہوکر ہمارے حضرت کو یہ مژدہ

سنایا اور کہا کہ اب اپکو مین لکھنؤ لیچلونگا، وہان شعرا اور باکمال بکثرت ہین آپ کا دل لگے گا، اس واقعہ کے دوسرے روز ان کا انتقال ہوگیا، جس نے حضرت کو بہت آزردہ و ملول، دل شکستہ و غمگین کیا،

اب تو غمازون کے لیے راستہ بھی صاف ہوگیا تھا، بعض باتین حضرت کے خلاف طبع بہم گذرین، حضرت نے استعفا بھیجدیا، اگرچہ نواب ناظم نے داراب علی خان نواب ناظر کو حضرت کے پاس بھیجکر حضرت کی بہت کچھ دلدہی کی اور فرمایا کہ جو کچھ غلط فہمی ہوئی اسکا انسداد کردیا جائے گا، لیکن حضرت بہت ہی نازک مزاج اور خاص اصول کے آدمی تھے، ایک نہ سنی اور ایک نہ مانی، اس جلیل القدر عہدہ سے سبکدوش ہوگئے،

روائیل ایشیاٹک سوسائٹی کی بنیاد لندن مین ۱۸۲۳ء مین قائم ہوئی اور چند سال کے بعد اسکی ایک شاخ کلکتہ مین کھولی گئی جو اب تک قائم ہے، کلکتہ کا حضرت کا ابتدائی زمانہ تھا، حضرت بھی اس کے ایک رکن منتخب کیے گئے، روائیل ایشیاٹک سوسائٹی کے بعض یورپین فارسی دان ممبرون کی اور حافظ احمد کبیر صاحب امین مدرسہ کلکتہ کی فرمائش پر تاریخ نادری مصنفہ مرزا مہدی خان کوکب کا دیباچہ نظم و نثر مین حضرت نے تحریر فرمایا جو کتاب کے ساتھ چھپایا گیا تھا اسکی نقل اس کتاب مین بھی باب ہفتم کے اخیر مین لکھونگا، جس سے حضرت کی انشا پردازی نثر کا نمونہ دکھانا منظور ہے،

حافظ احمد کبیر صاحب کا اس مقام پر نام آگیا ہے، یہ بڑے پایہ کے با اثر شخص تھے، پبلک اور گورنمنٹ دونون مین معزز و ممتاز تھے امین مدرسہ عالیہ کلکتہ کا بہت بڑا عہدہ اس زمانہ مین تھا، جسکو اب پرنسپل کہتے ہین،

آپس کا نفاق و رشک و حسد مسلمانون کا ہمیشہ سے شیوہ رہا، ساری تاریخ اسلام

کی ہانکے پکارے اسکی تصدیق کر رہی ہے، اگر مسلمانون مین یک جہتی و اتفاق ہوتا تو آج یہ حالت نکبت آگین نہ ہوتی قصہ مختصر کہ کلکتہ مین بھی اس زمانہ مین دو پارٹیان مسلمانون کی ہوگئی تھین، ایک پارٹی کے لیڈر حافظ احمد کبیر صاحب تھے، اور دوسری کے لیڈر مولوی سید کرم حسین خان مرحوم بلگرامی یعنی پدر مولوی زین الدین حسین خان مرحوم سابق ڈپٹی کلکٹر و پدر مولوی سید حسین بلگرامی مخاطب بہ نواب عماد الملک حیدرآبادی،

سید کرم حسین خان مرحوم اس زمانہ مین سلطنت اودھ کی جانب سے سفیر و نائب السلطنة تھے، جس طرح ہمارے حضرت نظامت بنگالہ کی طرف سے تھے، لیکن ہمارے حضرت کو ان دونون پارٹیون مین سے کسی سے سروکار نہ تھا اور ہر دو پارٹی کے قائدین و ارکین حضرت کو عزیز رکھتے تھے حضرت عہدہ مین مولوی کرم حسین خان مرحوم کے ہم پایہ تھے لیکن عمر مین بہت چھوٹے تھے، مولوی کرم حسین خان مرحوم کے دو فرزند تھے مولوی اعظم اللہ حسن خان و مولوی زین الدین حسین خان، ہمارے حضرت مولوی زین الدین حسین خان کے ہمعمر تھے مگر مولوی کرم حسین خان صاحب حضرت کا بڑا احترام و اعزاز کرتے تھے،

ان پارٹیون کا سلسلہ عرصہ دراز تک رہا، کرم حسین خان صاحب کے انتقال کے بعد ان کے جانشین نواب سید امیر علیخان مرحوم ہوئے، اور حافظ احمد کبیر کے انتقال کے بعد ان کے جانشین نواب بہادر نواب عبد اللطیف خان ہوئے اور یہ دونون صاحبان ہمارے حضرت کے شاگرد تھے، حضرت نے بڑی کوشش کی کہ ان دونون کو آپس مین ملا دین، اور بظاہر حضرت کے خیال سے مل گئے تھے مگر دلی کاوشین آخر دم تک رہین،

نواب امیر علیخان بہادر کے انتقال کے بعد ان کی پارٹی کے لیڈر رائٹ آنرایبل مسٹر سید امیر علی بالالقابہ (حال ممبر پریوی کونسل) ہوئے نواب عبد اللطیف خان نے لبرٹی

سوسائٹی (انجمن مذاکرۂ علمیہ) پہلے سے قائم کردی تھی مسٹر موصوف نے محمڈن نیشنل ایسوسی ایشن قائم کیا،

مختلف زمانون مین مختلف پریسیڈنٹ (صدر انجمن) ان دونون انجمنون کے رہے پینتیس سال پیشتر جب راقم کلکتہ گیا تھا تو لٹریری سوسائٹی کے صدر انجمن پرنس سرجہان قدر مرزا شہزادہ اودھ اور نیشنل ایسوسی ایشن کے صدر پرنس فیروز شاہ شہزادہ خاندان میسوریہ تھے لٹریری سوسائٹی کے سکرٹری نواب عبداللطیف خان اور محمڈن نیشنل ایسوسی ایشن کے سکرٹری مسٹر امیر علی تھے، ہردو انجمن کے ممبر سیکڑون معزز مسلمان تھے، امیر علی صاحب نے اپنی انجمن کی شاخین اور بڑے شہرون مین بھی قائم کی تھین،

حضرت سے کے زمانۂ قیام کلکتہ مین دونون انجمنون کے اراکین حضرت کا احترام کرتے تھے، گورنمنٹ مین بھی حضرت کا بڑا اثر و اعزاز تھا، اب تو حاکم بنگالہ کو گورنر کہتے ہین، اس کے قبل چند سال پیشتر تک لفٹنٹ گورنر کا لقب تھا اور اس کے پیشتر ڈپوٹی گورنر کے لقب سے ملقب ہوتا تھا، ڈپوٹی گورنرون مین سرولیم میڈاک سے اور لفٹنٹ گورنرون مین سر فریڈرک ہلیڈے جو پہلے لفٹنٹ گورنر ہوئے اور پھر سر جورج کیمبل سے اور ہمارے حضرت سے بہت ہی مخلصانہ برتاؤ تھا، بعض لوگون کو ڈپوٹی کلکٹری کے عہدے دلوائے، حضرت چونکہ مجسم نیکی تھے بہت سے لوگون کو سفارشین کر کے روٹی سے لگا دینا ان کا مسلک تھا، اور جس عہدہ دار سے سفارش فرماتے کبھی رائگان نہین جاتی یہی وجہ تھی کہ نواب بہادر نواب عبداللطیف خان نے اپنی سوانحعمری مین حضرت کے متعلق یہ الفاظ انگریزی کے استعمال کئے ہین۔

"ہوِی ول نون آتھر اینڈ اسکالر دی موسٹ لرنڈ اینڈ دی موسٹ انفلوئنشیل ممبر آف دی

محمڈن کمیونٹی آف کلکتہ" یعنی مشہور مصنف و عالم اور مسلمانانِ کلکتہ مین سب سے بڑھ کر با اثر اور علم مین سب سے زیادہ بڑے ہوئے،

یہ معمولی الفاظ نہین ہین، اور فخر الملک وزیر السلطان کا اپنی کتاب امیر نامہ مین حضرت کو مدظلہم العالی کے الفاظ سے یاد کرنا بذات خود بڑی دلیلین حضرت کے وقار وغیرہ کی ہین، کلکتہ مین حضرت کو دس بارہ سال گذر چکے تھے کہ حضرت کی دور بین نگاہون نے مسلمانون کی عام جہالت کا خیال کر کے اخبار آئینۂ گیتی نما نظم و نثر مین نکالنا شروع کیا مشرقی زبان مین انڈیا بھر مین یہ پہلا اخبار تھا، کئی سال حضرت نے تنہا اپنے جیب خاص سے اسکو چلایا اور جاری رکھا، اس کے بند ہونے کے بعد حضرت ہی کے مشورہ سے حضرت کے شاگرد اور احباب نے سلطان الاخبار ۱۸۶۵ء مین نکالا پھر اخبار دوربین نکلا، ان سب اخبارون مین حضرت کی نظمین اور نثر کے مضامین رہا کرتے تھے، افسوس یہ ہے کہ ان اخبارون مین پرانے فائل اگر ملجاتے تو اس وقت حضرت کا کلام معتدبہ تعداد مین ہمارے پاس ہوتا،

حضرت کی وارستہ مزاجی و طبعی استغنا نے کبھی کلام کو جمع و محفوظ کرنے نہ دیا اور جو کچھ لکھتے مسودہ بھیج دیا کرتے، ان اخبارون کے معدوم ہونے کے کچھ عرصہ کے بعد مولوی کبیر الدین احمد اردو گائیڈ نکالنے لگے تھے،

کلکتہ مین جو زمانہ حضرت کے عروج کا تھا، اس زمانہ مین حضرت واجد علی شاہ اخیر شاہِ اودھ کو انگریزون نے لکھنؤ سے لا کر کلکتہ کے قلعہ سنٹ فورٹ ولیم مین نظر بند رکھا، پھر ایک رقبہ زمین کئی میل مکسر موسوم بہ گارڈن ریچ مشہور مٹیا برج بادشاہ کی اور انکی بیگمون اور مصاحبون وغیرہ کی سکونت کے لیے دیا جہان بادشاہ نے بہت سی کوٹھیان، عجائب خانے خوش خانے

پر فضا باغات بنوائے اور اس چھوٹے سے رقبۂ زمین کو اس قدر آراستہ کیا کہ گلدستہ بنگیا تھا بادشاہ کی سکونت کے بعد سے اہل لکھنؤ ہر پیشہ وفن کے مٹیا برج مین جمع ہونے لگے بہت سے اہل کمال وشعرا نے بھی مٹیا برج مین سکونت اختیار کر لی تھی جنمین سے اکثر شاہی ملازمت مین تھے اور بعض خوش باش تھے،

یون تو تقریبًا کل شخصین لکھنؤ کے جو مٹیا برج مین تھے حضرت سے واقف تھے مگر بعض حضرات سے بہت ہی گہرا تعلق اور اتحاد تھا، مثلاً نواب سر علی نقی خان بہادر جی، سی ایس، آئی، سابق وزیر اودھ مصلح السلطان نواب انجم الدولہ، آفتاب الدولہ، قلق جلیس الدولہ، عیش گلشن الدولہ بہادر نواب باقر علی خان رسان السلطنۃ بادشاہ کے پھوپھا بھی ہوتے تھے، ان مین سے مخصوص تین صاحبون نواب علی نقی خان، انجم الدولہ، اور نواب باقر علی خان سے بہت ربط تھا،

ہر اتوار کو حضرت اپنے دولتخانہ اثنا ئی سے مٹیا برج تشریف لیجاتے اور دن بھر وہین قیام فرماتے، ایک اتوار نواب علی نقی کے ہان، ایک اتوار کو انجم الدولہ بہادر کے ہان اور ایک اتوار کو نواب باقر علی خان مرحوم کے ہان، دوپہر کا اور شب کا خاصہ وہین تناول فرماتے شب کو نو بجے مٹیا برج سے واپس آتے،

جس وقت حضرت نواب علی نقی خان کے ہان تشریف لیجاتے تو مسند کے داہنی جانب حضرت کو بٹھاتے، شام کی صحبت مین بہت سے لوگ عمائدین وشعرا وغیرہ، نواب صاحب موصوف کے ہان حاضر رہتے، ایک دن کا ذکر ہے کہ حضرت کی طرف اشارہ کر کے نواب علی نقی خان بہادر نے حاضرین صحبت کو بآواز بلند مخاطب کر کے فرمایا کیون صاحبو آپ نے اس کمال و وقار کا بھی کوئی شخص لکھنؤ یا کلکتہ مین کہین دیکھا، جملہ حاضرین نے باستثنا ایک

صاحب کے نفی مین جواب دیا، لیکن ایک صاحب نے کہا کہ لکھنؤ کے فلان صاحب کو دیکھا، یا حضرت شاہ صاحب قبلہ کو دیکھا، اس پر سے نواب صاحب نے ذرا چڑھ کر سرکہ بابرو ہو کر فرمایا، آپ بڑے جوہر شناس ہین،

جب کہ نواب علی نقی خان بہادر نے حضرت واجد علی شاہ سے حضرت کو ملایا تو ہمارے حضرت نے نذر نہین دی، بلکہ اپنے خاندان کے دستور کے موافق ایک تسبیح خاکِ پاک کی بادشاہ کی خدمت مین پیش کی اور فرمایا کہ محمود تغلق سے لیکر بعض سلاطین مغلیہ نے میرے اجداد کو نذرین دی ہین، اسی وجہ سے جب تک نظامتِ بنگالہ کی سلکِ ملازمت مین رہا، نواب ناظم بہادر کو مین نے نذرین نہین دین، نہ ہمایون جاہ کو دین، نہ فریدون جاہ کو دین،

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ غالباً عشرۂ محرم کا زمانہ تھا، کہ حضور عالم نواب علی نقی خان بہادر نے حضرت سے فرمایا، آپکے ہموطن راسخ مرحوم کا یہ مطلع جو انھون نے میر تقی میر کی فرمائش پر لکھنؤ مین فی البدیہہ کہا تھا،

ہوئے ہین ہم ضعیف اب دیدنی رونا ہمارا ہی   مژہ پر اپنے آنسو صبحِ پیری کا ستارا ہی

مجھے بہت پسند آیا آپ اس وقت سلام کا ایک مطلع ارشاد فرمائیے، حضرت نے اوسی وقت یہ مطلع موزون کر کے سنایا،

غم شبیر مین کیا جان فزا رونا ہمارا ہے   کہ ہر قطرہ مژہ پر صبحِ جنت کا ستارا ہے

حاضرین وجد کرنے لگے،

میر احمد صاحب سوزخوان جو عظیم آبادی تھے جنکا ذکر باب دوم مین آچکا ہے لیکن عرصۂ دراز تک لکھنؤ مین رہے اور حضرت واجد علی شاہ کی معزولی کے بعد لکھنؤ آ گئے تھے فن موسیقی مین بڑے کامل تھے، یہ حضور عالم کے ہان ملازم ہو گئے تھے، چونکہ خود حضور عالم

نواب علی نقی خان کو موسیقی مین بڑا دخل تھا میر صاحب کے بڑے قدر دان تھے، جب ہمارے حضرت نواب صاحب کے ہان تشریف لیجاتے تو میر احمد صاحب بھی صحبت مین رہتے جبکہ چند آدمی صحبت خاص کے رہتے تو موسیقی کا چرچا ہوتا، ہمارے حضرت نے موسیقی میر احمد صاحب سے سیکھی اور ایک رسالہ بھی اس پر لکھا تھا حضرت فرماتے تھے کہ کلکتہ مین جب ایک مکان مین آگ لگی جہان اور گرانبہا کتابین اور تصانیف میری نذرِ آتش ہوئین، موسیقی والا رسالہ بھی جلا،

شہزادگان میسور یہ مین شہزادہ غلام محمد مرحوم ٹیپو سلطان کے سب سے چھوٹے فرزند سے اور شہزادہ بشیر الدین توفیق جو بڑے باکمال شخص تھے بہت اتحاد و دوستانہ تھا شہزادہ بشیر الدین مرحوم جینسورہ عرف چیچڑہ مین لب دریائے گنگ کلکتہ کے قریب جو قصبہ ہے رہا کرتے تھے، اور اکثر کلکتہ آتے تھے، اور جب کلکتہ آتے تو ہمارے حضرت کے مہمان ہوتے، ایک دفعہ حضرت کو معہ بیگم صاحبہ و ملازمین وغیرہ چیچڑہ بلا کر اپنا مہمان بھی رکھا کوئی ایک ہفتہ حضرت وہان رہے، اسی طرح مولانا کرامت علی مرحوم سابق متولی ہوگلی نے بھی جنکا ذکر خیر اوپر آچکا ہے ایک عشرۂ محرم ہوگلی مین کرنے کے لیے حضرت کو معہ بیگم صاحبہ و ملازمین وغیرہ ہوگلی بلا کر اپنا مہمان رکھا اور ایک بڑی کوٹھی حضرت کے رہنے کو دی،

حضرت کا کلکتہ کا ابتدائی زمانہ وہ تھا کہ مسلمانانِ ہند من حیث قوم پولیٹکل جدو جہد سے بالکل نا آشنا تھے بلکہ ایسے خیالات سے اس قدر خائف رہتے تھے کہ ایسے خیالات کو باغیانہ تصور کرتے تھے، مذہبی جوش و قومی زندگی کی چھاؤن تک ان مین نہ تھی، حکامِ وقت سے حقوق طلبی بھی ایک فعل مجرمانہ تصور کیا جاتا تھا، اشاعت و ترویج تعلیم عامہ کے فوائد سے بالکل بے بہرہ تھے، یہ ظاہر ہے کہ خیالات مذکور الصدر کا دماغ مین

ہونا بڑی روشنخیالی کی دلیل ہے اور ایسے خیالات اعلیٰ تعلیم اور اعلیٰ صحبت سے پیدا ہوتے ہین
قومی نکبت آگین حالت کو حضرت نے اچھی طرح محسوس کر لیا تھا حضرت اپنے اُس وقت
کے شاگردون مثلاً مولوی عبید اللہ عبیدی مولنا عبدالرؤف وحید مولوی معین الدین احمد،
قاری عبدالباری وغیرہ سے فرمایا کرتے تھے تاوقتیکہ تعلیم عام نہ ہوگی ہماری قومی حالت سدھر
نہین سکتی، چنانچہ ان کے عمل سے ان کے خیالات پر روشنی پڑتی ہے،

انڈیا مین سب سے پہلے مشرقی زبان مین جو اخبار نکلا وہ حضرت ہی کا اخبار آئینہ گیتی نما
تھا، اس کے بعد کے بھی دو اخبار سلطان الاخبار اور دوربین حضرت کے مشورہ سے نکلے،

انجمن اسلام کلکتہ کی بنیاد ۱۸۵۵ء مین حضرت نے بمشورہ چند رفقا و تلامیذ ڈالی ۱۸۶۳ء
مین انجمن مذاکرۂ علمیہ بنا کردہ نواب بہادر نواب عبد اللطیف خان سی، ائی، ای، کے بڑے
سرگرم حامی تھے، اسی زمانہ مین انجمن اسلام کلکتہ کے تحت ایک کمیٹی چند نامور قابل و فاضل
مسلمانون قاضی القضاۃ مولوی عباس علیخان وغیرہ ارکین کی اس غرض سے قائم فرمائی
کہ کمیٹی مذکور ایک مضمون کسی مفید موضوع پر نامزد و مقرر کرے اور بذریعہ اشتہار مشتہر کیا جائے،
لوگ مضامین لکھکر بھیجین ارکین کمیٹی مذکور جس کے خود بھی ایک رکن تھے وہ تمام مضامین
جانچتے جسکا بہترین مضمون ہوتا اس کو انعام ملتا، ایک اشرفی سولہ روپیے کی دیجاتی تاکہ علم
کا چرچا اور مشغلہ بڑھے،

اسی طرح ماہانہ جلسون مین اس انجمن اسلام کے اور انجمن مذاکرۂ علمیہ کے بھی ارکین
مضامین جو لکھ کر لیجاتے وہ پڑھا کرتے ہر جلسہ مین مضمون منتخب کیا جاتا اور دوسرے جلسہ مین
اس پر مضامین پڑھے جاتے یا ارکین تقریر کرتے اور پھر مباحث ہوتے،

اپنے مکان مین چھوٹے پیمانہ پر دارالاقامہ طلبا کے لیے قائم رکھا تھا چاٹگام وڈھاکہ

وغیرہ سے جو طلبا آتے تھے ان کو مفت سکونت کے لیے جگہ اور دو وقت غذا اپنے ذاتی صرفہ سے دیتے اور خود پڑھاتے، طلبا کی تعداد دس مقرر رکھی تھی، ان مین سے جب کوئی فارغ التحصیل ہو کر یا اور کسی وجہ سے چلا جاتا تو دوسرے کو جگہ دیجاتی' ایک رجسٹر مین امیدوارون کے نام درج کئے جاتے، بلحاظ سلسلہ و مدت امیدواری جگہ دیجاتی اصطلاحاً اسکو طلبہ کی جاگیر کہتے تھے'

جب کہ ۱۸۸۱ء مین راقم پہلی دفعہ کلکتہ گیا تو حضرت کی زندگی کا دستورالعمل روزانہ اس طرح دیکھا، یہ وہ زمانہ تھا کہ حضرت نظامت کی خدمت سے سبکدوش ہو چکے تھے اور بالکل خانہ نشین تھے، انگریز عہدہ دارون سے بھی بہت کم ملتے تھے، دو ڈھائی بجے جبکہ تقریباً نصف شب باقی رہتی کہ حضرت بیدار ہوتے چوکی پر جاتے' اس کے بعد وضو کر کے نماز تہجد ادا فرماتے، ڈنڈ پیلتے اور کچھ ہاتھ مگدر کے ہلاتے، موم بتی کا لالہ روشن رہتا' اسکی روشنی مین کلام مجید تلاوت فرماتے' وہ صبح کاذب کا وقت رہتا' صبح کی سفیدی عیان ہونے تک تلاوت مین مصروف رہتے' اس کے بعد چائے کی کشتی آتی، ایک ملازم چار بجے سے اٹھکر چائے و ناشتہ تیار کرتا' ناشتہ مین صرف نان پاؤ کے دو ٹکڑے ٹوسٹ کئے ہوئے' دو انڈے نیم جوش اور دو پیالیان چائے کی بغیر شیر نوش فرماتے' پھر صبح کی نماز پڑھتے' نماز سے فارغ ہونے کے بعد گاڑی آتی سوار ہو کر قلعہ کے میدان کی طرف تشریف لیجاتے، وہان گاڑی سے اتر کر خرامان خرامان تقریباً سارے میدان مین پھرتے' جب آفتاب نکلنے لگتا گاڑی مین سوار ہو کر اپنی کوٹھی پر واپس تشریف لاتے،

مکان مین جو کمرہ حضرت کی نشست گاہ کا تھا، گاؤ تکیہ کے سہارے مسند پر بیٹھتے اور پیچوان حقہ بردار لاکر رکھدیتا' پیچ حضرت کے ہاتھ مین رہتا، اور درس لینے والے اور ملنے والے آنا شروع ہوتے، حلقۂ درس مین بڈھے جوان سب ہی رہتے' کبھی ایک کو کبھی دو کو

خود سبق پڑھاتے چند سطروں میں گھنٹوں صرف کرتے، اگر کوئی شخص برابر والا ملنے کو آتا اور حقہ بھی پینے والا ہوتا تو دوسرا حقہ منگواتے، اپنا پیچوان کسی کو نہ دیتے، صبح کے سات بجے سے دن تک شغل درس رہتا اور پھر وہ صحبت برخاست ہوتی، خود یا تو کتب بینی کرتے رہتے یا تصنیف وتالیف میں مصروف ہو جاتے،

بارہ بجے اندر محل میں تشریف لیجاتے، دو گھنٹے استراحت فرماتے، دو بجے اٹھکر چوکی پر جاتے، پھر وضو کر کے نماز ظہر پڑھتے اور کچھ وظائف پڑھتے، تین بجے دسترخوان بچھتا، ایک زمانہ سے حضرت صرف ایک خاصہ تناول فرمانے لگے تھے، چار بجے دیوان خانہ میں باہر تشریف لاتے، اعیان وارکان وشرفائے شہر اس وقت سے لیکر شام کے چھ بجے تک آتے جسکو دیکھا یہی دیکھا، یا تو اپنے ہی خاندان کے پرانے جزئیات حالات دریافت کر رہا ہے، حالانکہ دوسروں کو اس سے کوئی تعلق وسروکار نہیں مگر حضرت کا بیان ایسا دلچسپ ہوتا تھا کہ ساری صحبت کو دلچسپی رہتی تھی،

اسی طرح متفرق واقعات تاریخ کو لوگ پوچھا کرتے، حضرت کا جواب بعض وقت لوگوں کو حیرت میں ڈال دیتا تھا، مثلاً کسی نے پوچھا کیوں قبلہ سلاطین بویہ کے زمانہ میں خورم الدولہ کون تھا، آپ اس کے جواب میں فرماتے ہاں بہ تفاوت زمانہ چار یا پانچ خورم الدولہ گذرے ہیں، اور پھر تفصیل وار ہر ایک کے حالات بیان فرماتے، اختلاف تاریخ اور پھر صحیح روایت کی جمع و توفیق کے ساتھ وہ بیان ختم ہوتا، اکثر اہل علم وطالبان تحقیق علمی مشکل مسائل پوچھا کرتے حضرت اس کے جواب میں منہمک ہو جاتے،

یہ بات حضرت ہی میں دیکھی کہ چاہے وہ بیان کیسا ہی دقیق اور باریک فلسفہ پر مشتمل ہو مگر حضرت کی اردو زبان ایسی سلیس وفصیح تھی کہ حاضرین کم استعداد بھی سمجھ لیتے تھے، بعض

حضرات علم وشاعری وادب کے مشکل مسائل کو پوچھتے، مثلاً مختصر خواہ تلخیص و رسائل میرشمس الدین فقیر مین فلان مسئلۂ بلاغت کو یون لکھا ہے اور چاہیے یون کہ یہ بات عامۃ الورود اور ہماری اردو زبان پر بھی صادق آئے مگر بہت استبعاد پایا جاتا ہے، یا مثلاً عروض کا کوئی مسئلہ کہ جبکہ کتاب العروض والقوافی وغیرہ معتبر کتابون مین فلان بحر مین فلان زحاف کو ممنوع کہا گیا ہی تو پھر فلان مشہور و معتبر اور فصیح عرب شاعر نے فلان شعر کے رکن سالم مین یہ زحاف کیونکر لگایا، حضرت ان باتون کے جوابات اس طرح دیتے جیسے مختلف کتابین ان فنون کے حضرت کے سامنے کھلی رکھی ہین.

چھ بجے حضرت سوار ہو کر ہواخوری کو جاتے، اور واپسی مین ضرور فخر الملک نواب امیر علی خان مرحوم کے ہان تشریف لیجاتے، وہان جیسا ایک پیچوان نواب صاحب کے لیے آتا ویسا ہی حضرت کے لیے بھی، اور دو پیالیان چائے کی وہان نوش فرماتے، شام کی صحبت نواب صاحب کے ہان عام ہوتی تھی، بہت سے اہل غرض سفارشین لینے والے اور عظیم آباد کے روسا و شرفا جو کسی غرض یا تفریح وسیر کے لیے کلکتہ جاتے وہ سب نواب صاحب کے ہان شام سے شب کے نو بجے تک جمع رہتے، سب کے لیے ایک پیالی چائے اور دو بسکٹ آتے،

شب کے آٹھ بجے حضرت فرماتے گاڑی مین فانوس روشن کرو جس کے معنی یہ ہوتے گاڑی لاؤ، گھر پہنچکر تھوڑی سی یخنی مرغ کے چوزے کی نوش فرما کر شب کی نماز مغربین پڑھکر خوابگاہ مین تشریف لیجاتے، پیچوان لگا دیا جاتا، حضرت کے ہاتھ مین تسبیح رہتی، کبھی غفلت کی نیند نہین سوتے شب بھر فکر و ذکر مین مشغول رہتے، ممکن ہے گھنٹ آدھ گھنٹا آنکھ لگ جاتی ہو، جیسا اوپر بیان ہوا، ازتیس سال اپنی عمر گرانبہا کے حضرت نے مرشدآباد و کلکتہ مین بسر کئے، منجملہ جس کے پینتیس سال کلکتہ مین صرف ہوئے، اس طویل عرصہ مدت مین حضرت تین دفعہ عظیم آباد آئے،

تیسری دفعہ تو اخیر دفعہ تھی اور اس کے قبل دو دفعہ تشریف لائے، ایک دفعہ تو ۱۸۵۵ء مین غدر کے دو سال قبل جب کہ راقم کی عمر چودہ پندرہ سال کی تھی، اور چار ماہ صرف عظیم آباد مین قیام فرمایا، راقم اس زمانہ مین شرح مسلم پڑھتا تھا ایک دن ناظر علی ناظر وزیر علی عبرتی مرحوم کے ہان سے مشاعرہ کی طرح ع

جب سے اس ابرو نے پیدا تیغ عالمگیر کی،

آئی، اس وقت تک راقم نے کبھی ایک شعر غزل کا نہین کہا تھا، میرے والد نے ناک بھون چڑھائی اور فرمایا کہ خبردار تم ایک شعر نہ کہنا، حضرت نے سبب پوچھا، والد نے بہ تفصیل میرے شوق کا حال بیان کیا کیونکہ والد کو معلوم ہو گیا تھا کہ مین جو کچھ پڑھتا تھا اس کو نظم کرکے یاد کیا کرتا تھا، موزونی طبع فطری تھی اور شوق شاعری بے انتہا تھا، حضرت نے والد سے ارشاد فرمایا کہ طرح مین چند شعر اس لڑکے کو کہنے دو بعد کو جیسا مین کہونگا ویسا کرنا، پھر مجھ کو مخاطب فرماکر مناسب طرح چند مضامین بیان فرماکر ارشاد کیا کہ اسکو نظم کر لاؤ، یہان تو ولولہ تھا ہی گیارہ شعر کہکر حاضر کئے، کچھ نقائص و فوائد سمجھا کر فرمایا خود درست کر لاؤ دوبارہ ملاحظہ فرماکر مزین باصلاح فرمایا، اور کچھ ارشاد نہ کیا، دوسرے دن جبکہ مین حاضر نہ تھا، میرے چچا سے فرمایا محسن یہ لڑکا اور مین اگر چند سال زندہ رہے تو تم دیکھنا کہ کیسا کامل نکلتا ہے، وغیرہ وغیرہ،

یہی بنیاد و ابتدا، راقم کی شاعری کی اور حضرت کے زمرۂ تلامیذ مین داخل ہونے کی شرفیابی کی ہے، اس دفعہ حضرت تنہا تشریف لائے تھے، پھر ایک عرصۂ دراز کے بعد ۱۸۶۲ء مین معہ بیگم صاحبہ کے تشریف لائے، اس دفعہ تقریباً دو سال محلہ یوں گنج مین تشریف فرما رہے، راقم الحروف تقریباً روزانہ سعادت و فیض صحبت و استفادہ حاصل کرنے کے لیے یا صبح کو یا تیسرے پہر کو حاضر خدمت رہا کرتا تھا، حضرت کا اردو دیوان جو خواجہ محمد شاہ شہرت صاف کرنے کے لیے لے گئے تھے اور دبا بیٹھے وہ اسی سفر کا واقعہ ہے، دو سال پٹنہ مین قیام کے بعد حضرت نے کلکتہ مراجعت فرمائی،

باب چہارم

حالات مراجعت بوطن و دیگر حالات تا رحلت

۱۸۳۳ء مین حضرت کے محل نواب عفت آرا بیگم صاحبہ نے انتقال کیا، بیگم صاحبہ کی رحلت سے، رنج وصدمہ حضرت کو بے حد ہوا اور تا زیست رہا، مثنوی درد دل بہ تتبع مثنوی ناصر علی سرہندی انھین کے غم مین تصنیف فرمائی تھی، جو لائق دید تھی، مگر اب وہ معدوم ہو گئی ہے، اسکی ایک نقل نواب بہادر، نواب سید ولایت علی خان مرحوم کو حضرت نے دی تھی، اور ایک نقل اسکی اپنے حقیقی ہمشیر زادہ و فرزند آغوشی مولوی سید ہادی علیخان صاحب کو دی تھی جو ڈپٹی صاحب کے فرزند خان بہادر مولوی سید احمد علی خان صاحب ڈپٹی مجسٹریٹ کے پاس سے گم ہو گئی، نہین معلوم مولسنا عبدالرؤف وحید کو اس کے چند اشعار کس طرح مل گئے، جن کو اپنے ضمیمہ دیوان مین داخل کیا ہے، اس مین سے نقل مین نے لی ہے، اور باب ہفتم مین لکھون گا،

بیگم صاحبہ کے انتقال کی وجہ سے حضرت بہت دل شکستہ و رنجیدہ رہنے لگے تھے حضرت کے اگلے دوست جنسے بید ربط و اتحاد تھا، وہ بھی یکے بعد دیگرے پہلے ہی مر چکے تھے، اپنے فرزند دلبند سید ہمایون مرزا صاحب کی آئندہ زندگی کی بیکسانہ

حالت کا سوچ الگ سوہان روح تھا کہ ماں نے یوں رحلت کی اور کلکتہ میں ایک مقدمہ کے بل میں معاش الگ مختصر ہو گئی، غرض ان سب حالات نے حضرت پر بیحد اثر کیا اس موقع میں عظیم آباد سے بعض عزیزوں نے علی الخصوص نواب بہادر سید ولایت علی خان مرحوم سی، آئی، ای، نے تواتر و توالی خطوط بھیجنے شروع کئے اور لکھا کہ اس پیرانہ سالی میں حضرت کا قیام پردیس میں جب کوئی تعلق بھی نہ رہا ہو، ہم لوگوں کو بہت شاق گذرتا ہے، اب وطن تشریف لانا چاہیئے، اور اس پر کمال اصرار کیا، حضرت کا دل کلکتہ سے اچاٹ ہو ہی چکا تھا، اب یہ خیال آیا کہ مرنے کے دن قریب ہیں، کسی طرح اپنے وطن مالوف پہنچ جاؤں اور وہیں مدفون ہوں جہاں میرے بزرگوار مدفون ہیں،

غرض حضرت ۱۲۸۶ھ میں اپنے فرزند دلبند کو ہمراہ لیکر کلکتہ سے عظیم آباد تشریف لائے چند روز مولوی سید ہادی علی خان مرحوم کے مکان میں مقیم رہے، نواب بہادر نواب سید ولایت علی خان مرحوم کو یہ گوارا نہ تھا کہ حضرت اپنے کسی عزیز کے مکان میں اور ان سے دور رہیں، اسلئے اپنے ایوان کے سامنے مناسب حال ایک مکان مستقل حضرت کی سکونت کے لیے دیا تاکہ روزانہ حضرت کی صحبت سے فیض پائیں اور حضرت کی بھی دلبستگی ہو،

عظیم آباد مراجعت فرمانے کے بعد تقریباً سات سال حضرت بقید حیات رہے اس زمانہ میں ذکر الٰہی اور مشاغل علمیہ کے سوا اور کوئی کام نہ تھا، گو حضرت ضعف پیری اور علالت وغیرہ کا عذر کرتے، لیکن لوگوں کے اصرار و منت و سماجت پر درس و تدریس کا شغل حضرت کو جاری رکھنا پڑا اور آخر دم تک رہا،

اس زمانہ میں حضرت کا نظام الاوقات یہ تھا حضرت کمسنی سے تہجد گذار و شب زندہ دار تھے، اسلیے خواہ کیسا ہی کڑکڑاتا جاڑا ہو حسب معمول و عادت قدیم شب کے دو بجے

بیدار ہو جاتے، حوائج ضروری سے فارغ ہونے کے بعد تیمم کرکے تہجد ادا فرماتے موم بتی کے یکہ کی روشنی مین تا صبح صادق تلاوت قرآن فرماتے، پھر نماز صبح ادا کرکے چائے نوش فرماتے، چائے کے ساتھ دو انڈون کی زردی ہوتی اور ایک یا دو توست نان پاؤ کے ہوتے، دو انڈون کی زردی اس ترکیب سے نوش فرماتے جو آدمی چائے و ناشتہ تیار کرنے کے لیے مقرر ہوتا وہ سماوار کے کھولتے ہوئے پانی کو ایک پیالی مین لیکر اس مین دو انڈے ڈال دیتا، اور آہستہ آہستہ ایک سو ایک مرتبہ گنتا، پھر ایک تشتری مین دونون انڈون کی زردی نکالکر نمک کالی مرچ چھڑک کر کشتی مین رکھکر چائے اور توست کے ساتھ حضرت کی خدمت مین حاضر کرتا حضرت فرماتے تھے کہ اس ترکیب سے انڈون کے استعمال سے انڈے زود ہضم اور کثیر الفوائد ہوتے ہین، چائے و ناشتہ سے فارغ ہونے کے بعد باہر دیوانخانہ مین تشریف لاتے، حقہ تیار رہتا حضرت مسند پر گاؤ تکیہ سے لگ کر بیٹھتے، صبح کے سات بجے سے لوگون کی آمد شروع ہوتی، اس مین زیادہ تر حضرت سے سبق لینے والے اور کلام پر اصلاح لینے والے ہوتے، گیارہ تک یہ مشغلہ رہتا، گیارہ بجتے ہی صحبت برخاست ہوتی اور حضرت یا تو کوئی کتاب دیکھنے لگتے، یا کچھ لکھنے لگتے، ایک بجے خوابگاہ کے کمرہ مین جاتے اور تین بجے تک استراحت فرماتے تین کے بعد بیدار ہو کر طہارت خانہ مین تشریف لیجاتے اس کے بعد وضو کرکے نماز ظہرین ادا کرتے ٹھیک چار بجے خاصہ تناول فرماتے خاص غذائین حضرت کے شوق کی ہوتین پانچ بجے نواب بہادر نواب سید ولایت علی خان مرحوم کے ہان تشریف لیجاتے شب کے آٹھ بجے تک وہان صحبت رہتی شام کی چائے نواب صاحب کے ساتھ نوش فرماتے شب کے آٹھ بجے مکان پر تشریف لاتے، نماز مغربین پڑھکر تھوڑی یخسینی نوش فرما کر لیٹ جاتے اور ذکر و شغل مین مشغول رہتے پھر دو بجے بیدار ہو جاتے تا دم انتقال یہی دستور العمل رہا،

باب پنجم

حضرت کا حلیہ مبارک، ترکیب لباس، اخلاق حسنہ، عادات و خصائل، مذاق

خصوصیات طبعی، خیالات و عقائد مذہبی وغیرہ

حضرت کا قد نہ پستہ نہ کشیدہ بلکہ میانہ تھا، کتابی چہرہ، آنکھین بڑی، پتلیان سیاہ، کشادہ پیشانی، ناک ستوان اور کھڑی، ابرو کماندار، چہرہ کے نقشون مین ایک سے دوسرے کو پورا تناسب اسی طرح دست و پا وغیرہ جملہ اعضا کو چہرہ اور قد و قامت کیساتھ پوری مناسبت تھی، رنگ سرخ و سفید، ضعیفی مین رنگ ذرا جھنولا گیا تھا، صانع حقیقی نے جس طرح حسن ظاہری کے دینے مین کمی نہ کی تھی، اُسی طرح کمالات صوری و معنوی سے بھی مالامال کر دیا تھا، حضرت کی ذات ستودہ صفات اللہ جمیل و یحب الجمال کی شاہد و مصداق تھی، اُسپر سے خوش پوشاک تھے، چنانچہ حضرت جب مرشد آباد تشریف لے گئے تو عوام حضرت کی نسبت جو ذکر کرتے اور پتہ دیتے تو ان لفظون مین "عظیم آبادی رئیس وہی صاحب ہین نا جو خوبصورت سے ہین اور شام کو موتی جھیل کے کنارہ پر چریٹ[1] پر ہواخوری کو نکلتے ہین، اور جنکا پیچوان حقہ، عصا بردار کوچ بکس پر لیے رہتا ہے"

---

[1] یہ لفظ انگریزی چیرٹ ہے، اسکی وضع بڑی فٹن گاڑی کی وضع سے ملتی ہوئی دو گھوڑے کی جوڑی لگائی جاتی تھی، اب متروک و مفقود ہے، اسکا رواج فٹن کے بیشتر تک تھا،

اور پیچ ان کے ہاتھ مین رہتا ہے۔ پوشاک ہمیشہ پرتکلف زیب جسم رہتی تھی، اور خاص وضع وترکیب
کی ہوتی تھی جسکی تھوڑی سی صراحت کرتا ہون،
جاڑون مین کاشانی مخمل کی برنگ کاسنی یا بیگنی یا سبز جسمین قلنجانی یا جامہ وار کی قبائین
اچکن نما ہوتی تھین سینہ پر زرین کلابتون یا قیتون کا کام جس طرح عربی صدریون مین کیا جاتا
ہے، گول گھنڈیان وہ بھی زرین آستین کلایون کے پاس بہت تنگ اور نکیلی ان مین بھی
زرین گھنڈیان، اس قبا یا اچکن پرسے ایک پوشاک اور پہنتے تھے جس کو کلیچا کہتے تھے، اور
نیچے والی اچکن سے ذرا اونچا سینہ کھلا ہوا، اسکی آستین کہنیون تک کھلی ہوئی اور چری ہوئی نکیلی
تین برنجی ہک بعوض بوتام کے اوپر ریشمی یا قیتون کے کام کی گھنڈیان جیسے شالی چغون مین
ہوتی ہین، کہنیون کے پاس گھنڈیان بھی زردوزی، اگر نیچے کی قبا مخملی رہی تو اوپر کا کلیچہ جامہ وار
اور دامن مین بنارسی کمخوابی بیل میل کھاتی ہوئی گھنڈیان حضرت کی اختراعی تھین، پائجامہ
سنگی یا مشروع کا پائنچے چوڑی مہریون کے بغیر کلیون کے اصلاح مین جسے برکابر کہتے ہین،
گرمیو ن مین ڈھاکہ کی ململ یا ڈھاکہ کی جامدانی یا رادھانگر کی ریشمی ڈورے دار ململ
کی قبائین اور کلیچے سنجاف دار پائجامے تین سکہ کے، جرابین جاڑون مین اونی گرمیون مین
سوتی، اس زمانہ مین ریشمی جرابون کا رواج نہ تھا، پاپوش زردوزی گرگابی کورٹ شوز یا پمپ
شوز کی وضع کی کبھی زردوزی گھیتلا جوتا، کلاہ کمرخی چار یا پانچ پہلو کی تاج نما کاشانی مخمل کی اسپر
باریک زرین قیتون یا کلابتون کا کام کیا ہوا، جب جاڑون مین سردی خوب تیز ہوتی تو شال
رومال زرین میناکاری کشمیری کبھی چار باغ اوڑھ لیتے، ڈاڑھی منڈواتے تھے، چونسٹھ یا پینسٹھ
سال کی عمر تک یہی وضع وترکیب تھی اس کے بعد سے ڈاڑھی چھوڑدی تھی مگر خشخشی زرقطع
موقوف کردیا تھا، اور زر کے عوض ریشمی گھنڈیان لگائی جانے لگین گرگابی پاپوش موقوف

کرکے صرف گھتیلا جوتا زردمخملی زیب پا فرماتے تھے، جاڑون مین کبھی سرپر شالی پٹکا باندہ لیتے تھے، اور گرمیون مین ساٹھ کے پیشتر تک تو کبھی رنگین کریپ کا پٹکا حضرت لپیٹ لیتے تھے، اور ساٹھ کے بعد سے گرمیون مین کبھی چوگوشیہ چکن کی ٹوپی یا صندلی رنگا ہوا دوپٹہ لپیٹ لیتے تھے، چھڑی ہاتھ مین ضرور رہتی تھی اور خوشرنگ مونگے کی تسبیح کبھی شمعی کہربا کی تسبیح اور عینک طلائی کمانیون کی چالیس سال کی عمر سے نہ بضرورت بلکہ بخیال تحفظ بینائی حسب مشورہ طبی استعمال فرماتے تھے،

ایک شخص میر حیدر علی نامی کانپوری زردوزی کا کام بہت اچھا کرتے تھے، ملازم تھے جو حضرت کی گھنڈیان وغیرہ زردوزی وقیتونی کام کی بناتے اور جوتون کی ورگیان کارچوبی حضرت کے لیے اور حضرت کے محل مبارک کے لیے بنایا کرتے،

حضرت کوئی جوڑا پاپوش کا ایک ماہ سے زیادہ استعمال نہین فرماتے، جوتا جو ہنوز نیا معلوم ہوتا کیونکہ گھر مین آرام پائی استعمال فرماتے تھے، ملازمون کو باری باری ہر مہینے عنایت فرماتے تاکہ اس کا زر بیچکر اپنے مصرف مین لائے، گرگابی جوتا ایک اشرفی سے کم لاگت کا نہین ہوتا تھا،

حضرت کو عطریات وخوشبویات سے کمال درجہ شوق تھا، دو عطردان ہمیشہ بھرے رہتے تھے، بعض وقت خود عطر کھنچواتے اور بعض عطر مشک مین پکاتے، پھولون کے اور مصالحون کے عطرون کو مناسبت کیساتھ مرکب کرکے مجموعہ بناتے، جس پھول کا موسم رہتا، اس کا ہار حضرت کے سرھانے آخردم تک برابر رہا، میوون مین آم اور خربزے بہت مرغوب تھے، آمون کے تو عاشق زار تھے، بعض وقت مذاقیہ طور سے فرماتے کہ خدا نے بہشت مین انگور و انار کو جگہ دی، اور کلام پاک مین آمون کا ذکر تک نہین کیا، اسکی شکایت تو مین ضرور خدا سے کرونگا

دل مین سوز وگداز فطری تھا اور نہایت رحم دل، کریم النفس، ہمدردِ مخلوقِ خدا تھے، اگر کسی کی مصیبت کا دفع کرنا ان کی قدرت مین ہوتا تو ہرگز دریغ نہ کرتے حتّی کہ جانورون کی تکلیف بھی حضرت سے دیکھی نہین جاتی تھی، ایک جگہ فرماتے ہین، ؎

ذرۂ سوز وگدازِ گنجِ فراوانِ من

کوئی سائل دروازہ سے کبھی محروم نہین گیا بشرطیکہ حضرت نے دیکھ لیا ہو یا سمعِ مبارک تک اُسکی آواز گئی ہو، بچّون سے بہت انس فرماتے خواہ وہ بچے کسی کے ہون، بچّون کو مٹھائیان تقسیم فرماتے، ان کی خوش فعلیون کو غور سے ملاحظہ فرماتے اور مسکراتے رہتے، لوگون کی غلطیون اور فروگذاشتون کو ہمیشہ نظرانداز فرماتے، کسی کی مجال نہ تھی کہ ان کی صحبت مین کوئی کسی کی غیبت کرے یا مضحکہ خیز کلمہ کسی کے متعلق زبان سے نکالے جس کو ان کی طبیعت کا حال معلوم نہ ہوتا سہوًا یا عمدًا کسی کی برائی یا عیب جوئی کرتا تو یہ فرما کر عیسیٰ بدین خود موسیٰ بدین خود، فورًا روک دیتے، بھولے اور معصوم صفت اس درجہ کہ کسی کو جھوٹا نہین سمجھتے،

تدین کا یہ حال کہ ایک زمانہ مین جبکہ ٹارنس صاحب زندہ تھے اور حضرت کا اثر سرکار انگلشیہ وسرکار نظامت دونون سرکارون پر بے انتہا تھا، نظامت کی دیوانی خالی اور امور طلب تھی، بنگالہ کے ایک بہت بڑے زمیندار نے حضرت کو گھیرا کہ نظامت کی مدار المہامی مجھے دلوایئے اور دو لاکھ روپیے دینے کا لالچ دیا، جسپر حضرت بہت خفا ہوئے اور تازیست اسکو برا جانتے رہے پھر کبھی کشادہ پیشانی سے اس شخص سے نہ ملے،

اپنے بچون سے بھی بیحد محبّت فرماتے تھے، آخر وقت مین حضرت کے گھر فرزند خدا نے دیا، یعنی ہمارے بھائی سید شاہ عاشق حسین عرف سید شاہ ہمایون مرزا صاحب تولد ہوئے، ان سے حضرت کو محبّت ہی نہین بلکہ تعشق تھا، جب ذرا بھی علیل ہوتے تو علاوہ طبی معالجے کے اقسام

عملیات کئے جاتے اور صدقے وغیرہ دیئے جاتے اور خود حضرت شب بھر سرہانے بیٹھے ہوئے تسبیح پڑھ پڑھ کر دم کرتے، بیحد مضطر و بےچین رہتے،

ایک دفعہ کا واقعہ یہ ہے کہ جب کہ حضرت کلکتہ واپس تشریف لیجا رہے تھے، ہمایون مرزا صاحب اس وقت سوا یا ڈیڑھ سال کے تھے ریل گاڑی کے سکنڈ کلاس کا ایک خانہ حسب معمول زنانہ کے لیے ریزرو ڈ (مخصوص) کیا گیا اور زنانہ سوار ہو گیا، ہمایون مرزا صاحب کو ان کی انّا گود مین لیے پلیٹ فارم پر ٹہل رہی تھی، ٹرین جب چلنے لگی تو جلدی مین وہ تھرڈ کلاس مین جہان مرد ملازمین سوار ہو گئے تھے، چلی گئی، حضرت زنانہ خانہ مین سوار ہوئے اور پوچھا کہ بچہ کہان بیگم صاحبہ نے کہا مجھے نہین معلوم، تھوڑی دیر ہوئی کہ مین نے دیکھا تھا کہ انّا اسٹیشن پر بچہ کو گود مین لئے ٹہل رہی تھی، حضرت نے آؤ دیکھا نہ تاؤ گھبراہٹ مین گاڑی کی کھڑکی مین سے باہر کود پڑے، وہ تو ٹرین پلیٹ فارم پر سے آہستہ جا رہی تھی، انّا صاحبزادہ کو کھڑکی کے قریب لیے کھڑی تھی کہ خود ہی چیخی کہ سرکار گرے، راقم اور بہت سے اشخاص جو حضرت کو رخصت کرنے اسٹیشن پر آئے ہوئے تھے، دوڑے اور حضرت کو اٹھایا، گارڈ نے فوراً ٹرین ٹھہرائی، اس وقت خدا نے بڑا فضل کیا ورنہ جان جانے مین کیا بات باقی رہی تھی، اس سے ظاہر ہے کہ کس درجہ عشق حضرت کو اپنے فرزند دلبند سے تھا،

حضرت اگرچہ درویش صفت اور فرشتہ خصال نفس رکھتے تھے، لیکن اپنی زی و منش و وقار کا بڑا خیال رکھتے تھے، ذری سی بات بھی جو حضرت کی مرضی مبارک کے خلاف ہوتی وہ بیحد ناگوار گذرتی اور اس کا اثر لیتے، ایک دفعہ کا ذکر ہے، جب کہ حضرت اخیر دفعہ عظیم آباد تشریف لائے، جس طرح کلکتہ مین سر شام روزانہ فخرالملک نواب امیر علیخان مرحوم کے ہان حضرت تشریف لیجاتے اور شب کے آٹھ بجے تک وہان قیام فرماتے، عظیم آباد مین یہ معمول تھا کہ شام کے

پانچ بجے نواب بہادر نواب ولایت علی خان مرحوم کے ہان تشریف لاتے اور شب کے آٹھ بجے تک قیام فرماتے، جب حضرت نواب بہادر کے ہان تشریف لیجاتے تو نواب بہادر اپنی مسند پر سے چند قدم آگے بڑھکر حضرت کا استقبال کرتے اور مخملی زانو کے چار تکیون مین سے دو اپنے ہاتھ سے حضرت کے زانو کے قریب رکھدیتے،

ایک دن کا اتفاق یہ ہے کہ ہنوز نواب بہادر نے تکیے اٹھائے نہ تھے کہ میر نواب جان صاحب جو ایک معزز مصاحب نواب بہادر کے تھے، انھون نے دو تکیے حضرت کے سامنے رکھدیئے، حضرت نے ذرا تیور پر میل ڈال کر ان کی طرف دیکھا اور چپ ہو رہے،

اس روز راقم پہلے حضرت کے دولت خانہ پر گیا تھا اور دہان سے حضرت کے ہمراہ نواب بہادر کے ہان آیا تھا اور حضرت کے قریب ہی بیٹھا تھا حضرت نے میری طرف بھی دیکھا لیکن مین نے اس وقت کچھ خیال نہین کیا، راقم جب کبھی نواب بہادر کے ہان شام کو جاتا تو جب تک حضرت تشریف فرما رہتے راقم بھی حاضر رہتا، حضرت کے معلومات سے مستفید ہوتا رہتا، حضرت کا دولت خانہ نواب بہادر کے ایوان کے سامنے ہی تھا، حضرت پیدل تشریف لاتے اور لیجاتے، جب وہان سے رخصت ہوتے حضرت کو ان کے دولتخانہ تک پہنچا کر مین اپنی گاڑی پر سوار ہو کر گھر آتا،

چنانچہ اس دن بھی حسب عادت حضرت کے ہمراہ حضرت کے دولت خانہ تک آیا، راہ مین حضرت نے مجھ سے فرمایا، بیٹا تم نے دیکھا، مین چونکہ کرتا ہوا اور عرض کیا، کیا ارشاد ہوا، فدوی سمجھا نہین، فرمایا تم نے خیال نہین کیا کہ چھوٹے نواب نے (یعنی نواب بہادر) زانو کے تکیے اپنے ہاتھ سے آج نہین رکھے، میر نواب جان نے میرے سامنے تکیے لاکر رکھے، آج ایک مصاحب نے لاکر رکھے، پھر کوئی شاگرد پیشہ لاکر رکھیگا، مین نے عرض کیا کہ غالبًا سہوًا یہ فعل ہوا، ورنہ

نواب بہادر تو وضع کے بہت پابند ہین، ان کے کہنے یا اشارہ سے ایسا نہین ہوا ہوگا، شاید میر نواب جان صاحب نے بطور خود یہ حرکت کی تب فرمایا ممکن ہے، ایسا ہی ہو، دوسرے روز قصداً راقم حضرت کے دولت خانہ پر تیسرے پہر کو گیا تاکہ حضرت کے ہمراہ نواب بہادر کے ہان جائے اور دیکھے کہ آج کون تکیے رکھتا ہے، ورنہ عموماً راقم حضرت کی خدمت مین صبح کو حاضر ہوا کرتا تھا، بہر حال دوسرے روز بھی حضرت کے ہمراہ نواب بہادر کے ہان گیا، حسب معمول ساری صحبت کے لوگ کھڑے ہو گئے اور نواب بہادر چند قدم پیشوائی کو آگے بڑھے، جب سب لوگ بیٹھ گئے تو نواب جان صاحب اپنی جگہ سے اٹھکر مسند کے قریب آئے اور دونون تکیے اوٹھانے لگے کہ نواب بہادر نے فرمایا نواب جان صاحب آپ تکیے نہ اٹھائین، یہ خدمت میری ہے، غالباً یا تو روز گذشتہ جو حضرت نے تیور پر بل ڈال کر میر نواب جان کی طرف نظر ڈالی تھی وہ نواب بہادر نے دیکھ لیا، یا جو ملازم نواب صاحب کا شب گذشتہ فانوس لئے ہوئے حضرت کو دولت خانہ تک پہنچانے آیا تھا اس نے وہ گفتگو جو مجھ سے اور حضرت سے ہوئی تھی سنکر نواب بہادر کے گوش گذار کی،

ایک اور واقعہ کم و بیش اسی نہج کا اور تقریباً اسی زمانے کا یہ ہے، مرزا مغل جان صاحب مرحوم جنکا تذکرہ اس کتاب مین کسی مقام پر آچکا ہے، مجھ سے ناقل تھے کہ گرمیون کا زمانہ تھا اور نواب بہادر نواب سید ولایت علیخان مغفور اپنے باغ واقع لوہانیپور مین مع خدم و حشم تشریف فرما تھے، ہمارے حضرت حسب معمول چار بجے اندرون شہر سے روزانہ تشریف لیجاتے اور شب کے آٹھ بجے واپس تشریف لاتے، اس زمانہ مین مرزا مغل جان صاحب کو جب نواب بہادر کے ہان جانا ہوتا تو سواری کی آسانی کے خیال سے ہمارے حضرت کے ہان آجاتے ان کے ہمراہ گاڑی پر لوہانیپور جاتے، ایک روز جبکہ ہمارے حضرت نواب بہادر

کے پاس رونق افروز تھے کہ نواب سہراب جنگ مرحوم بھی نواب بہادر سے ملنے آئے ،
(واضح ہو کہ لوہانیپور کے باغ مین کوٹھی کے سامنے برساتی نہین ہے کہ جس مین گاڑیان
کھڑی ہون اور کوٹھی سے متصل چارون طرف چمن بندی اور چمن کی روشین ہین جنمین سے
ہو کر انسان پیدل آسکتا ہے اور سواریان کچھ فاصلہ پر چھوڑ دینی پڑتی ہین ،)

بہرحال جب صحبت برخاست ہوئی سب لوگ کھڑے ہو گئے تو نواب بہادر نے
مرزا مغل جان صاحب سے کہا کہ مرزا صاحب مجھے آپ سے کچھ کہنا ہے ، یہ کہکر مرزا مغل جان صاحب
کو ہمراہ لیکر جلد جلد قدم بڑھائے ہوئے سب کے آگے نکل گئے اور جہان گاڑیان کھڑی تھین وہان
پہنچ گئے ، ہمارے حضرت نواب سہراب جنگ مرحوم سے باتین کرتے خرامان خرامان پیچھے آرہے
تھے ، اور بقیہ لوگ ان کے عقب مین تھے ، جب نواب بہادر گاڑیون کے پاس پہنچ گئے تو
مرزا مغل جان صاحب نے نواب بہادر سے عرض کیا کہ جناب والا کچھ ارشاد کرنا چاہتے تھے ، جسپر
سے نواب بہادر نے فرمایا کہ مجھے کچھ کہنا نہین ہے ، بات یہ ہے مرزا صاحب ، کہ مین جناب شاہ
صاحب کو ہمیشہ گاڑی تک پہنچاتا ہون اور نواب سہراب جنگ بہادر کو صرف لب فرش تک
اگر مین اس وقت ان حضرات کے ساتھ ساتھ آتا تو نواب سہراب جنگ یہ خیال کرتے کہ مین
انھین گاڑی تک پہنچانے آرہا ہون اور پھر آئندہ یہی توقع مجھ سے رکھتے ، اور اگر مین ایسا نہ کرتا تو
ان کی آزردگی کا باعث ہوتا ، قطع نظر اس کے اس وقت مین اگر یہان تک نہ آتا اور لب فرش
تک آکر ان دونون صاحبون کو رخصت کرتا تو نواب سہراب جنگ بہادر کو تو کچھ برا نہ معلوم ہوتا
لیکن جناب شاہ صاحب کو ضرور ناگوار گذرتا کہ ترک خیال حفظ مراتب کیا گیا ،

مغل جان صاحب کہتے تھے کہ جب ہمارے حضرت گاڑی مین سوار ہو چکے تو راہ
مین مین نے خود حضرت سے عرض کیا کہ نواب بہادر نے جو فرمایا تھا کہ مجھے تم سے کچھ کہنا ہے ،

وہ بات یہ تھی، چنانچہ مین نے ساری باتین دہرائین، حضرت مسکرائے اور فرمایا کہ درحقیقت چھوٹے نواب، (نواب بہادر کو ہمارے حضرت ہمیشہ چھوٹے نواب پکارا کئے کیونکہ بھائیون مین یہ سب سے چھوٹے تھے) ماشاءاللہ بہت ہی خوش خلق و صاحب تدبر ہین،

اس نقل کے لکھنے سے میری غرض وہی ہے کہ ہمارے حضرت کو کس قدر خیال حفظ مراتب تھا جس سے ان کے ملنے والے خوب واقف تھے، علاوہ ازین یہ بھی ظاہر کرنا ہے کہ نواب سہراب جنگ بہادر کے وقار سے ہمارے حضرت کا وقار کس درجہ بڑھا ہوا تھا،

مہاراجہ مہیپت سنگھ نے جو خطوط اور رقعے اپنے احباب کو لکھے تھے، ان مین کے بہت سے مکتوبات ناظر وزیر علی عبرتی مرحوم نے ایک جگہ جمع کئے تھے ان مین بعض خط ہمارے حضرت کے نام بھی تھے جو القاب حضرت کو لکھتے تھے وہ الفاظ یہ تھے، مجی مرز انش جناب شاہ صاحب دام لطفکم، اس سے بھی ظاہر ہے کہ حضرت کی مرزانشی حضرت کے احباب پر اچھی طرح ظاہر تھی

ملازمین کے ساتھ نہایت ترحمانہ برتاؤ حضرت کا رہتا تھا جسکی بیسیون مثالین ہین، ایکدفعہ حضرت کی گاڑی کسی دوسرے شخص کی گاڑی سے ٹکرا کر جگہ کم تھی نالے مین جا پڑی، حضرت کے ہمرکاب حضرت کے صاحبزادہ بھی تھے، دونون بزرگ بال بال بچگئے مگر ایک سائیس نالے مین گرا، اس کو سخت چوٹ آئی، حضرت نے فوراً کرایہ کی گاڑی منگائی اور سائیس کو بیجا کر ہسپتال (شفاخانہ) مین چھوڑ آئے، جب تک وہ وہان رہا دوسرے تیسرے خود جاکر اس کی خیریت ڈاکٹرون سے پوچھتے اور اس کو تشفی و تسلی دیتے، ضرب شدید تھی، گھٹنہ سے پاؤن کاٹا گیا، اور غریب عمر بھر کے لیے بیکار ہوگیا، لیکن تنخواہ جو وہ پاتا تھا تاحیات اسکے عیال کو حضرت دیا کئے،

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ہمایون مرزا صاحب جبکہ یہ دس گیارہ سال کے تھے ٹہلتے

ہوئے ملازمین کی کوٹھری کی طرف جا نکلے، ایک ملازم بیٹھا ہوا حقہ پی رہا تھا، ان کو دیکھ کر نہ اٹھا
نہ حقہ چھوڑا، صاحبزادہ صاحب کو بہت ناگوار گذرا، حضرت سے آکر شکایت کی، حضرت نے انکا
غصہ کم کرنے کو اپنے پاس بٹھایا، پیار سے سر پر ہاتھ پھیرا، اور فرمایا مین اسکی سخت سزا کرونگا، اس نے
بڑی نادانی کی، جب صاحبزادہ کا غصہ کم ہوا تو فرمایا، جسکو خدا صاحبی دیتا ہے، اسکو اندھا اور
بہرا ہونا چاہیئے، اور پوچھا کہ تم سمجھے اس کا کیا مطلب ہے، ان کی عمر ہی کیا تھی کہ ان الفاظ کے مطلب
کو سمجھتے تو پھر خود اسکی صراحت فرمائی کہ اندھے کے معنی یہ ہین کہ ایسی چھوٹی باتون کو دیکھکر انجان
ہو جائے گویا دیکھا ہی نہ تھا، اور کان سے اپنے خلاف شان کوئی بات سنے تو ٹال جائے،
گویا سنا ہی نہ تھا، درجہ مین جو لوگ کمتر ہین ان کی باتون کا خیال نہ کرنا چاہیئے، البتہ
برابر والون کی باتون کا ضرور خیال کرنا چاہیئے، باب دوم مین راقم نے حضرت کی صغرسنی
کا ایک واقعہ لکھا ہے، کہ کسی ملازم نے حضرت کو سلام نہین کیا تھا تو اس عمر مین حضرت کو بہت
گران گذرا تھا، لیکن اب سے اور جب سے کتنا بڑا فرق حضرت کی طبیعت مین ہو گیا تھا، حضرت اپنے
ہم عمر لوگون سے بہت کم ملتے تھے، بلکہ ان با کمالون کی صحبت مین رہتے جو عمر مین پندرہ بیس سال
بڑے ہوتے، حضرت کا قول تھا کہ کم عمر لوگون کی صحبت مین بیٹھنے سے کچھ حاصل نہین ہو سکتا،
چونکہ طبیعت مین خلوص تھا جس سے ملتے مخلصانہ طور سے ملتے اور دوستی کے بہت پکے تھے،
اس لیے بھی دوستون کی تعداد بڑھاتے ڈرتے تھے، فرماتے تھے کہ دوست بننے مین بڑی
ذمہ داریان ہوتی ہین، اگر کوئی پوچھتا کہ فلان صاحب حضور کے دوستون مین ہین تو فرماتے
ہان شناساؤن مین ہین، جب کہ حضرت کا سن شریف پچھتر سال کا تھا، ایک دفعہ فرمانے
لگے کہ مین نے تمام عمر مین صرف ڈھائی دوست پیدا کئے تھے، پورے دوست ایک نواب

مرزا مہدی خان مرحوم، دوسرے پورے دوست نواب جعفر حسن خان مرحوم اور نصف دوست

دیوان مولا بخش مرحوم،

حضرت کے صاحبزادہ نے اپنی کمسنی کے زمانہ مین اپنے ہم سبق طلبا مین سے کسی کو جہان دوست کہا تو منع کرتے اور فرماتے بابا دوست کا لفظ ہر کس و ناکس کے حق مین استعمال نہ کرو، دوست کہنا آسان بات نہین عمل بھی ویسا ہی ہونا چاہیئے اور جب تم انشاء اللہ بڑے ہوگے تو اس کا مطلب خود سمجھوگے یہ عمر تمھاری ایسی نہین ہے کہ ان چیزون کو مین سمجھاؤن اور تم سمجھ سکو،

یہ بھی حضرت کی روشنخیالی کی ایک دلیل ہے، کہ مستورات کے جذبات کا بڑا خیال فرماتے تھے، امور خانہ داری مین کبھی دخل نہین دیتے، اور نہ اخراجات مین روک ٹوک فرماتے، بلکہ یہ کل امور بیگم صاحبہ کے اختیار تمیزی پر چھوڑ دیئے تھے، جو مناسب جانین کرین،

حضرت کو جہان استحفاظ ذی منش کا خیال تھا، کسر نفسی بھی حد درجہ تھی، ایک دفعہ کا واقعہ یہ ہے کہ نواب ضیاء الدین خان نیر مرحوم سابق رئیس لوہارو ۱۲۷۳؁ھ مین کلکتہ آئے ہوئے تھے، چونکہ ان کو تاریخ دانی و شاعری و ادب وغیرہ کا اعلیٰ درجہ کا مذاق تھا، اور خود بھی باکمال تھے، حضرت سے بڑا ارتباط ہو گیا تھا، تقریباً دوسرے تیسرے آپس مین یہ دونون حضرات ملا کرتے، نواب ضیاء الدین خان مرحوم نے ایک رقعہ کے لفافہ پر حضرت نظام الملۃ سید شاہ الفت حسین صاحب لکھا، حضرت نے جواب مین لکھا کہ گو خطاب نظام الملۃ میرے بزرگون کو نسلاً بعد نسل دیا گیا تھا، مگر انھین بزرگون کے شایان شان بھی تھا، الفت حسین اس لائق ہرگز نہین ہے، آیندہ آپ مجھے اس خطاب سے معاف کرین، خصوصاً غربا سے حضرت نہایت کشادہ پیشانی سے پیش آتے، اور ہمیشہ انکی دلدہی کرتے،

مین نے بزرگون سے برابر سنا کہ جوانی مین بھی ہمارے حضرت ایسے متین و خوددار تھے کہ ہم عمرون پر کچھ منحصر نہ تھا سن رسیدہ بزرگوار بھی حضرت کا لحاظ کرتے تھے مگر کبھی کبھی

مطائبات کے کلمے بھی زبان پر آجاتے تھے لیکن وہ بھی حدِ اعتدال کے اندر ہوتے تھے، بہت سی مذاقیہ نقلین حضرت کے عہدِ شباب کی بزرگون سے سنی تھین،

ایک دفعہ کا واقعہ آغا نجف علی صاحب مرحوم بیان فرماتے تھے، یہ ایک ذی استعداد فارسی کے ادیب تھے، گو شاعر نہ تھے، مگر سخن فہم و نکتہ رس تھے، ہمارے حضرت کے ہم عمر تھے شاید دو تین سال عمر مین چھوٹے ہون، حضرت کے شباب کے زمانہ مین یہ بھی حضرت کی صحبتون مین حاضر باش رہا کرتے تھے، حضرت کے ہان اہل علم و کمال کا شب کو مجمع رہتا تھا، ان مین ایک بزرگ ملا حاجی بابا بھی تھے، ان کا ذکر کہین آچکا ہے، ایک ایرانی تاجر تھے، زمانۂ طفلی مین اپنے والد کے ہمراہ آئے تھے اور عظیم آباد ہی مین رہ گئے اور یہین انتقال کیا، ملا حاجی بابا ذی علم و شاعر بھی تھے، مگر جب ہٹ دھرمی پر آتے تھے تو جہل مرکب مین گرفتار ہو جاتے تھے، بلند قد ریش دراز سارے بال سر اور داڑھی کے سفید تھے، ان دنون ان کی تیغِ زبان کے نیچے شاہ ناصر علی سرہندی کا کلام تھا، بکثرت و بشدت تمام شاہ ناصر علی پر اعتراض کیا کرتے، ایک شب کو ناصر علی کی مثنوی کا یہ مطلع پڑھا،

الٰہی آتشے در کام جان ریز　　شرر در پنبہ زارِ استخوان ریز

اور کہنے لگے کہ استخوان کو پنبہ زار کہنا نئی گڑھت ہے، آنکھون کے اندھے نام نین سکھ جب اور کوئی تشبیہ نہ ملی تو پنبہ زار کہدیا، حالانکہ اساتذہ مین سے کسی نے بھی استخوان کو پنبہ زار نہین کہا ہے، آغا نجف علی صاحب کہتے تھے کہ مین نے جواب دیا کہ ملا طغرا نے بھی فلان مقام پر (در پنبہ زار استخوانم آتش رخیت) کہا ہے، ملا باباجی نے بگڑ کر کہا آپ جب بیچ پر آتے ہین تو غلط غلط دلائل استعمال کرنے لگتے ہین، سامنے کتابون کی الماریان تھین حضرت کو معلوم تھا کہ فلان درجہ مین وہ کتاب رکھی ہے، مجھے ارشاد ہوا مین نکال لایا، ملا حاجی بابا نے کتاب میرے ہاتھ سے

ے لی، اور شمعدان کے پاس جا بیٹھے اتفاق سے اس پر کنول نہ تھا جھک جھک کر جو ورق گردانی
کرنے لگے تو شمع کی لو داڑھی کی نوک مین لگی، دفعتہً ساری داڑھی مشتعل ہو کر جلنے لگی، بجھانے کے
خیال سے ملّانے دونون گالون پر تھپیڑ مارنا شروع کیا، مگراب کیا ہوتا ہے، تقریباً ساری داڑھی
غائب ہوگئی اور دونون گال جدا جلے، آغا صاحب نے کتاب ان سے لیکر وہ مقام نکال کر انکو
دکھایا تو بہت حسرت سے نادم ہو کر کہنے لگے لاحول ولا قوۃ داڑھی بھی گئی زک بھی کھائی جب
یہ کلمہ کہا تو ہمارے حضرت سے رہا نہ گیا کسی کا یہ شعر فوراً پڑھا،

چراغے را کہ ایزد برفروزد ہر آن کس پف کند ریشش بسوزد

حاضرین سے رہا نہ گیا اور فرمایشی قہقہہ ہوا،

ایسی اور بھی متعدد نقلین ہین جنسے حضرت کی ذہانت غیرمعمولی اور متانت کے ساتھ
خوش مذاق ہونا ظاہر ہوتا ہے، حضرت کے مذہبی خیالات وعقائد حضرت کے اشعار سے
ظاہر و ہویدا ہین، عارف کامل تھے تصوّف کا مادہ تو حضرت کی گھٹی مین تھا، تمام آبا و اجداد
صوفیائے کرام واولیائے عظام مین سے تھے، حضرت کے عقائد مذہبی کا بیان صراحت طلب ہے
اس لیے اس کو علٰحدہ لکھتا ہون،

مذہب شیعہ اور تصوف

مدتون سے میرے دل مین یہ خواہش تھی کہ مذہب شیعہ و تصوّف پر جو ایک مہتم بالشان
موضوع ہے، ایک مستقل رسالہ لکھون لیکن اتفاق نہ ہوا، چونکہ حضرت کے خیالات وعقائد مذہبی
پر روشنی ڈالنی ہے، اس لیے گو طوالت سے خالی نہین ہے، اس مقام سے زیادہ مناسب جگہ
اس بیان کے لیے مل نہین سکتی،

محققین صوفیائے عظام مذہب شیعہ کا اس بارہ مین جو مسلک ہے، اگر تفصیل بیان ہو تو یہان اسکی گنجائش نہین ہے، مین نہایت مختصر طور سے گویا دریائے ذخار کے ایک قطرہ سے بھی کم بیان کرتا ہون وہ یہ ہے کہ عالم وجود مین وہی ایک نور جو خالق ازلی و ابدی و غیر فانی ہے، جملہ مکونات عالم پر بصفات گوناگون پرتو انداز ہے، یہ پرتو چند اسباب کی وجہ سے کسی پر کم اور کسی پر زیادہ اور کسی پر بہت کم اور کسی پر بہت زیادہ، چنانچہ انبیائے کرام و مقربان بارگاہ ایزد متعال و فرشتگان مقرب پر سب سے زیادہ ہے، ان کی نسبت دوسرے درجہ مین اولیائے عظام و دوازدہ امام علیہم السلام ہین،

اس کا بیان بہت طویل و باریک ہے، جسکا تعلق علم عرفان سے ہے، جس کے سب سے بڑے رموزدان و عالم شاہ ولایت امیر المومنین حضرت علیؑ تھے، یہ ایک نہایت صحیح و مستند روایت ہے، کہ ایک دن حضرت امیر المومنین علیہ السلام اسی بارہ مین ایک خطبہ بیان فرماتے تھے، درمیان مین کوئی واقعہ ایسا پیش آ گیا کہ حضرت نے وہ بیان ناتمام چھوڑ دیا، کمیل بن زیاد آپکے صحابی اہل بواطن اور بہت ذی معرفت بزرگ تھے، وہ اس تحقیق و تفصیل کے حد درجہ شائق تھے، اتفاقاً حضرت امیر کو ایک سفر درپیش آ گیا، حسن اتفاق سے ایک ہی راحلہ پر کمیل بن زیاد آپ کے ردیف ہوئے، سر شام روانگی ہوئی، کمیل نے فوراً یاد دلوایا کہ آپ اسی بارہ مین اپنی زبان فیض ترجمان سے کچھ ارشاد کرین، آپ نے اپنا بیان شروع کیا، اور ہر نکتہ پر کمیل کو حالت وجد طاری ہوتی رہی، یہان تک کہ بے خود ہو گئے اور رات کٹ گئی، بیان ناتمام رہا، کمیل باربار عرض کرتے جاتے تھے کہ زدنی یا امیر المومنین جب اس بیان مین وہ نکتے پیش آئے کہ حضرت کمیل سا جلیل القدر عارف حیرت زدہ ہو گیا مگر کثرت اشتیاق سے برابر یہی عرض کیئے جاتے تھے "زدنی یا امیر المومنین" یعنی اور بھی بیان فرمائیے لیکن

حضرت نے سمجھا کہ اس سے زیادہ ان کے سامنے اس بیان کی گنجائش نہین ہے تو فرمایا ،
طریق مظلم لا تسلکہ، بحر لجی لا تلجہ" یعنی یہ راستہ بالکل اندھیرا ہے اس مین قدم نہ رکھ یہ ایک دریائے مواج ہے، اس کے اندر نہ آ، اسی روایت سے اس مسئلہ کی عظمت وشان وباریکی کا پتہ لگتا ہے ،

دوسری روایت حضرت جابرؓ بن عبد اللہ مشہور صحابی رسول اللہؐ کی ہے کہ حضرت امام زین العابدینؑ کے زمانہ مین حضرت جابرؓ کی عمر بہت ہو گئی تھی، بمشکل تمام ایک دن کسی نہ کسی طرح حضرت امام سے شرفیاب ہوئے، حضرت امام کے ارشاد سے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام آپکے فرزند نے جنکی عمر اس وقت نو دس سال کی تھی، یہ وعدہ لیکر کہ حضرت جابرؓ ان محققانہ مسائل کو وفورِ شوق مین اگر کسی کے سامنے نہ بیان کرین، الٰہیات کے عارفانہ مسائل مین سے چند مسائل بیان فرمائے اور ارشاد کیا کہ بس اس سے زیادہ کے آپ متحمل نہ ہونگے اور اس کا ذکر کسی سے نہ کرین، حضرت جابرؓ جیسے بزرگوار کی یہ حالت تا زیست رہی کہ جب جب ان نکتون پر غور کرتے تھے کثرت وجد وجوش سے آپ مین نہ رہتے تھے، آخر کنوین کے اندر منھ ڈال کر ان نکتون کو دہراتے تھے حدثنی باقر العلوم ھکذا،

جس زمانہ مین ہمارے استاد غفران پناہ رحمۃ اللہ علیہ کلکتہ سے مراجعت فرماکر اپنے وطن مالوف مین قیام گزین ہو گئے، اور یہین انتقال فرمایا، وہ زمانہ عجب ہر بونگ کا تھا خاصکر مذہبی اعتبار سے تو اس قدر افراط وتفریط تھی کہ بیان سے باہر ہے، زیادہ تر سبب اس کا یہ تھا کہ وہ رؤسا وامرا وعلما کہین نام کو باقی نہ تھے جو ذی جوہر وصاحبان علم وخود محقق مذہب ہون علی الخصوص شیعہ مذہب، شرفا ورؤسا وامرا کی حضرت کی مراجعت کے پچاس ساٹھ سال قبل سے یہ حالت چلی آتی تھی کہ لکھنؤ سے جو صدا مذہب کے بارہ مین آتی یا بلند ہوتی تھی وہ عظیم آباد

کے چیز فہم شیعون کے لیے وحی الہٰی تھی، ذرا بھی اس سے تجاوز کرنا کفر و زندقہ مین داخل تھا، باطنیت وخالص روحانیت ومعرفت الٰہی کا کہین نام نہ تھا، کھری شریعت اور سختی سے ظاہری عبادت نماز و روزہ وظاہری طہارت کی یہ نوبت پہنچی ہوئی تھی کہ وہم سے بھی تجاوز کرگئی تھی، وحدانیت وخالص خداپرستی جسپر دارومدار مذہب ہے، اس کا تو ذکر کجا بعوض اس کے محض چھوا چھوت اور ذرا ذرا سے شک پر غوطہ اسی کا نام عبادت و پابندیِ شریعت کہا جاتا تھا اچھے خاصے پڑھے لکھون کے سامنے بھی الٰہیات ومعرفت کا ذکر کرتے ڈر معلوم ہوتا تھا کہ کہین ایسا نہ ہو کہ صوفیون اور بدمذہبون مین شمار کیا جاؤن، یہان تک اس بارہ مین کھینچا تانا گیا تھا کہ میرانیس مرحوم کی ایک رباعی جو محض معرفتِ الٰہی کے بیان مین تھی اسکے اس مصرعہ پر ع

جس پھول کو سونگھتا ہون بو تیری ہو

حضرات شیعہ نے میرانیس مرحوم کو قائلِ وحدتِ وجود سمجھ لیا، اور فتویٰ طلب کیا گیا، اگر جناب مولٰنا مفتی سید محمد عباس مغفور نہ ہوتے تو یہ داغ میرصاحب کے دامن مین لگ ہی چکا تھا کٹھ ملاؤن اور ظاہرپرستون نے، ملا صدرالدین شیرازی رحمۃ اللہ علیہ تک کو ان کے محققانہ بیان مسائلِ الٰہیات پر کفر و زندقہ کا فتویٰ دیدیا تھا اور بے تکلف ان کی شان مقدس و بابرکات در تفسیق مین جو چاہتے تھے کہہ گذرتے تھے، حالانکہ ان کے استاد حضرت میر باقر داماد علیہ الرحمۃ نے ایماضات وافق المبین مین ملا صدرا سے کہین زیادہ اس خصوص مین دریا بہایا ہے لیکن چونکہ ان کا طرزِ بیان ایسا واقع ہوا ہے کہ ان حضرات کو اس مین گنجائش قیل وقال نہین ہے، علاوہ ازین ان محقق وقت عالمون نے جنکو یہ حضرات نہایت خوش اعتقاد جانتے ہین، جناب میر کو بکمالِ بزرگی مان لیا ہے، اس لئے حضرت میر کے بیان کی

اپنے اپنے طور پر تاویلین کرلین ورنہ وہ بھی ان حضرات کی زبان و قلم سے بچنے نہ پاتے، چنانچہ صاحب تفسیر صافی محسن کاشانی رحمۃ اللہ علیہ بھی بسبب اسی اظہار روحانیت و باطنیات کے ملزم ٹھہرائے گئے، انتہا یہ ہے کہ جناب شیخ بہائی رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب مین بھی شک کیا گیا، اگر کتاب جامع عباسی وغیرہ ان کی تصانیف نہ ہوتین تو وہ بھی حضرات علمائے ظواہر کے اعتراضات سے نہ بچ سکتے، حضرت شیخ علی حزین جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے بارہ مین تو اتفاق تھا کہ وہ صوفی و بدمذہب و صاحب زندقہ تھا،

اس شدت تعصب و جاہلانہ فہم کے زمانہ مین ایک عرصہ مدید کے بعد ہمارے حضرت اپنے وطن مین تشریف لائے، اور یہان کا یہ رنگ دیکھا تو بجز اس کے کہ ہر طرح کف لسان کرلین، چارہ ہی کیا تھا، نہ فقط عظیم آباد ہی مین یہ سہرونگ تھا بلکہ کچھ مدت سے کلکتہ وغیرہ کا بھی یہی رنگ اور یہی حال تھا، اسلیے ہمارے حضرت نے دربارہ اظہار اعتقادات و مذہب سخت احتیاط وہان بھی رکھی، اور یہان بھی گو لوگ خلا ملا مین کس کس ترکیب کے ساتھ ہمیشہ اس کے جویا رہا کئے، اور دریافت کرتے رہے کہ دراصل حضرت سنی ہین یا شیعہ مگر بہت کم اسکو کھلنے دیا،

از بسکہ فی زماننا موجودہ شیعہ گروہ مین لفظ صوفی مترادف بدمذہب و زندقہ کا سمجھا گیا ہے حالانکہ اس مذہب کے مشاہیر محققین علمائے باطن اس خطاب کو اعلیٰ ترین خطاب سمجھتے تھے، اور تماشا یہ ہے کہ ویسے خوش اعتقاد علما کو خود بھی ممدوح جانتے ہین، بہت دنون سے مجھے یہ خیال تھا کہ کسی مناسب موقع پر اسکی شرح کردون کہ آیا مذہب شیعہ مین بھی تصوف جائز و ممدوح تھا اور اب بھی ہے یا نہین، اور کس معنی مین تصوف بولا جاتا تھا، اور درحالیکہ جائز ہی نہین بلکہ ممدوح چلا آیا ہے، تو پھر کچھ عرصہ سے اس شدت کیساتھ اس سے انکار و مخالفت کیون پیدا ہوگئی، یہ مہتم بالشان بحث بہت سے فوائد و دلچسپی پر مشتمل ہے، افسوس اسکا ہے کہ آپ سے

وقت مین مینے قلم اٹھایا ہے کہ علاوہ درازیِ عمر کے ضعفِ بصارت نے ان کتابون کے مطالعہ سے باز رکھا جنکی ضرورت اس بیان مین ہے، اسیلیے جو کچھ یاد ہے اس سے کام لیتا ہون،

واضح ہو کہ صوفی کوئی خاص مذہب نہین ہے، ممکن ہے کہ ایک شخص ہندو دھرم رکھتا ہو، مگر بڑا صوفی بھی ہو، یا ایک عیسائی مذہب ہو اور بڑا صوفی ہو، اسی طرح ایک مسلمان بھی ہو، اور صوفی بھی ہو، صوفی اس شخص سے مراد ہے جو معرفتِ اللہ اور معرفتِ نفس مین منہمک و مستغرق ہو اور اپنے مذاق کے مطابق اعمال دریافت کرتا ہو، پھر جب کہ صوفی کی یہ تعریف ہے تو شاید ہی کوئی مذہب ایسا ہو جو خدا کو مانتا بھی ہو اور کم و بیش اسکی معرفت کا خواہان نہ ہو،

اس قسم کے لوگون کو کیون صوفی کہتے ہین، اسمین بہت سے اقوال ہین، بعض کہتے ہین کہ ازبسکہ ایسے مشرب والے دنیا سے متنفر ہو کر لذائذِ دنیا کو ترک کر دیتے ہین، اور بجائے نرم لباس کے خشن اور صوف کے لباس پر قناعت کرتے ہین، لہذا اس لباس کی بدولت ایسے لوگون کو صوفی کہتے ہین بعضون نے اور بھی وجہ بیان کی ہے، جس کے تحریر کرنے مین طوالت ہوگی، بہر حال یہ یقینی امر ہے کہ ریاضتِ نفس جو اسکا اصل اصول ہی چاہے وہ شخص کسی مذہب کا کیون نہ ہو ضرور ضمیر کو صاف کرتی ہے، اور عجب نہین کہ اس شخص سے وہ باتین ظاہر ہون، جو بطور راز کے پوشیدہ ہین، چنانچہ بڑے بڑے صوفی ہندوون نے جو جوگی بھی تھے ایسی ایسی غیب کی خبرین دی ہین جنسے کوئی آگاہ نہ تھا،

اسی طرح شیعہ مسلمان صوفیون سے بھی ایسی باتین ظہور مین آتی ہین، ملا صدرا علیہ الرحمہ کی یہ نقل ہے کہ جن دنون حضرت شیخ بہائی اصفہان مین قاضی القضاۃ تھے، شیخ بوعلی سینا کی مشہور کتاب شفا کا درس شیخ سے لیا کرتے تھے، مگر عدیم الفرصتی کے سبب سے شیخ کو اتنی فرصت نہ تھی کہ ملا صدرا کے سبق کی تسکین کر سکتے، ایک دن خود شیخ نے ان سے کہا کہ ملا صدرا تمہارا

سبق ہمارے ہان اچھی طرح نہین ہوتا ہے، بہتر ہے کہ شیراز جاکر میر باقر داماد سے رجوع کر دین سفارشی خط لکھدیتا ہون، ملا صدرا بہت خوش ہوگئے، اور وہ خط لیکر شیراز پہنچے، غرض میر صاحب سے سبق رجوع ہوا اور ان کی تشفی خاطر حسب دلخواہ ہوئی، ایک دن میر صاحب نے ملا سے پوچھا کہ بتاؤ تمہارا سبق کیسا ہوتا ہے، ملا نے خوش ہوکر کہا، قبلہ عالم انجا مرض بود، اینجا شفاست، یہ سنتے ہی میر صاحب کا رنگ متغیر ہوگیا اور کہا کہ افسوس جناب شیخ کی تم نے توہین کی، اب جب تک وہی تمہارے اس قصور کو معاف نہ کرین مین تم کو سبق نہین پڑھا سکتا جاؤ اوران کی خدمت مین چلے جاؤ، اور اپنی اس خطا کو بخشواؤ، ناچار ملا بسبب ناداری کے پیادہ پا اصفہان روانہ ہوئے، یہان پہنچکر معلوم ہوا کہ جناب شیخ کربلائے معلی زیارت کو تشریف لے گئے ہین، ملا صاحب بھی بزحمت تمام کربلائے معلی پہنچے، سنا کہ حضرت شیخ حرم محترم مین ہین، ملا صاحب فوراً وہان حاضر ہوئے، جس وقت شیخ کی نظر ملا پر پڑی کمال مسرت سے کہا خوش آمدی ملا صدرا نقل شفا و مرض ہیچ نیست من بخشیدم، غور کرنے کے لائق ہے کہ جناب شیخ کی یہ انتہا کی غیب دانی وانکشاف باطن آخر کیون تھا، وہی جناب شیخ کا تصوف و ریاض باطن تھا جسنے اس درجہ کمال تک پہنچا دیا،

علاوہ اس نقل کے جناب شیخ کی دو نقلین اور بھی عرض کرتا ہون تاکہ معلوم ہو جائے کہ جب انسان اس درجہ ریاضت نفس تک پہنچتا ہے، تب جاکر صفائی نفس مین پیدا ہوتی ہے، اور اکثر ایسی باتین ظاہر ہوتی ہین جنکو کرامت کہتے ہین، دوسری کیفیت سننے کے لائق یہ ہے کہ ملا صاحب جب رخصت ہوئے تو شیخ نے اپنے کھانے کی روٹیون مین سے چار جو کی روٹیان دین اور کہا کہ یہی تمہارا توشہ ہے اور اسی کو میر صاحب کے نام کا خط بھی سمجھو، الغرض ملا صاحب شیراز پہنچے لطف یہ ہے کہ روزانہ دوران سفر مین ان روٹیون مین سے ملا کچھ کھاتے تھے، پھر

بھی ایک ٹکڑا جب شیراز پہنچے تو بچا ہوا تھا، جون ہی میر صاحب کی نظر مُلّا صاحب پر پڑی تو خوش ہو گئے اور کہا بیا بیا مُلّا صدرا از نان شیخ بہائی چیزے باقی ہست،

غرضکہ یہ انکشافات بہ شکل تمام روحانی ریاضتون سے پیدا ہوتے ہین، اور ان کا پیدا ہونا کسی خاص مذہب پر منحصر نہین ہے، محض روحانی ریاضت درکار ہے،

یون تو شیخ کے اخلاق حسنہ و ریاضاتِ نفس کی بہت سی نقلین ہین منجملہ ان کے چند لکھی جاتی ہین، جن دنون جناب شیخ صاحب صاحبِ قتل و قصاص تھے اور کل ممالکِ ایران کے قاضی القضاۃ تھے، ایک دن شاہ عباس ماضی بادشاہِ ایران کے پاس تشریف رکھتے تھے، اور بادشاہ نہایت لحاظ و ادب سے آپ کی خدمت مین حاضر تھا، دفعۃً بادشاہی سگ بان کتون کی جوڑی لئے سامنے نظر آیا، جناب شیخ دیکھتے ہی فوراً تخت سے اتر پڑے اور جھک کر کمال ادب سے اس کو سلام کیا، اور پھر جب تک وہ نظر سے غائب نہ ہو گیا، آپ یون ہی کھڑے رہے بادشاہ کو شیخ کی اس حرکت پر حیرت اور خفت بھی ہوئی، بادشاہ کا تحیر و استعجاب دیکھکر شیخ نے نہایت سادہ لوحی سے کہا اے بادشاہ جمجاہ یہ سگ بان میرا استاد اور مین اسکا شاگرد ہون، میری گردن پر حقِ استادی و بزرگی رکھتا ہے، جس سے مین ادا نہین ہو سکتا، واقعہ یہ ہے کہ ایک شخص نے مجھ سے پوچھا تھا کہ کتا کب بالغ ہوتا ہے، مجھ کو یہ امر معلوم نہ تھا مین نے چلکر اس سگ بان سے دریافت کیا تھا، تو اس نے جواب دیا کہ جب دیوار یا کسی بلند جگہ ٹانگ اٹھا کر پیشاب کرے، تو سمجھنا چاہیے کہ بالغ ہو گیا،

شیخ کی پاکیزگیِ نفس کی ایک نقل یون ہے کہ جن دنون آپ تمام ممالک محروسہ ایران کے قاضی القضاۃ تھے، اور آپ ہی کے حکم پر قتل و قصاص ہوا کرتا تھا، زکوٰۃ و خمس وغیرہ تقسیم کے لیے بادشاہ و امراسب آپ ہی کے پاس بھیجا کرتے تھے، تاکہ مستحقین کو تقسیم کر دین، ایک

فاقہ کش نادار سید کی چند ناکدخدا لڑکیان تھین، انھون نے حضرت شیخ سے اپنی حالت عرض کرکے وعدہ لیا کہ پانچہزار درہم شیخ عطا کرین چند روز کے بعد خمس کے پانچہزار درہم سرکار شاہی سے تقسیم کے لئے حضرت شیخ کے پاس آئے، اتفاقاً وہ جنسے وعدہ تھا شہر سے باہر کہین چلے گئے تھے، شیخ کو بھی یاد نہ رہا، ناوارون کے ہجوم کے سبب سے وہ درہم فوراً تقسیم ہوگئے، دوسرے ہی دن وہ سید بھی وارد ہوئے، ان کی صورت دیکھتے ہی شیخ کی عجب حالت ہوگئی ہاتھ باندھکر کہا کہ جناب سید مین بھول گیا، درہم آئے تھے مگر مین نے دوسرے مستحقون کو تقسیم کر دیئے میرا قصور بخشدیجئے، اس دفعہ خدا نے چاہا تو ایسی خطا نہ ہوگی، وہ سید حد کے مغلوب الغضب تھے، شیخ کے مراتب کا مطلق پاس و لحاظ نہین کیا اور نہ کچھ خوف کیا، زور سے ایک تھپڑ شیخ کے رخسارِ مبارک پہ مارا، اور آخ تھوہ کرکے حضرت شیخ کے چہرہ پر تھوک دیا، شیخ نے مطلق اسکی پروا نہ کی اور مسکراکر کہا کہ اس سے زیادہ مستحق سزا کا یہ خاطی ہے، اور اس تھوک کو اپنے سارے چہرہ پر پھیلاکر کہا کہ کیا عجب ہے، جناب باری میری اس خطا اور بھول کو ایک سید کے تھوک کی برکت سے معاف کردے اور جہانتک اسکی تری پہنچی ہے آتش جہنم سے بچ جائے، خدا کی قدرت اور شیخ کی کرامت کہ اسی وقت بقدرِ ضرورت خمس کے درہم پہنچے، اور شیخ نے اپنا وعدہ پورا کیا۔

شیخ ہی کے زمانہ مین ایک دوسرے عالم متبحر جامع طریقت و شریعت صوفی و صافی مجتہد العصر جامع الشرائط بھی تھے، جنکا لقب میر فندرسکی تھا (بضم فا و سکون نون و ضمہ دال مہملہ و رائے مہملہ و سکون سین و کسرہ تحتانی وہی قریۂ فے الاجمان کذا فی القاموس) میر موصوف بڑے صوفی و مرتاض بزرگ تھے، تارک الدنیا ہوکر پہاڑون کی کھوہ مین رہا کرتے، اور ریاضت مین زندگی کے دن کاٹتے تھے تاکہ خلائق ہجوم نہ کرے، متفرق پہاڑون مین قیام فرماتے صرف خشک نان جو کے ٹکڑے شب و روز مین ایک دفعہ کھالیا کرتے تھے، جب وہ روٹی کے

ٹکڑے ختم ہو جاتے تو شہر مین آتے اور چار پانچ مہینون کی خوراک کے مطابق روٹیان نان پز
سے پکوا کر ٹکڑے کر کے خشک کر لیتے، پشتارہ باندھکر اپنے مقام پر چلے جاتے، یہ معمول تھا کہ حضرت
میر پہاڑون سے اتر کر جب شہر آتے تو جناب شیخ بہائی علیہ الرحمۃ کے پاس ایک شب مہمان
رہا کرتے اور خشک کی ہوئی روٹیون کے ٹکڑے اپنے ساتھ لیجاتے، ایک دفعہ دار القضا کے
ایک حجرہ مین جناب شیخ اور جناب میر بیٹھے باتین کر رہے تھے، شاہی وحش خانہ متصل ہی تھا
ایک زبردست خونخوار شیر چھوٹ گیا، اور دار القضا کے احاطہ کے اندر گھُس آیا، ایک ہلچل
پڑ گئی، لوگ کوٹھون پر اور کوٹھریون مین جا چھپے، مگر جناب شیخ اور حضرت میر جس طرح حجرہ
مین جس کے دروازے کھلے ہوئے تھے بیٹھے باتین کر رہے تھے اسی طرح باتون مین مشغول
رہے، وہ شیر حجرہ مین آدمیون کو دیکھکر غراتا ہوا گھس آیا، حضرت میر نے تو اس طرف اعتنا بھی
نہ کی، اور سلسلہ باتون کا ختم نہ کیا، البتہ جناب شیخ پر ایک ذرا سی حالت بے اطمینانی طاری ہو گئی،
اپنا سر گھٹنون پر رکھ لیا، وہ شیر غرغر کرتا ہوا تخت کے چارون طرف گھوما اور پھر باہر چلا گیا، جناب
میر نے شیخ کو متنبہ کیا، اور فرمایا اپنی ریاضت پوری کرو تاکہ وحوش وغیرہ خود متأثر ہو جائین،

یہ بزرگوار تھے صوفی صافی طریقت وصاحبان ریاضت، پھر یہ نہین کہ ظواہریات چھوڑ کر
شریعت سے بالکل بے پروا ہو جائین، البتہ باطنیات وروحانیات کا غلبہ بہت زیادہ
تھا، وہ زمانہ تو پھر بھی کچھ دور گذرا، راقم ہی کے زمانہ اوائل عمر مین یہ نقل بہت مشہور تھی کہ ایک
عالم ربانی کا یہ قصد ہوا کہ سُرَّ مَنْ رَاٰہُ جا کر جناب سرکار مرزا محمد حسن شیرازی مشہور مجتہد کا تلمذ اختیار
کرین، وہ عالم حضرت ملا ہادی سبزواری مشہور صوفی وعارف باللہ شارح زیارت عاشورہ کی
خدمت مین حاضر ہو کر مستدعی ہوئے ایک خط سفارشی بنام سرکار میرزا تحریر فرمادین تاکہ سرکار
میرزا بتوجہ تمام ان کو درس دین،

سرکار میرزا شاگرد رشید سبزواری صاحب کے تھے حضرت سبزواری نے خط لکھ کر ملفوف کرکے ان کے حوالہ کیا، جب یہ بزرگ سفر دراز طے کرکے سرکار میرزا کی خدمت مین پہنچے اور خط دیا تو سرکار میرزا نے خط کا بوسہ لیا سر پر رکھا، لفافہ کھولا خط پڑھتے ہی چہرہ کا رنگ متغیر ہوگیا، بے اختیار آنکھون سے آنسو ٹپکنے لگے، اور فوراً روضۂ مقدسہ کے اندر داخل ہوگئے اور بہت دیر کے بعد باہر آئے، دریافت سے معلوم ہوا کہ ملا سبزواری نے خط مین لکھا ہی کہ جس وقت میرا خط تمہارے پاس پہنچیگا وہی وقت میرے عالم نزع درحلت کا ہوگا، چاہیئے کہ روضۂ مقدسہ مین چلے جاؤ، ایک اور نقل انھین ملا سبزواری صاحب کے بارہ مین لکھتا ہون، حضور شاہ کجکلاہ ناصرالدین شاہ قاچار شہید سابق شہنشاہ ایران اپنے سفرنامۂ مشہد مین متعلق بکرامات و تصرفات ملا سبزواری اپنے قلم سے لکھ گئے ہین، اس کا ترجمہ ذیل مین لکھتا ہون، وہ لکھتے ہین کہ مجھ کو شوقِ زیارت و ملاقات ملّا سبزواری کا بہت تھا، چند سال ہوئے تھے کہ حکمائے یورپ نے ایک کانفرنس بڑے بڑے حکما کی منعقد کی تھی، مقصود یہ تھا کہ دنیا بھر کے حکما جس جس فن مین کامل سمجھے گئے ہین، وہ مدعو و مہمان کئے جائین، چنانچہ ایران سے ملا ہادی سبزواری خاصکر فلسفۂ الہیات کے بیان کے لیے منتخب کئے گئے تھے، کیونکہ جس شہر یورپ مین یہ کانفرنس ہونے والی تھی وہان کے بادشاہ فرمان روا نے مجھ کو (شاہ ایران کو) لکھا تھا کہ کسی عالم فلسفۂ الہیات کو جو یکتائے روزگار ہو بھیجئے، مگر ملّا صاحب بہ سبب پیرانہ سالی وضعف کے جا نہ سکے،

ناصرالدین شاہ لکھتے ہین کہ شوق دید مین مین ایک دفعہ بمقام سبزوار پہنچا، امین السلطان کو حکم دیا کہ جس پہاڑ پر ملّا صاحب عزلت گزین ہین اسکا پتہ لگا کر جلد مطلع کرو، غرض بدقت و دشواری جب پتہ مل گیا، تو امین السلطان کو مین نے حکم دیا کہ ملّا صاحب کی خدمت مین حاضر ہوکر میری طرف سے آداب وتحیات بجا لاکر عرض کرو کہ مین آپ کا مہمان ہون اگر اجازت

ہو تو تھوڑی دیر کے لیے حاضر ہو کر سعادتِ دارین حاصل کرون، امین السلطان اس پہاڑ پر بمشکل تمام گئے، شام ہو گئی تھی، ایک درہ مین ملا صاحب ایک شکستہ بوریئے پر دوزانو قبلہ نما آنکھین بند کئے بیٹھے ہوئے تھے، ایک مٹی کا چراغ جل رہا تھا، آہٹ سنکر چونکے جب معلوم ہوا کہ امین السلطان ہین اٹھ کر بڑے تپاک سے بغلگیر ہوئے، اسی بوریئے پر بٹھایا خیریت پوچھی امین السلطان نے میرا پیغام پہنچایا، ملا آبدیدہ ہو گئے اور کہا اللہ اکبر ایک جلیل المرتبت بادشاہ مجھ ایسے فقیر خانہ بدوش کو ملاقات سے سرفراز کیا چاہتا ہے، انتہا سے زیادہ کسر نفس ہے، فقیر کے پاس نہ اس لایق کوئی جگہ ہے نہ فرش وفروش ہے، رستہ بھی ناہموار ہے، لیکن جب یہی مرضیِ مبارک شاہ کی ہے تو مجھے کیا عذر ہو سکتا ہے، بسم اللہ بسم اللہ

جب امین السلطان نے ملا کے پاس سے واپس آکر ملا کا جواب پہنچایا تو مین فوراً امین السلطان کے ہمراہ ملا صاحب کی خدمت مین حاضر ہوا، ملا صاحب نے کئی قدم استقبال کیا اور سینہ پر ہاتھ رکھکر جھک گئے، مین بھی اسی بوریئے پر دوزانو بیٹھ گیا، معمولی پرسشون کے بعد مین نے نصیحت کے لیے استدعا کی، تو ملا نے کہا، آپ کا فرض یہی ہے کہ عدل کیجیے، ایسا نہ ہو کہ کسی کا حق تلف ہو جائے، مین نے بہت چاہا کہ ملا صاحب کی خدمت مین کچھ پیش کرون، مگر ملا نے معذرت کی، اور قبول نہ کیا، پھر چند قدم مشایعت کر کے دعائین دے کر رخصت کر دیا، اتنی ہی دیر کی صحبت کا اثر بہت کچھ بہت دنون رہا،

چونکہ سبزوار خوش آب وہوا مقام ہے، بادشاہ کا قیام دو ہفتہ تک رہا، اس اثنا مین ایک واقعہ یہ پیش آیا کہ جتنے دواب یعنی گھوڑے، اونٹ، بیل، گائے، اور دیگر چوپائے اُردوئے شاہی کے ہمراہ تھے، سب نے تین دن تک دانہ مطلق نہ کھایا نہ پانی پیا، جب دانہ پانی سامنے جاتا تو سونگھ کر منھ پھیر لیتے، جب بادشاہ کو یہ خبر معلوم ہوئی تو امین السلطان

کی معرفت ملا صاحب کو بادشاہ نے یہ پیغام بھیجا کہ ہم اور ہمارے دواب سب آپکے مہمان ہین کیا قیامت ہے کہ سب نے خوراک ترک کر دی ہے، یہ ہزارہا جانور اگر دانہ نہ کھائین گے تو آخر مرکر رہ جائین گے، اسکا کیا چارہ کیا جائے، امین السلطان ملا صاحب کا یہ جواب لائے کہ ملا صاحب فرماتے ہین کہ مین نے پہلے ہی عرض کر دیا تھا کہ حضرت کو عدل کرنا چاہیے، ایسا نہ ہو کہ کسی کا حق تلف ہو معلوم ہوتا ہے کہ کسی رعیت کا حق تلف ہوا ہے اور کسی کا حق کسی دوسرے کو چلا گیا ہے، اغرض بعد تحقیق معلوم ہوا کہ شاہی رسد مین ایک غریب بوڑھیا کی کاشت کا غلہ مقدار معین سے زیادہ لیا گیا، اللہ اکبر جانورون تک کو لحاظ ہے کہ ایسی مشتبہ چیز نہ کھانی چاہیے جس سے کسی کا حق مارا گیا ہو، بہرحال اس کا تدارک اور تلافی کر دیگئی، تو سب جانورون نے جو کئی روز سے بھوکے پیاسے تھے پیٹ بھر کر دانہ کھایا اور سیر ہو کر پانی پیا سبحان اللہ صوفی ایسے ہوتے ہین، اگر ان حضرات صوفیائے کرام و مرتاضین عظام کی اس قسم کی نقلین درج کیجائین تو ایک طویل دفتر مین بھی گنجائش نہ ہو،

راقم کے دادیھالی بزرگون مین جناب نواب سید غلام حسین خان مغفور مؤلف سیر المتاخرین وغیرہ نبیرہ حضرت سید شاہ علیم اللہ علیہ الرحمۃ اپنی کتاب شرح مثنوی مولانا روم کے دیباچہ مین تحریر فرماتے ہین کہ باوجود علمائے متصوفین شیعہ کی کثرت و صحتِ اعتقاد و ظہور خرق عادات کے تھوڑے ہی دنون مین کیون ایسی کایا پلٹ ہو گئی کہ اب نہ ویسے حکمائے متالہین باقی رہے اور نہ ان کے معتقدین اور نہ وہ خانقاہین، بلاشبہہ اس کے قبل بھی علمائے شیعہ کے دو گروہ تھے اور ہر دو قسم کے علما کے معتقدین کی کثرت تھی، ایک گروہ ظاہر شریعت کا حافظ اور احکاماتِ حلال و حرام کی طرف متوجہ تھا، دوسرا گروہ علمائے متصوفین و مرتاضین کا تھا مگر اس کے یہ معنی نہ تھے کہ ایک دوسرے کو بچشمِ رقابت و مخالفت و حقارت دیکھے، ریاضتِ نفس ازبسکہ دشوار و در

لوہے کے چنے چابتے ہین، اسلیے متصوفین کے گروہ کے علما بمقابلہ علمائے ظاہر کے کم تھے، تاہم سارے ایران مین ہر جگہ پھیلے ہوئے تھے اور ہند بھی ان سے خالی نہ تھا، پیشتر تو ایسے صاحبان ریاضت تھے جنھون نے دنیا کو ہیچ و پوچ سمجھکر بالکل ترک کر دیا تھا، اکثر ان مین سے پہاڑون اور صحراؤن مین زندگی کے دن کاٹتے اور مصروفِ ریاضت رہتے اور اب بھی جبکہ دنیا نے حد سے زیادہ پلٹا کھایا ہے تلاش کرنے سے ایسے بزرگوار نکل ہی آتے ہین، علمائے ظواہر مین بھی چیدہ چیدہ ایسے متصوفین جو حقیقت تک پہنچ گئے ہین موجود ضرور ہین گو کم سہی اور یہ حضرات ظاہر بینون اور ناواقفون سے اپنی اصلی حالت چھپائے ہوئے ہین،

نواب صاحب مرحوم نے اپنی شرح مثنوی مولانا معنوی مین ایک طویل تاریخی بیان گروہ شیعہ سے تصوف کے اٹھ جانے کی نسبت لکھا ہے، جسکا تھوڑا سا خلاصہ یہ ہے کہ سلاطین سادات صفویہ کے عہدِ حکومت سے قبل تک مملکتِ ایران مین جہان بمقابلہ اہل اسلام کے دیگر فرقہ والون کے شیعہ اثنا عشریہ کا گروہ بڑھا چڑھا ہوا تھا، متصوفین شیعہ کے علما نامآوردہ بزرگون کی بھی یہ کثرت تھی کہ کوئی قریہ قصبہ و شہر ایسا نہ تھا کہ چھوٹی بڑی خانقاہون اور بزرگانِ اہل طریقت سے خالی ہو،

اہل ایران بالطبع مذہب پر دلدادہ ہوا کرتے ہین، جس بزرگ کا جو معتقد تھا دل وجان سے اس پر فریفتہ تھا، اسی زمانہ مین سرگروہ عارفین، حضرت مولانا شیخ زاہد جیلانی رحمۃ اللہ علیہ جد اعلائے جناب عمدۃ المحققین علامہ شیخ علی حزین جیلانی کا ظہور ہوا، حضرت شیخ بے حد ذی علم وکمال، صاحب ریاضت و صاحب کشف و کرامت ہوئے، یہان تک کہ سارے ممالک ایران مین حضرت کی شہرت پھیل گئی، جد اعلائے سلاطین صفویہ جو اس وقت تک معمولی حالت مین تھے، حضرت شیخ زاہد جیلانی علیہ الرحمہ کے باخلاص مریدون مین داخل ہوئے، کہا جاتا ہے

کہ حضرت شیخ نے ابتدا ہی مین ان کو یہ مژدہ سنا دیا تھا کہ تمہاری اولاد ایران کی سلطنت کریگی،
القصہ رفتہ رفتہ سید شاہ صفی اللہ صفوی نژاد نے مجاہدات و ریاضات مین اتنی کوشش بلیغ کی کہ
صاحب مقام بلند ہو گئے اور شیخ کی اجازت سے صاحب ارشاد و صاحب خانقاہ ہوئے،
ان کی شہرت بڑھی، مریدون کی کثرت اور فتوحات کا وفور ہونے لگا، یہانتک کہ اور مشاہیر
متصوفین و صاحب خانقاہ سے ان کا مرتبہ بڑھتا چلا،

اس زمانہ مین کوئی مستقل صاحب قوت و شان سلطنت نہ تھی، تمام عرض و طول ملک
مین کئی سلطنتین قائم ہو گئی تھین، وہ بھی آپس مین نزاع و مخالفت رکھتی تھین، آہستہ آہستہ اس صفوی
خانقاہ کے مریدون نے اپنا قدم آگے بڑھایا، ثروت و حکومت کی چاٹ بری ہوتی ہے، ارد
گرد کے جو شہر و قصبے وغیرہ تھے، اپنے قبضہ مین کر لیے، کچھ دنون کے بعد اس گروہ کے پیر طریقت
کا انتقال ہو گیا، ان کے صاحبزادے جانشین ہوئے، وہ اپنے باپ سے بھی زیادہ اس بارہ مین
اولوالعزم نکلے، ان کے زمانہ مین مریدان با اخلاص کی اتنی کثرت ہوئی کہ ہرگز کسی فوج شاہی سے
کم نہ تھی، اور فتوحات کے وفور سے خزانہ مالامال ہو گیا، عین ایسی حالت مین جب کہ وہ کسی بادشاہ
پر چڑھائی کرنے کی طیاری مین سرگرم تھے کہ عالم شباب مین رحلت کر گئے،

ان کے صاحبزادہ مشہور و معروف فاتح شاہ اسمٰعیل صفوی بانیِ سلطنت صفویہ جانشین ہوئے
کہا جاتا ہے کہ ان کی عمر اس وقت کل نو برس کی تھی، مگر یہ بات مبالغہ سے خالی نہین ہے،
کہ ایک طرف سلاطینِ روم کا مقابلہ کر کے ان پر فتح پائے، دوسری طرف دریائے ارس کے
اس پار روسیون کی خبر لے، پھر ازبکون اور تورانیون کو دور تک بھگائے، ساتھ اس کے اندرون
ملک کے سلاطین اور باغیون کی سرکوبی کر کے سارے ملک کو اپنے قبضۂ قدرت مین کر کے
تھوڑے ہی دنون مین حکومت مستقل و امن و امان قائم کر لیے،

اس مین شک نہین کہ عمر اُس اُعجوبہ روزگار بادشاہ کی بہت کم تھی، مگر نکتہ جتنی بیان کیجاتی ہے یہ بادشاہ سنتا اور دیکھتا آتا تھا کہ اس کے بزرگون نے اتنی بڑی قوت جو حاصل کی وہ صرف راسخ الاعتقاد مریدون کی کثرت کے سبب سے پیدا ہوئی، یہ خیال کر کے اور اور نام برآورده خانقاہون اور خانقاہ نشینون کو بنظرِ خوف درقابت دیکھتا تھا اور چاہتا تھا کہ جس طرح بھی ممکن ہو ان کو ایسا مضمحل کر دے کہ پھر سر اٹھانے کی مجال نہ ہو، ظاہر ہے کہ یہ قوت مذہبی اعتقاد کے تحت تھی، جس کا توڑنا آسان نہ تھا،

علاوہ متصوفینِ شیعہ کے اسلام کے دوسرے گروہ بھی تھے، جو صاحبانِ خانقاہ و پیرِ طریقت مشہور تھے، مگر یہ لوگ اس اعتقاد مین حد سے زیادہ تجاوز کر گئے تھے، توحید کے پردہ مین ہزارون باتین کھینچ تان کر ایسی بڑھادی تھین کہ قریب قریب کفر و زندقہ کے پہنچگئی تھین، اس نازک مسئلہ مین یہان تک گستاخی کرتے اور دور کی کوڑی لاتے تھے کہ بے تکلف ع من خدایم من خدایم کے نعرے لگاتے تھے، ایک مرید نے کسی مرشد سے شکایت کی کہ مسجد کے چراغ کا تیل کتا جا کر پی جاتا ہے، مرشد صاحب نے جوش مین آکر کہا کہ جانے بھی دو، اپنے گھر کا تیل آپ پی گیا، پھر شکایت کیا؟

معمولی معمولی شعرون مین معرفت کے مسائل داخل کرنا، پھر اسکو طبلہ، سارنگی پر گوانا اور جوش مین آکر ناچنا، تھرکنا، کودنا، فقط یہی نہین علتِ مشائخ مین گرفتار ہونا، اوران سب کو توحید کے مسائل حقہ مین شمار کرنا، اور معتقدون کا اسپر وجد کرنا اور صحیح مان لینا ظاہر شریعت کے احکام سے بالکل بے پروائی، تارکِ نماز و روزہ ہونا، طہارت جسمی کو لغو بتانا اُس پردہ مین سارے نہیات کو عمل مین لانا، پیرِ طریقت کے فرضی کشف و کرامت کی شہرت دینا، قبر پرستی کی حالت کو حدِ اعتدال سے کہین زیادہ بڑھا بڑھا کر اپنا کام نکالنا ان گروہون کے مسلک مین داخل ہو گیا تھا،

فی الواقع اگر اس وقت سے لیکر اس وقت تک کی حالت پر نظر ڈالی جائے تو ان گروہوں
کے متصوفین نے غلط غلط تاویلین کر کے تصوّف کو داغ لگا دیا ہے، اگرچہ سب ایسے نہین ہین،
مگر ان گروہون نے اس کثرت سے مذکورالصدر باتون کا رواج دیدیا ہے، کہ شخص دیندار اہل باطن
کو تصوّف کے نام سے نفرت نہ ہو تو تعجب ہے،

علمائے متاخرین و متصوفین شیعہ گروہ مین ان لغو اور دل سے گڑھی ہوئی زندقہ کی باتون
کا کہین نام و نشان تک نہین تھا، مگر بادشاہ سلامت کے خوش کرنے اور اپنے رسوخ و جلب
منفعت کے خیال سے کہین تو متصوفین کے باریک باریک مسائل توحید و تصوّف کو غلط اور
دور از قیاس تاویلین کر کے ناجائز مسئلہ وحدت وجود پر لا کر ڈھال دیا، جو کہ مذہب شیعہ مین نہین
ہے، حالانکہ نقل قول اغیار دوسری چیز ہے اور اپنا معتقد علیہ اور ہے، مگر اس پردہ مین سیکڑون
گذشتہ علمائے حق کی گردنین چھری تلے آگئین، ساتھ اسکے وہ وہ باتین بطور روایت ان کی
طرف منسوب ہونے لگین جنسے درحقیقت وہ لوگ بری تھے، اور جو لوگ زندہ نہ تھے مگر فی الجملہ
عام و خاص ان سے خوش اعتقاد تھے،

اگرچہ اسلام کے دوسرے گروہ کی طرح ان کی قبرون کے ساتھ پرستش کی نظر تو نہ تھی،
مگر عام قبرون سے پھر بھی زیادہ نمودار تھین، اسلیے بادشاہ نے خود جا جا کر ان کا نام و نشان مٹانا
شروع کر دیا، حتّٰی کہ شیراز مین پہنچکر چاہا کہ حضرت شیخ سعدی و حضرت خواجہ حافظ کی قبرین بھی
کھدوا کر منہدم کر دے، اس موقع پر ایک مقرب نے بادشاہ سے عرض کیا کہ بہتر ہے کہ ان
دونون کے کلام سے تفاؤل کیا جائے، اگر فال برخلاف نکلے تو قبر منہدم کر دیجائے، اتفاق
حسنہ کہ شیخ سعدی کے کلام مین سرورق یہ شعر نکلا،

الٰہی بحق بنی فاطمہ رضہ   کہ بر قولِ ایمان کنی خاتمہ

اور حافظ کے دیوان کے سرورق یہ شعر نکلا،

جو ز اسحر نہاد حمائیل بر ‌‌ ‌ یعنی غلام شاہم و سوگند می خورم

بادشاہ نے خوش ہو کر یہ قبرین چھوڑ دین کہ آجتک محفوظ ہین،

مُردون سے گذر کر زندون کی باری آئی شاہی جاسوس مقرر کیے گئے صاحبان ریاضت و حکمائے متالہین برابر متہم کیے جاتے، اور قصاص ہوتے تھے، رفتہ رفتہ چند سال مین اس گروہ صوفی طریقت صافی مشرب کا نام و نشان مٹ گیا،

قاعدہ کی بات ہے، کہ سلطنت کی طرف سے جس بات مین کد ہو اور جھوٹے الزام لگا لگا کر لوگون کو سخت سزائین ہوتی ہون، جہان تک ہو گا لوگ خوف زدہ ہو کر اس سے کوسون دور بھاگین گے پھر وہی چیز کچھ عرصہ کے بعد دلون سے بھی ایسی فراموش ہو جائے گی کہ لوگ اجنب ہو جائین گے،

اس شیعہ گروہ علمائے ریاضت متصوفین بادین و دیانت کے مٹا ڈالنے اور ان کی جڑ بنیاد کھود ڈالنے کے لیے ایک زمانہ مین جبکہ شاہ سلطان حسین صفوی بادشاہ ایران تھا اور جناب علامہ مجلسی قاضی القضاۃ تھے، بارہ سو فاضل صرف اس امر کی تحقیق مین سرگرم تھے کہ دریافت کرین کہ کون الٰہیات و ریاضیات مین مشغول ہے، تاکہ اسکی تردید کرین،

علمائے ظاہر و شریعت محض کا نہایت سختی سے برتاؤ تھا، طہارت جسمانی کے آگے طہارت باطن کا دھیان اور خیال تک نہ رہا تھا، ان باتون کی طرف متوجہ تھے کہ یون ہاتھ کو غوطہ دو، اور یون پاؤن کا مسح کرو اور اس قسم کے بیانون مین بال کی کھال کھینچی جاتی اصل جڑ طہارت باطن و صفائی قلب کے خیال کو پس پشت ڈال دیا گیا تھا ہندوستان کی شیعہ جماعت تو تابع اور شاگرد علمائے عراق و ایران کی ہے، یہی حالت ہندوستان بھر کے شیعون کی ہوگئی کہ باطنیت کا کہین نام تک نہین رہا، بقول جناب آقا احمد مجتہد بہبہانی کے کہ شاخ کو پکڑ لیا، اور جڑ کھو ڈالی

جس زمانہ مین جناب غفران مآب مولانا سید دلدار علی مغفور تحصیل علوم دینی کے لیے عراق تشریف لے گیے تھے، تو علماے باطن مین سے ایک بھی عراق و ایران مین نہ تھا، اور اگر کوئی ہو گا، تو بالکل پوشیدہ پہاڑون مین چھپا ہو گا، حضرت غفران مآب جو سبق وہان سے پڑھ آے تھے، یہان کے شیعون نے طوطون اور میناؤن کی طرح رٹنے شروع کئے، پھر میر انیس مرحوم کے اس مصرعہ کو، "جس پھول کو سونگھتا ہون بو تیری ہے" خلاف شریعت کیون نہ سمجھا جاتا،

راقم موجودہ شیعون کے اعتقادات کو ہرگز برا نہین جانتا، جو ظاہر شرع کے مطیع و منقادین، مگر یہ ضرور کہونگا کہ تصوف ہر مذہب کی روح و جان ہے، اگر اس کو نکال دیا تو مذہب بے روح کے رہ گیا،

اس پرشور زمانہ کی ایک نقل مجتہد جامع الشرائط ظاہری احکام مذہب کے سخت پابند اور فدائی مذہب سید شاہ طاہر رحمۃ اللہ علیہ کی ہے کہ باوجود ان اوصاف کے چونکہ صوفی شیعہ اور خانقاہ نشین تھے، ان پر کیا گذری نقل سے ظاہر ہے، کتاب تاریخ فرشتہ مین مصنف کی چشم دید نقل ہے اور نہایت مستند ہے گو مصنف تاریخ فرشتہ کا مذہب سنت و جماعت تھا، مگر واقعہ صحیحہ کو وہ کیونکر نہ لکھ دیتا،

وہ لکھتا ہے، ملا طاہر جو بعد کو دکنی مشہور ہوے نسل سے سلاطین بنی فاطمہ مصر کے تھے جنھون نے مدتون وہان سلطنت کی تھی، یہ بزرگ عالم متبحر و علامۂ وقت تھے، ان کا مذہب زیدی تھا، مگر تحقیق کے بعد شیعہ اثنا عشری ہو گئے، زوال سلطنت کے بعد مصر سے ایران آئے، اور کاشان مین متوطن ہو گئے، از بسکہ صاحب باطن صوفی ریاضت کیش اور امامیہ اثنا عشر کے فدائی تھے، فرقہ شیعہ کو ان سے اعتقاد پیدا ہوا، اور ان کے مریدان با اخلاص مین داخل ہونے لگے، یہ اس زمانہ کا ذکر ہے کہ ایران مین فرقہ متصوفین کے ساتھ سخت تدارک اور برا برتاؤ ہو رہا تھا، ریاضت و الٰہیات کے مسائل مین

ذرا بھی کسی کو مائل پایا کہ بادشاہ کو رپورٹ پہنچی، اور وہ غریب دنیا سے نیست ونابود کر دیا جاتا تھا، کسی جاسوس نے بادشاہ کو خبر دی کہ سید شاہ طاہر ایک صوفی خانقاہ نشین پیدا ہوا ہے، اور وہ آہستہ آہستہ اپنی قوت واقتدار مریدون کی کثرت سے بڑھا رہا ہے، بادشاہ نے فوراً خفیہ طور سے کچھ لوگ مقرر کئے، اور حکم دیا کہ جاتے ہی مُلّا شاہ طاہر کی گردن کاٹ کر سر اسکا دارالسلطنة مین لے آؤ، حسن اتفاق کہ ارکین خاص شاہی مین ایک شخص مرید شاہ طاہر کا تھا، وہ اپنی جان پر کھیل گیا، اس نے ایک معتمد علیہ کو قبل اس کے کہ حکم شاہی روانہ ہو، مُلّا طاہر کے پاس روانہ کر دیا، اور کہلا بھیجا کہ دم بھر بھی توقف نہ کرین، ممالک محروسہ سے باہر نکل جائین، اس قاصد کی روانگی کے پہر بھر بعد شاہی حکم روانہ ہوا، چنانچہ شاہ صاحب اس خبر کے سنتے ہی تبدیل ہیئت کر کے اور کافی خرچ لیکر بنادر ایران مین سے جو بندر قریب تھا، وہان پہنچ گئے، خوش قسمتی سے ایسے وقت پہنچے کہ ایک تجارتی جہاز لنگر اٹھا رہا تھا، اور ہندوستان کو آ رہا تھا، مُلّا اس پر سوار ہو گئے، جب لنگر اٹھکر جہاز دور نکل گیا کہ شاہی حکم لیکر کنارہ پر لوگ پہنچے، مگر اب کیا ہو سکتا تھا، القصہ جہاز مذکور بندر سورت پہنچا، شاہ صاحب ایک سرا مین مقیم ہو گئے، کچھ عرصہ کے بعد مُلّا صاحب کے عیال واطفال کو مریدون نے کسی طرح ان کے پاس پہنچا دیا،

اسی زمانہ مین جب کہ مُلّا کا قیام سورت مین تھا، دکن سے احمد نگر کے قاضی القضات مُلّا پیر محمد کسی ضرورت سے بندر سورت مین آئے، اور اتفاقاً مُلّا صاحب سے ملاقات ہو گئی، ان کا تبحر علمی دیکھکر عاشق زار ہو گئے، اور ایک مشکل ترین رسالہ سبقاً مُلّا صاحب سے پڑھکر اور بھی انکے دلدادہ ہو گئے، اپنے بادشاہ برہان شاہ کو شاہ صاحب کے حالات کمال سے مطلع کیا، اور مُلّا صاحب بحکم سلطانی دکن آکر نہایت معزز عہدۂ قضات مذہب شافعی پر مقرر ہوئے، کچھ مدت گذری تھی کہ شہزادہ عبدالقادر ولیعہد تپ محرقہ مین مبتلا ہو گیا، بہت کچھ علاج ومعالجہ ہوا کوئی صورت مفید کار نہ نکلی، یہانتک کہ کل معالجین مایوس ہو گئے

علاج موقوف نذورات و عملیات پر نوبت پہنچی، اپنے اپنے بزرگان دین کی نذرون کے لیے سب اہل مذہب والے دامن بھر بھر کر لیجانے لگے مگر کوئی سود مند نتیجہ اس سے بھی جب برآمد نہ ہوا اور مرض مین بعوض خفت کے زیادتی ہونے لگی، تو مُلا طاہر سے نہ رہا گیا، بادشاہ سے بے باک ہو کر کہا، دوازدہ امام کے نام سے نذر کروایئے، اس نذر کے بعد اگر صحت نہ ہو تو میری گردن حاضر ہے، غرض دوازدہ امام علیہم السلام کی نذر کروائی گئی، اسی شب کو شہزادہ کو صحت ہو گئی، اور اسی شب کو سارا محل شیعہ ہو گیا، بروایتے تین ہزار نفوس دو چار روز کے عرصہ مین شیعہ ہو گئے، یہ واقعہ ۹۴۴ھ کا ہے، جس کا جی چاہے کتاب تاریخ فرشتہ مین پڑھ لے،

اس نقل کے لکھنے سے میرا اصل مطلب یہ ہے، کہ شاہ طاہر اتنا بڑا جید شیعہ عالم صرف صوفی ہونے کی وجہ سے کیسی بیدردی سے ایران سے نکالا گیا،

مذکورۂ بالا واقعات و روایات سے ظاہر و ثابت ہو گیا کہ تصوف مذہب شیعہ مین بھی جائز و ممدوح ہے، البتہ جو صورتین دیگر مذاہب مین تصوّف کی ہین، وہ یہان نہین ہین، اس مذہب مین ظاہری عبادت بھی واجب و لازم ہے، شیعہ متصوفین ذات واحد کے قائل ہین، اور کل موجودات پر اسی کا پرتو جانتے ہین، انبیا اور ائمہ کا نفس بہت پاک و شفاف مانتے ہین، اور جنکے نفس پاک و صاف نہین ہین، ان لوگون کو ریاضت و ترک لذائذ وغیرہ کے ذریعہ سے اپنے نفس مین بھی وہ جوہر پیدا کرنا چاہیئے، جس سے پرتو ذات واحد کا حاصل ہو، اسی قسم کی تعلیم شیخ المتاخرین حضرت شیخ علی حزین نے بھی پائی تھی، ہمارے حضرت استاد علیہ الرحمہ فرماتے تھے کہ ہمارے بزرگون مین بھی اسی قسم کا تصوف تھا اور اسی کو صحیح جانتے تھے، اور مین بھی اسی کو صحیح جانتا ہون، راقم کے دادیہالی خاندان کے تقریبًا کل ارکین کا یہی طریقہ رہا، اور ہمارے استاد علیہ الرحمہ بھی اسی قسم کے شیعہ صوفی تھے، ہمارے حضرت کے متعدد کلام سے بھی یہی اعتقاد ظاہر ہوتا ہے، چنانچہ ہفت بند ملا کاشی کی

طرز مضامین مین جو حضرت کا ایک طویل قصیدہ منقبتیہ ہے اس کے چند شعر درج ذیل کئے جاتے ہین،

اشعار

آن خسرو اقلیم دین آن مالک ملک یقین — استاد جبریل امین یعنی امیرالمومنین
دانائے راز کبریا، داماد ختم الانبیا — سردفتر اہل صفا سلطان فرمای متین
موسیٰ بہ فیضش کامرس عیسیٰ از و صاحب نفس — با مصطفےٰ ہمراز و بس مارا امام اولین
صفدر لقب خیبرشکن، بنیاد عنتر برفگن — وصفش نہ گنجد در دہن چون مدح رب العالمین
جز آنکہ با صد آرزو دارد سر ایمان فرو — جز انیکہ سر باز داز و با کس ندارد مہر و کین

وغیرہ وغیرہ،

خلاصہ یہ کہ محققین شیعہ کے ہان بھی تصوف ابتدا سے جاری رہا، جبکو شاہ اسمٰعیل صفوی نے بخوف زوال سلطنت عالمون کے ذریعہ سے بالکل مٹا دینے کی کوشش کی تھی، اور ایک حد تک کامیاب بھی ہوا، تاہم دنیائے شیعہ متصوفین و محققین علوم باطنیات سے خالی نہین ہے، اسوقت بھی خصوصًا ایران مین اس مسلک کے بہت لوگ نکلین گے جو زیادہ تر درویشون کے لباس مین ہین،

باب ششم

حضرت کے اساتذہ و تلامذہ

حضرت کے اساتذہ

حضرت کے ناناجان کے علمی تبحر کا حال تو مین باب اول مین اور نیز باب دوم مین بیان کرچکا ہون، علاوہ علوم منطق و حکمت کے ادبیات مین بھی آپ کو دستگاہ کامل تھی باتون باتون مین پچاس ساٹھ شعر کا عربی قصیدہ کہدینا کوئی بات ہی نہ تھی،

ایسے علمی خانوادہ مین کوئی جاہل کیونکر رہ سکتا تھا جہان تین نشست گاہین تھین، اور سب جگہ درس بھی ہوا کرتا تھا، اوّل تو علامۂ وقت حضرت سید شاہ کمال علی مغفور (ہمارے حضرت کے بڑے ناناصاحب) تھے جو شہر کے فضلا کو معقولات و منقولات پڑھاتے تھے، مولانا گلزار علی بنارسی مشہور ریاضی دان حضرت کے شاگرد تھے، اور اس زمانہ کے متعدد علما کو شرفِ شاگردی حاصل تھا، مولوی احمدی صاحب (حضرت کے ناناصاحب کے ملازم) جنسے ابتدائی عربی کتابین ہمارے حضرت نے بھی پڑھی تھین، گھر مین جو طلاب رہتے تھے ان کو درس دیا کرتے تھے، ایک بڑی خلوت مین حضرت مولانا سید شاہ وارث علی اشکی و حضرت مولانا سید شاہ جمال حسین صاحب جمالؔ (ہمارے حضرت کے دونون مامون

صاحبان) تشریف رکھتے تھے،

یہان کثرت سے اس وقت کے شعرا کا مجمع رہتا تھا جنمین زیادہ تر فارسی گو تھے، اور ان شعرا مین بعض وہ تھے جو خود اپنی اپنی جگہ علمِ استادی بلند کئے ہوئے تھے، شہر مین کثرت سے مشاعرے ہوتے تھے علی الخصوص محلہ بہوا گنج مین نواب مرزا جنگلی بہادر نے جن تیاریون کے ساتھ مشاعرے کئے وہ دیدنی تھے،[۱]

[۱] امیر الممالک نواب مرزا جنگلی مرحوم ابن نواب شجاع الدولہ وزیر الممالک بن نواب صفدر جنگ نواب وزیر اودھ تھے، نواب شجاع الدولہ کو ایک صاحبزادہ تو پہلی شادی سے تھا، یعنی نواب محمد اسحق خان بخشی الممالک کی صاحبزادی کے بطن سے، یہ شادی بہ تجویز و خرچ بادشاہی ایسی تیاری و دھوم سے دلی مین ہوئی تھی کہ مورخین کا اس پر اتفاق ہے کہ بجز فرخ سیر بادشاہ کی شادی کے اور کسی امیر کی شادی دلی مین نہ ہوئی، نہ ایسی برات نکلی، و اعلحضرت محمد شاہ بادشاہ اس کے مہتمم تھے، یہ صاحبزادی بھی عجب ذی رتبہ پڑھی لکھی فاضلہ و شاعرہ خوشنویس ہفت قلم تھین، میدان کارزار مین ہمیشہ شوہر کے پہلو بہ پہلو رہین بعض معرکون مین فوج کی کمان بھی کرتی تھین، شجاع الدولہ مرحوم کو پہلی بیوی کے بطن سے صرف ایک ہی اولاد نرینہ ہوئی، جنکا خطاب نواب آصف الدولہ تھا، بعد باپ کے ملقب بہ وزیر الممالک اودھ گورکھپور الہ آباد وغیرہ کے برائے نام صوبیدار تھے، لیکن حقیقت مین فرمان روا تھے، متفرق بیویون سے نواب شجاع الدولہ کے تین فرزند اور بھی تھے، منجھلے امین الدولہ نواب سعادت علی خان جو بعد نواب آصف الدولہ کے فرمان روا ہوئے، اور سعادت علی خان کی اولاد مین یہ فرمان روائی واجد علی شاہ مرحوم کی ذات پر ختم ہوئی، خلاصہ یہ کہ نواب آصف الدولہ جب مسند نشین ہوئے تو نواب سعادت علی خان اپنے سوتیلے بھائی سے متوہم تھے، یہ اودھ کے چھوڑ دینے پر بامداد ایسٹ انڈیا کمپنی مجبور کئے گئے، نواب مرزا جنگلی بہادر جو بلحاظ عمر سنجھلے تھے اور ان کے چھوٹے بھائی نواب مرزا مینڈھو بہادر عظیم آباد کے قیام پر مجبور کئے گئے، لکھنؤ سے وزیرانہ سامان کے ساتھ عظیم آباد مین دونون بھائی سیکڑون ملازمون کے ساتھ آکر تا عمر قیام گزین ہوگئے، نواب مرزا جنگلی بہادر کو انگریزی کمپنی نے رہنے کو قطعہ زمین محلہ بہوا گنج مین دیا، لب دریا شاہانہ عمارتین تعمیر کروا کر قیام کیا، بعد آپ کے کوٹھی نیلام ہوئی کنا پانڈے نے خرید کی پھر ان کے متبنی رام کشن پانڈے کو ملی، قرض کثیر مین پھر نیلام ہوئی، اب خدا جانے کس کے قبضہ مین ہے، مرزا مینڈھو بہادر نے محلہ مغلپورہ مین قیام کیا، دونون امرا نے عظیم الشان باغ و عمارات تعمیر و آراستہ کئے تھے، ان کی سواریان اسی سامان و دھوم دھام سے نکلتی تھین، جیسا کہ اس زمانے کا دستور تھا، نواب مرزا جنگلی خود شاعر تھے، شعرا بھی ملازم تھے، جہان جہان گئے وہان صحبتِ مشاعرہ بھی برپا کی، چنانچہ دہلی مین جو مشاعرے کئے ان کی کیفیت تذکرۂ آبِ حیات مین لکھی ہے، عظیم آباد مین بھی خوب خوب مشاعرے کئے، مشاعرہ کے پہلے تودے بٹتے تھے، مصاحبین خاص شعرا کو اور خاص خاص لوگون کو مدعو کیا کرتے تھے، یہ بات مشہور ہے کہ مرزا جنگلی بہادر نے کسی کی تعظیم نہ کی، مگر حضرت اشکی و حضرت جمال سے بغلگیر بھی ہوئے اور اپنے متصل بٹھایا اور بہت تعریفین کین، جب سے دہلی کے مشاعرہ مین اپنے بیٹھنے کی مسند اٹھوا دی تھی، پھر مشاعرہ مین مسند نہ بچھوائی، تمام لوگون کی طرح فرش پر دوزانو آخر مشاعرہ تک بیٹھے رہتے تھے، البتہ کسی کے آگے پیچوان یا حقہ نہین لگایا جاتا تھا، دوسری طرف حجاب مین حقے اور پیچوان تیار دھرے رہتے تھے جو چاہتا تھا آزادی سے اٹھکر پی آتا تھا، صحبتِ مشاعرہ مسلسل تین چار دن تک رہتی تھی، ہر جلسہ شام سے دو بجے رات گئے تک

ہمارے حضرت فرماتے تھے کہ ماموں جان کو دہلی جاکر مشاعروں کی شرکت کا شوق نواب مرزا جنگلی ہی نے دلوایا، اور فرمایا کہ آپ کا خانوادہ تو فقیری کا ہے بہتر تو یہ ہے کہ آپ لوگ دہلی جاکر حضرت خواجہ میر درد صاحب سے تلمذ اختیار کریں کہ وہ بھی مرتاض اہل دل فقیر ہیں، ان دونوں حضرات کے دہلی جانے اور خواجہ میر درد صاحب سے تلمذ کی کیفیت جہاں تک استاد مرحوم سے سنکر مجھ کو یاد رہگئی ہے بیان کرونگا،

چنانچہ اس سفر کے واسطے دونوں صاحبوں نے اہتمام کیا، ایک رتھ دو گھوڑے اور چار پانچ ملازم ساتھ لیے، رستہ کبھی گھوڑوں کبھی رتھ پر طے ہوا، دوپہر کا وقت تھا کہ دہلی میں داخل ہوئے، پہلے کاروان سرا میں کچھ دیر کے لیے ٹھہر گئے، سرا والے ملازموں اور وہاں کے آرام دہ سامانوں کو دیکھکر پہلے دونوں بھائیوں کی یہ رائے ہوئی کہ یہیں مقام کرلینا چاہیئے، (عجب با امتیاز شہر تھا) جب سرا والی بھٹیارنی کو ان حضرات کے ملازموں سے یہ معلوم ہوا کہ دونوں حضرات پٹنہ کے چیدہ امرا میں ہیں، اور کس غرض سے آئے ہیں، اور کتنے عرصہ تک قیام فرمائیں گے، ان باتوں کو اس نے سوچا، اور سامنے آکر ادب سے سلام کیا ہاتھ جوڑکر کہنے لگی آپ ایسے بھاگوان لوگوں کا اس غریب کی ٹوٹی پھوٹی سرا میں

بقیہ حاشیہ صفحہ (۱۵۶) رہتا تھا، پھر صبح تک ناچ ہوا کرتا تھا، جو شخص ایک بار مشاعرہ میں پڑھ چکتا تھا، دوبارہ پڑھنے کی اجازت نہیں دی جاتی تھی، ان کا شمار سامعین میں ہوتا تھا، مبالغہ کے ساتھ تعریف کرنا، یا طنز کرنا، یا اعتدال سے زیادہ غل مچانا، یا قہقہہ لگانا، بے ترکیبی سے بیٹھنا، آداب مجلس کے خلاف تھا، بلکہ ناممکن تھا، علاوہ تقسیم تورہ کے مشاعرہ میں طعام داری ہوا کرتی تھی، نواب صاحب خود دسترخوان پر کھڑے رہ کر لوگوں کو کھانا کھلواتے تھے، اور ہر شخص سے خلق و تواضع سے پیش آتے تھے،

اے سرزمین عظیم آباد! تیری خاک پر بھی کیا کیا صحبتیں ہوئیں اور پھر ایسی مٹ گئیں کہ آج کہیں پتہ ہے نہ نام و نشان ہے، کوئی یہ بھی نہیں جانتا کہ اس نام کا کوئی امیر بھی تھا، وہی امیر الممالک آج شاہ ارزان کی درگاہ میں خواب واپسیں کر رہا ہے،

قدم آیا، زہے نصیب ہمارے، آپکے غلامون کے رہنے کے قابل بھی یہ سرا نہین ہے، چہ جائکہ آپ، اگر دو چار ہی دنون کے لئے قیام کا قصد ہوتا تو خیر ہم اپنی سعادت سمجھ کر غریبانہ جو کچھ ہوسکتا سامان آرام دہی کا کرتے، لیکن جب کہ چند دنون قیام کا قصد مصمم ہے تو لونڈی کی یہ رائے نہین ہے کہ اس سرا مین قیام فرمائین، بلکہ ہزار درجہ یہ بہتر ہے کہ ایک آرام دہ مکان جسمین سر راہ کوٹھا بھی ہو کرایہ کر لیا جائے دونون صاحبون نے کہا کہ مکان مستقل لینے سے یہ مشکل ہے کہ سب چیزین ضروری و آرام دہ خرید کرنی پڑینگی، سراوالی بولی حضور نہین اس گھر کے جو صاحب مالک ہونگے جتنی چیزون کی ضرورت ہوگی حضور فرمائین گے یا لونڈی کو حکم دینگے مناسب کرایہ پر فوراً فراہم ہوجائین گی، حضور یہ دلی شہر گو گیا گذرا ہے، مگر اب بھی اتنا رہ گیا ہے کہ مسافر کو کسی طرح کی تکلیف نہین ہونے پاتی، خدا میرے جہانپناہ کے دن کو پلٹائے تو آج بھی یہ دلی وہی دلی ہے۔ یہ کہکر وہ اتنا روئی گویا اسکا کوئی عزیز مر گیا ہو، تب دونون صاحبون نے آپس مین مشورہ کرکے یہی رائے پسند کی اور کہا ہم لوگون کو بھی تمھاری ہی رائے پسند ہے، اچھا تو ایک گھر ٹھہرادو، بھٹیارن نے کہا قربان جاؤن اسی سرا کے برابر ایک مکان معقول ہے، کسی وقت اس کے مالک جب اچھی حالت مین تھے تو خود رہتے تھے، جب سے تباہی آئی خدا جانے کدھر چلے گئے کہ ابھی تک سال ہوا کچھ کھوج خبر نہین ہے، بی بی بیچاری دوسرے گھر مین اُٹھ گئی ہین، وہ مکان کرایہ پر لگا دیا ہے۔

غرض تھوڑی دیر کے بعد ان صاحبون نے اس گھر کو جا کر دیکھا سرا سے متصل اور آرام دہ مکان تھا، یہ حضرات سمجھے کہ اس ارزان زمانہ مین کم از کم بیس روپیہ ماہانہ کرایہ کا ہوگا، دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ پانچ روپیہ ماہانہ کرایہ ہے، بلا رد و بدل خوش ہوکر اسباب اٹھوا منگوایا، بھنگنین، خدا سلامت کہکر ہاتھ جوڑ کر بولین کہ حکم ہو تو صاف کر دیا جائے، چار پیسے مزدوری لیکر صاف کرکے سارے گھر کو آئینہ بنا دیا، خلاصہ یہ کہ اسی بھٹیارن کی معرفت سارا سامان فرش و فروش پلنگ

چاندنیان، قالین وغیرہ سب فوراً کرایہ پر آ گئے، اور ان سب چیزون کا ماہانہ کرایہ صرف پانچ روپئے
ایک باورچی بھی مقرر ہو گیا پچیس روپیہ ماہانہ پر دو آدمیون کا خاصگی کھانا تین وقت اور چار ملازمون
کا کھانا بھی، اس مین ایک جوڑی عمدہ بیلون کی اور ایک رتھ بھی سواری کے لیے ڈیوڑھی پر
بندھ گیا، جسکا ماہانہ کرایہ صرف آٹھ نو روپیے قرار پایا،

ناظرین راقم نے اس بیان کو جو صراحت سے لکھا ہے اس سے مقصد یہ ہے کہ معلوم ہو
کہ دہلی جب اپنے کل سامانون کے ساتھ پچی بچی ہو گی تو اسکی کیا حالت ہو گی کیسی ارزانی ہو گی
اور کس قدر وفور نعمت ہو گا، اللہ اللہ،

غرض دلی پہنچنے کے دوسرے دن نہا دھو کر تبدیل لباس کے بعد رتھ پر سوار ہوئے،
اور چار گھڑی دن چڑھے خواجہ صاحب کے آستانہ پر پہنچ گئے، سیڑھیون کے متصل ایک چھجا
سا تھا، وہان پگڑی باندھے بالا برکا انگرکھا پہنے کمر باندھے کوئی ملازم تھا، کھڑا ہو گیا، صاحب
سلامت کر کے مؤدب ہو کر پوچھا آپ صاحبون کا کہان سے تشریف لانا ہوا، دونون صاحبون
مین سے کسی نے کہا، پٹنہ سے یہ سنکر اس نے کہا کیا پٹنہ عظیم آباد سے فرمایا ہان وہین سے، وہ آدمی
خوش ہو گیا، اور بولا کہ میان مین تو چار برس تک عظیم آباد مین رہ کر آیا ہون، حضرت شاہ گھسیٹا
صاحب مجھ کو دہلی سے ہمراہ لے گئے تھے، چار برس تک ان کی جوتیان سیدھی کین، عظیم آباد
کے لوگون کا کیا کہنا بڑے غریب نواز ملنسار وہان کے رئیس ہین، اور دہلی والون کے تو عاشق
ہین (ہاتھ سے اوپر اشارہ کر کے) کہا مین تو ان حضرت (خواجہ صاحب) کا مرید ہون، پٹنہ مین
دل نہ لگا چلا آیا، کوئی چھ ہی مہینے تو آنے کو ہوئے ہین، پوچھا آپ صاحب کیا ہمارے حضرت
کی بیعت چاہتے ہین، فرمایا نہین کسی اور غرض سے دہلی آنا ہوا، کہنے لگا مین اطلاع کئے دیتا ہون
لیکن حضرت پوچھین گے کہ تو تو اتنے دنون عظیم آباد کی خاک چھان آیا تھا بتا کون لوگ ہین کیسے

ہین، فرمایا کہ کہدینا مولانا سید شاہ کمال علی صاحب کے بیٹے ہین، اس نے کہا اخاہ دھولپورہ مین ناواہ
مین تو وہان دو مرتبہ حاضر ہو چکا ہون فوراً اوپر گیا لمحہ بھر مین وہ اور ایک اور صاحب سن رسیدہ
سیڑھیون سے اترے بڑے تپاک سے ملے اور اشارہ کیا کہ حضرت مشتاق ہین اور عذر کیا ہے کہ
گھٹنون کے درد کی وجہ سے مجبور ہون اترنا دشوار ہے، ورنہ خود حاضر ہوتا، الغرض ان کے ہمراہ یہ دونون
حضرات اوپر گئے، حضرت خواجہ صاحب ایک نورانی صورت کے بزرگ رنگت گوری بدن بھرا بھرا
خشخشی داڑھی ڈھیلا صندلی کرتا گلے مین کان دار دوپلی ٹوپی چھینٹ کی اس پر ایک صندلی مختصر سا
ایک پٹا لنگی دوہر کاندھون پر ڈالے پشت پر ایک بڑا گاؤ لگا تھا، جب تک یہ حضرات وہان پہنچین
دو شخصون کی استعانت سے بمشکل کھڑے ہو گئے، آؤ بھائی آؤ فرما کر دونون صاحبون کو گلے سے لگا
لیا، یون ملے گویا ہمیشہ سے شناسائی تھی، دونون صاحبون نے مصافحہ کر کے ہاتھ چومے، گو مریدان
خالص الاعتقاد کا اکثر خانوادۂ فقرا مین پاؤن چومنے کا دستور ہے، مگر ان صاحبون نے یہ رسم ادا نکی،
نہایت مؤدب ہو کر دو زانو بیٹھ گئے، حضرت خواجہ صاحب نے مزاج پرسی کر کے پوچھا کہ اس
اجڑے دیار مین کدھر آنا ہوا، عرض کیا قدمبوسی اور فیض پانے کے لیے، خواجہ صاحب نے فرمایا، تمہارا
خانوادہ خود آفتاب کی طرح سارے ہندوستان پر پرتو انداز ہے تم کو اسکی کیا ضرورت ہے،
ایک دھکدھکاتے ٹمٹماتے چراغ سے رجوع کرو (گویا خواجہ صاحب نے یہ سمجھا کہ دونون حضرات
بیعت حاصل کرنے آئے ہین)

حضرت اشکی نے عرض کیا ہم لوگون کو یقین ہے، یہ وہ نور ہے جسکا پرتو آفتاب پر بھی ہے،
لیکن ہم لوگ تو زیادہ تر پیاسے دریائے سخن کے ہین، اگر ایک قطرہ بھی اس دریا کا نصیب ہو جائے
تو کیا کہنا عمر بھر سیراب رہین، خواجہ صاحب نے فرمایا، آپ دونون حضرات اہل سخن سے ہین، تو
بھائی سچ یون ہے کہ فقیر تو شعر و سخن سے نابلد ہے، فقط واردات دل کو کبھی کبھی نظم کر لیا کرتا ہے،

یا دش بخیر اگر پوچھو تو سید محمد تقی میر یا مرزا رفیع السودا، اس وقت استادان ریختہ فارسی سے بھی پورے آشنا ہین، ان حضرات سے رجوع بہتر ہے، افسوس ہے کہ زمانہ نے سخت مجبور کر دیا، چند دن ہوئے کہ میر صاحب لکھنؤ تشریف لے گئے، یہ فرماکر ایک شعر میر صاحب کا پڑھکر اس قدر آبدیدہ ہو گئے کہ رومال سے آنکھون کو پاک کیا، ؎

میر دلّی مین جی نہین لگتا — کون رو رو کے زندگی کاٹے

حضرت اشکی نے عرض کیا درست ہے، وہ حضرات اپنی جگہ استادان وقت ہین، مگر ہم بھوکے کسی اور ہی نعمت کے ہین، ان کے مذاق کچھ اور ہی چاشنی چاہتے ہین، یہ کہکر حضرت اشکی نے اپنا مطلع پڑھا،

نازہی اس پر کہ اشکی خاک پائے درد ہون — ہر گھڑی آنسو بہاتا ہون خود آہ سرد ہون

خواجہ صاحب نے فرمایا، اشکی صاحب کیا اچھا مطلع آپ نے فرمایا ہے بہتر ہے کہ دوسرے مصرعہ کو یون فرمایئے، "کیون نہین اکثر کراہون مبتلائے درد ہون"، حضرت اشکی نے اٹھکر سلام کیا، پھر حضرت جمال کی طرف متوجہ ہوکر فرمایا کہ بھائی تم کیا تخلص فرماتے ہو، ہاتھ جوڑکر انھون نے بھی ایک شعر پڑھا، ؎

صد شکر اے جمال کہ مین اہل درد ہون — محزون ہون سر سے پاؤن تلک کیون نہ زرد ہون

خواجہ صاحب نے سنکر فرمایا ماشاء اللہ دونون صاحب طبع عالی رکھتے ہو، ساتھ اسکے زبان کیا پیاری اور ستھری پائی ہے، بیشک بھائی تم اہل درد ہو، مگر میرے نزدیک تم بھی اپنے دوسرے مصرعہ کو یون پڑھو۔ "سجدے کرو جمال کہ ہمدرد درد ہون" انھون نے بھی فرشی سلام کیا، دونون صاحبون نے ہاتھ باندھکر عرض کیا کہ آج کا دن زندگی مین کیسا ہم لوگون کے لیے مبارک تھا فیض اصلاح سے ایسے یکتائے عصر بزرگ کے کامیاب ہوئے،

اتنا سنکر حضرت گویا کچھ متاثر ہوئے کچھ دیر آنکھین بند کر کے بطور مراقبہ کے خاموش رہے، پھر آنکھین کھولین چہرہ بشاش ہو گیا اور پوچھا کہ بھائی کتنے دنون قیام کا قصد ہے، عرض کیا رجب کی تیرہوین تک (جس دن حضرت کی خانقاہ مین عرس شریف ہوا کرتا ہے، اور دور دور تک اسکی شہرت ہے) اور گویا چار مہینے اسکو باقی ہین، تب تک تو ضرور حاضر رہنے کا قصد ہے، فرمایا ہان بھائی اگر تم یہ چاہتے ہو جیسا کہ ابھی کہہ گئے ہو کہ ہم لوگ وہی نعمت اور چاشنی کے جویا ہین تو جب تک ان صحبتون مین جنمین مین اپنے پدر بزرگوار رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کے فوائد بیان کرتا ہون شریک نہ ہو وہ چاشنی کیونکر پیدا ہو سکتی ہے، اب یہ ارشاد کرو کہ تم نے جب اس فقیر کی محبت سے یہ سفر سخت اختیار کیا اور دہلی آئے تو سیدھے فقیر ہی کو کیون نہ سرفراز کیا، یہ بھی بتاؤ تم کہان اترے تاکہ آدمی جاکر وہان سے تمہارا سامان سب اٹھا لائے،

اب تو ان صاحبون کو جواب دیتے بن نہ پڑی، بے اختیار دست بستہ ہو کر عرض کیا کہ ہم لوگون کی عین سعادت ہے کہ جب تک حاضر رہین اسی آستانہ کے جاروب کش رہین، لیکن اس وقت بھی اجازت ملجائے کہ جس گھر اور سامان کو فلان محلہ مین بکرایہ لیا ہے چندے وہین قیام رکھین، اور روزانہ ایک وقت قدمبوسی مین حاضر رہین، فرمایا کہ یار شاطر نہ کہ بار خاطر جیسی مرضی، یہ فرما کر خادم کو جو ہر وقت دست بستہ سامنے حاضر رہتا تھا کچھ ارشاد کیا وہ چلا گیا تو فرمایا کہ سنو بھائی ہمارے یہان کا یہ دستور چلا آتا ہے کہ بر وقت حصولِ تلمذ تھوڑی سی مٹھائی مولا مشکل کشا کی نذر کر کے دعائین پڑھکر شاگرد کو کھلاتے ہین، یہ سنکر ان حضرات نے عرض کیا کہ بہت مبارک اور دس روپے مٹھائی کے لئے نکالے، حضرت نے فرمایا کہ نہین بھائی اتنے کی کیا ضرورت ہے دو چار آنے بہت ہوتے ہین، اس وقت تو مین نے لانے کو بھیجدیا ہے،

اتنے مین دو تانبے کے قلعی دار برتن مین برفیان آئین حضرت نے لوبان دان

جلوایا اور بڑے ادب کیساتھ باوجود پاؤن مین درد شدید کے کھڑے ہوکر نیاز دی، کچھ دیر دعا کرتے
رہے، پھر ایک ایک ڈلی برفی دونون صاحبون کو اپنے ہاتھ سے کھلادی اور برکت کی دعائین دین
اتنے مین توپ کی آواز آئی اور ساتھ ہی نقارہ کی تو خود فرمایا کہ دوپہر کی توپ اس ویران قلعہ معلی
مین چلتی ہے اور نقارہ بھی وہین بجتا ہے،

بعد اس کے ایک ملازم نے حاضر ہوکر فراشی تین سلام کئے اور عرض کیا کہ دسترخوان
تیار ہے، حضرت نے عجب ہمدردی کے لہجہ مین ارشاد کیا، کیون بھئی اس وقت یہ فقیر دن کے
سوکھے ٹکڑے بھی قبول کروگے یا نہین، انکار ممکن نہ ہوا، دوسرے کمرہ مین نہایت سفید
شفاف بڑا دسترخوان بچھا تھا، اس پر رکابیون اور پیالون مین اقسام کے نفیس کھانے تھے،
پندرہ سولہ طلاب وغیرہ متعلقین بھی نہایت ادب سے سلام کرکر کے حسب مراتب دسترخوان
پر آبیٹھے، ایک جانب جناب اشکی کو دوسری طرف جناب جمال کو بٹھایا، دو خدمتگار خالی
رکابیون مین روٹیان کباب اور سالن وغیرہ لگانے لگے، ان دونون صاحبون کی رکابیون
مین اپنے ہاتھ سے روٹیان اور کباب اور سالن وغیرہ عنایت کئے، آخر مین پلاؤ آیا، پھر
میٹھے چاول آئے اور تقسیم ہوئے (معلوم ہوا کہ روزانہ دونون وقت اسی طرح دسترخوان پر
یہی غذائین رہتی ہین، دس بیس لوگ ہمیشہ کھاتے ہین) خود حضرت کے آگے صرف ایک
پیالا تھا، آپ نے سرپوش اتار کر نوش فرمایا، یہ اس وقت نہ معلوم ہوا کہ اس مین کیا تھا، بعد کو سنا
گیا کہ آپ ہمیشہ مونگ کی کھچڑی کے سوا اور کوئی چیز نوش نہین فرماتے، وہ بھی فقط ایک ہی وقت

کھانے سے فارغ ہوکر دونون صاحب رخصت ہوکر فرودگاہ پر آئے، سر شام ایک
خدمتگار کی معرفت رکابیون مین پانچ رنگترے پانچ بڑے امرود اور پانچ ناشپاتیان حضرت
نے بھیجین، ایک پرچہ اوپر حضرت اشکی اور حضرت جمال کے نام نیچے ایک شعر دست مبارک سے لکھا تھا

راقم کے حضرت استاد علیہ الرحمۃ فرماتے تھے کہ جواب مین ان حضرات نے بھی الگ الگ
چند شعرون مین شکریہ ادا کیا، مگر افسوس کہ یاد نہ رہا،

راقم نے کوشش کی کہ جس جس طرح جس شیرین زبانی اور وسعتِ بیان کے ساتھ یہ نقل حضرت استاد اکثر ارشاد کیا کرتے تھے، اس طریقہ سے مین اس صفحۂ قرطاس پر جگہ دون، مگر ناظرین مین سچ عرض کرتا ہون کہ چالیس بیتالیس برس کے بعد اب جو کچھ کہ مجھ کو یاد آیا، اسی کو قلمبند کیا، مین اس بات کا یقین دلاتا ہون کہ ہمارے استاد مغفور جس لطف کے ساتھ اس بیان کو ادا فرماتے تھے، اسکا عشر عشیر بھی مجھ سے نہ ہوسکا، ہمارے استاد مغفور کا طریقۂ معاشرت ہو بہو جیسا کہ سنا گیا ہے، جناب خواجہ میر درد علیہ الرحمۃ سے بہت کچھ ملتا جلتا تھا، خود حضرت سے بارہا سنا کہ جب سے جناب اشکی اور جناب جمال دلی سے مراجعت کر کے وطن آئے تو سابق کے رکھ رکھاؤ کی نسبت فرق عظیم ہو گیا تھا، شان ذی کمالی کو آخر وقت تک دونون صاحب نباہے چلے گئے، اور وہی طریقہ ہمارے استاد مغفور کی فطرت مین بچپنے سے سما گیا تھا،

فی زمانناً جو حرکات تلامذہ کے اپنے استادون کیساتھ ہین کیا بیان کئے جائین، ؎

دل ہمہ داغ داغ شد ۔ پنبہ کجا کجا نہم ...

انشاء اللہ اگر موقع ملا تو اس بیان کو تفصیل وار کسی جگہ لکھ جاؤنگا، تاکہ ناظرین کو حیرت و عبرت ہو،

غرض دونون حضرات بعوض چار مہینے کے سات آٹھ مہینے دلی مین رہ گئے، اس عرصہ مین سیکڑون ہی غزلون کی اصلاح کی نوبت آئی، جناب خواجہ صاحب علیہ الرحمۃ کا طریقۂ اصلاح یہ تھا کہ شاگرد کے کسی شعر مین اگر بالکل ہی مجازی مضمون ہوتا تھا یا تو کوئی لفظ بڑھا کر حقیقت کا پہلو رکھدیتے تھے یا اس شعر ہی کو کاٹ دیتے تھے اور پندرہ شعر سے زیادہ کسی غزل کی اصلاح نہ دیتے تھے، ایک شاگرد کے سامنے دوسرے شاگرد کے کلام پر اس طریقہ سے کہ دوسرا

اس سے مطلع ہو اصلاح نہ دیتے تھے،

جس زمانہ مین حضرت اشکی اور حضرت جمال دلی مین تشریف رکھتے تھے، پانچ چھ شاگردون سے زیادہ حضرت خواجہ صاحب کے شاگرد نہ تھے، ہر شاگرد کی اصلاح کا ایک دن مقرر تھا اس دن خاص کرکے وہ شاگرد حاضر خدمت ہوتا، اور آداب بجالا کر آگے بڑھتا اور حضرت خواجہ صاحب کے پائے مبارک پر ہتھیلی رکھکر اپنی پیشانی اور آنکھون کو اس ہتھیلی سے مس کرتا اور اپنی جگہ سر جھکا کر بیٹھ جاتا اور مجال نہ تھی کہ بغیر حضرت کے اشارہ کے اصلاح کے لیے غزل پیش کرے یا زبان سے عرض کرے، خود حضرت صاحب پوچھتے کیا کوئی غزل اصلاح کے لیے لائے ہو تب اشارہ پاکر سامنے حاضر ہوتا، اور آپ غزل لیکر ملاحظہ کرنا شروع کرتے، شاگرد وہین سامنے حاضر رہتا، اگر کوئی لفظ مشکوک ہوتا، تو حضرت اس لفظ پر انگشت رکھکر اس سے پوچھتے اور وہ باہستگی جواب دیتا، غزلون پر زیادہ اصلاحین بھی نہ دیتے تھے، صرف چیدہ مقام پر اصلاح دے کر حوالہ کر دیتے تھے، وہ اسی طرح حضرت کے پاؤن کو ہاتھ لگا کر اپنی پیشانی اور آنکھون کو مس کرتا، اور تین تسلیمین بجالا کر اپنی جگہ آبیٹھتا،

شاگرد کو زیادہ شوق دلوانے کی یہ صورت تھی کہ کسی برجستہ شعر کا قافیہ کہکر اسکی طرف خطاب کرتے کہ بھئی اس قافیہ والا اپنا شعر تو پڑھو اور حاضرین سے مخاطب ہو کر فرماتے دیکھو بھئی کیا اچھا شعر کہا ہے، جسکی تعریف جناب خواجہ صاحب کرین اسکا کیا پوچھنا، چار طرف سے آواز تحسین بلند ہونے لگی، اس سے بھی زیادہ اگر کوئی شاگرد معزز ہوتا تو اس موقع پر اس کے شعر کی شرح بیان کرکے اسکا لطف دوبالا کر دیتے،

دہلی بھی کیا شہر تھا کہ آئے دن کی لوٹ مار امرا کی تباہی نصف شہر سے زیادہ خالی ہو جانے اور بے روزگاری پر بھی کوئی ہفتہ ایسا تھا کہ کسی نہ کسی محلہ مین صحبت مشاعرہ نہ ہوتی ہو، لطف یہ کہ

مشاعرہ مین جسکا شعر چوکھا ہوتا تھا، سارے شہر مین مشہور ہوجاتا تھا، جہان دیکھیے وہی شعر وِردِ زبان ہے، راتون کو بازارون مین گایا جارہا ہے، جہان دیکھئے ایک مشاعرہ کے بعد دوسرے مشاعرہ کے ہونے تک خواص سے لیکر عوام تک اس مشاعرہ پر ریویو کررہے ہین،

استاد مرحوم و مغفور فرماتے تھے کہ حضرت میر درد کا اردو دیوان بھی سودا و میر کے دیوان سے کم نہ تھا، مرہٹون کی لوٹ مار کے زمانہ مین توپ کا گولہ حضرت کے گھر پر ایسا گرا کہ کتب خانہ مین آگ لگ گئی، حضرت کی نایاب کتابین اور حضرت کے والد ماجد شاہ ناصر عندلیب تخلص کا کلام اور حضرت کے چھوٹے بھائی کا کلام غرض ان سب کے کلام جل کر خاک ہوگئے، اب جو مختصر سا خواجہ صاحب کا موجودہ دیوان مشہور ہے، وہ لوگون نے سنی سنائی غزلین جو جمع کر رکھی تھین، اسکا مجموعہ ہے، کلام کا تلف ہوجانا، چورون کا چرالینا، آگ لگ کر جل جانا عجب اتفاق کہ اس خانوادہ کی میراث مین داخل ہوگیا ہے،

شاہ ناصر صاحب عندلیب خود خواجہ صاحب اور ان کے بھائی کے کلام کا حال تو سن چکے، حضرت اشکی و حضرت جمال کے ضخیم دیوان ریختہ و فارسی ایسے معدوم و مفقود ہوگئے کہ آج بجز چند سنے سنائے شعرون کے ایک غزل بھی پوری ہمارے ہاتھ نہین آئی، استاد مغفور کے ضخیم اردو، فارسی کلام کی قریب قریب یہی حالت ہوئی آگ لگ کر جل الگ گئے، چور کمبخت نے الگ چرایا، تلف الگ ہوگئے، دیکھئے ان کے نام لیواؤن کے کلام کی کیا نوبت ہوتی ہے، چرانے والون نے تو قریب قریب تین حصون کے دبا ہی لیا، آگے اللہ مالک ہے؛

حضرت اشکی و حضرت جمال سات مہینے دلی مین رہے تین چار عرسون مین بھی شریک ہوئے، صحبت عرس کی کیفیت جیسی سنی ہے خدا کی قدرت یاد آتی ہے، خواجہ صاحب کا وسیع مکان بڑے دروازے اوپر کی چھت اور کمرون سے لیکر صحن اور سب دالان روشنی سے بقعۂ نور

بجاتے تھے، شہر کے موجودہ اعیان مین ہو یا ارباب نشاط یا ارباب کمال مین کون ایسا تھا جو انمین شریک نہین ہوتا تھا، تین تین چار چار جگہ شب و روز انواع طعام و فواکہات کے وسیع دسترخوان ہر وقت بچھے رہتے تھے، سیکڑون من کی پخت ہوا کرتی تھی، ہزارون روپیے خرچ ہو جاتے تھے اور یہ نہ معلوم ہوتا تھا کہ یہ خرچ کہان سے آتا ہے،

حضرت کو موسیقی اور تصوف مین بھی کمال تھا، شہر کے بلکہ دور دور کے کلانوت گویے اپنی اپنی چیزون کی آکر تصحیح کرتے تھے، وہ وقت بھی جب حضرت کوئی شعر اپنا یا اپنے والد کا پڑھکر اسکی شرح و مسائل و نکات باریک تصوف کے بیان کرنے لگتے تھے تو لائق دید ہوتا تھا علی الخصوص جب ان اشعار شرح شدہ کو ارباب نشاط گا گا کر ادا کرتے تھے تو اہل دل ہوش مین نہ رہتے تھے بھلا ایسی صحبتون مین جو شریک رہا ہو اس کے کلام کا کیا پوچھنا،

استاد مرحوم مغفور فرماتے تھے کہ بڑے مامون جان حضرت اشکی نے ایک کتاب مین تمام حالات سفر اور اپنے وہان کے قیام کے واقعات اور غزلون کی اصلاح کے طریقے وغیرہ کو بھی صراحت سے لکھا تھا، اس مجموعہ کے جانے کا حد سے زیادہ قلق ہے، حضرت اشکی کا یہ شعر اکثر پڑھا کرتے تھے،

اغیار کے حق مین تم جانو ہو اہل وفا یا جیسے ہو	ہم کو تو جلا کر خاک کیا کیا پوچھو ہو تم کیسے ہو

حضرت اشکی و حضرت جمال کے بہت سے شعر جو بزرگون سے سنے تھے، چند سال پیشتر تک وہ سب یاد تھے افسوس ہے کہ ٹانک نہ لیے، اس وقت چند شعر جو یاد آگئے ہین، درج ذیل کرتا ہون، حضرت اشکی فرماتے ہین،

مین ہون ڈھونڈھتا جس کی شورش بپا ہے	کہان خانۂ دل کے اندر چھپا ہے،

پری یا کہ ہے حور یا بیسوا ہے	خدا ہے بشر ہے وہی جانے کیا ہے،

ڈبوڈا اسے ہین اس نے صحرا کے صحرا — ہم اشکی کے رونے کا قصہ سنا ہے

یہ اشک ہائے غم تو اشکی کے نہین قدیم — دلی کے میر درد سے لایا ہے درد دل

از بسکہ ہے لگاؤ غم و رنج و یاس سے — اشکی بھی میر درد کا شاگرد ہو گیا

اشکی فراق یار کا چھیڑا تھا ہم نے ذکر — تم نے تو رو کے اشک کا دریا بہا دیا

نالہ شب فراق چلا تو ہے بے نشان — ٹھوکر کہین نہ کھا کے گرے آسمان سے

حضرت جمال مرحوم کے صرف دو شعر یاد رہ گئے ہین،

پہلے تو مدتون اسی در کا فقیر تھا — سنتے ہین اب جمال نے بھی دل ہٹا لیا

نہ دل کو اشک تواتر نہ آہ سرد پسند — ہم اہل درد ہین ہم کو فقط ہے درد پسند

حضرت سید شاہ جمال حسین علیہ الرحمۃ کی اولاد مین اب کوئی نہ رہا ان کے ایک فرزند سید شاہ ولایت حسین مرحوم قدیم زمانہ کے وکیل تھے، آدمی ذی استعداد تھے، شعر گوئی کا بھی شوق تھا مین نے اپنی کمسنی مین آپ کو دیکھا تھا، ان کے انتقال کو عرصۂ بعید گذرا، حضرت سید شاہ وارث علی اشکی مرحوم کے پوتے سید عطا حسین صاحب ایم اے اور انجنیر ہین، ریاست حیدرآباد کے صیغۂ تعمیرات مین کسی بڑے عہدہ پر ممتاز ہین، عطا حسین صاحب کے اور بھی دو بھائی ہین ایک ڈپٹی کلکٹر ہین اور ایک ڈاکٹر ہین آخر الذکر دونون صاحب سرکار انگریزی مین ملازم ہین،

حضرت علیہ الرحمۃ کے تلامذہ

ہمارے حضرت نے بوجہ غیر معمولی ذہانت و ذکائے طبعی کے سولھوین یا سترھوین سال علوم درسیہ سے فراغ حاصل کیا، اور رسم دستار بندی سترھوین سال ہوئی عہد طفلی ہی سے شعر و سخن کی صحبت مین رہے، حضرت کے نانا صاحب اور دونون ماموں حضرت اشکی

وحضرت جمال کملاے فن مین تھے، ایک تو خود ہمارے حضرت کا علمی تبحر پھر ایسے باکمالون کی صحبت کا فیض، ذکائے طبعی مستزاد برآن، چند سال کی مشق نے کہان سے کہان پہنچا دیا،

اپنے بزرگون سے مین نے سنا ہے کہ بائیسوین سال حضرت نے اپنی استادی کا اعتراف اساتذۂ وقت سے کروا چھوڑا، اس وقت کے بڑے سے بڑے شعرا حضرت کے کمال و تحقیق کا لوہا مان گئے تھے، اور دور دور حضرت کے کمال کی شہرت پھیل گئی تھی، یہی وجہ تھی کہ نواب ناظم بنگالہ نے مرشد آباد سے حضرت کو طلب کر کے ابتدأً مرشد زادون کی اتالیقی پر مامور کیا،

حضرت کو درس دینے کا بھی خلقی شوق تھا، حضرت کے نانا صاحب پاس جو مولوی احمدی صاحب رہتے تھے، ان کو حضرت نے اپنے بچپنے سے پڑھاتے دیکھا، خود اپنے نانا صاحب کو بھی درس دیتے دیکھا، ان اسباب نے حضرت کے خلقی شوق کو اور ابھار دیا تھا، حضرت کے حلقۂ درس مین بہت سے لوگ شریک ہو گئے،

شعرا جنمین بعض کہنہ مشق بھی تھے حضرت کو اپنا کلام دکھانے لگے، جب حضرت کہر دور لال کے کٹرہ کے جدید مدرسہ کے پرنسپل اور نگران ہوئے تو اس زمانہ مین اور بھی اس شوق کو ترقی ہوئی،

حضرت کے حلقۂ تلامذہ مین تین قسم کے طلاب داخل تھے، ایک تو وہ لوگ تھے جنھون نے حضرت سے صرف پڑھا تھا، دوسرے وہ لوگ تھے جو صرف اپنا کلام دکھایا کرتے تھے، تیسرے وہ لوگ تھے جنھون نے پڑھا بھی اور اپنے کلام پر اصلاحین بھی لین،

جہان جہان حضرت کا قیام رہا، جیسے عظیم آباد، مرشد آباد، کلکتہ، وہان تین اقسام کے تلامذہ تھے، عظیم آباد مین قبل روانگی مرشد آباد و بعد مراجعت بوطن اگر ابتدائے زمانہ سے حضرت کے شاگردون کی کوئی فہرست رہتی، اور شائقین اسکو محفوظ رکھتے تو یقیناً اس مین آپکے تلامذہ

کی تعداد کا نمبر ایک ہزار سے کم نہ پہنچتا،

راقم نے اپنے بزرگون سے اور خود حضرت سے جن شاگردون کے نام اور حالات سنے تھے اور جنسے بذاتِ خود مین بھی واقف تھا، اگر ان سب حضرات کے نام اس وقت مجھے یاد آجاتے تو مجھ کو یقین ہے کہ اگر فہرست لکھی جاتی تو ایک سو سے کبھی کم تعداد نہ ہوتی، مگر مجھے وہ کل نام یاد نہین رہے، جس قدر یاد ہین ان کے نام اور مختصر حالات لکھتا ہون، جن حضرات کے نام مین لکھ رہا ہون ان مین بعض تو وہ لوگ ہین جنکو شرفِ شاگردی حضرت کے مرشدآباد روانہ ہونے سے قبل حاصل ہوا تھا، اور بعض وہ ہین جنکو وطن مراجعت فرمانے کے بعد حضرت کے اخیر زمانہ مین فخرِ شاگردی حاصل ہوا بعض حضرات اہل مرشدآباد و اہل کلکتہ ہین، ان مین مختلف مذاہب کے لوگ ہین، بعض کے صرف نام پر اکتفا کرونگا،

مرشدآباد، پہلی دفعہ روانہ ہونے سے پیشتر کے شاگردون مین منشی تبارک علی تبارک، میر رفیق علی ندیم، میر علی خوشنویس تخلص عطا، منشی الٰہی بخش[1] خوشنویس کامل متخلص بہ رزم، مرزا روشن علی سرور، نواب آغا میر خان، خواجہ عسکری حسن صبا، بابو کالی چرن مکرجی سررشتہ دار مسٹر ہیرو ہڈ ماسٹر، منشی گیانی لعل مختار تخلص گیانی، نواب صدیق حسن خان جد مادری خان بہادر نواب سرفراز حسین خان صاحب و پدر نواب یوسف حسین خان مرحوم، مولوی ارشاد علی، مولوی مجیب اللہ، مولوی سلامت علی وغیرہ وغیرہ،

---

[1] یہ وہی منشی الٰہی بخش تھے جو صوبہ بہار کے گذشتہ و موجودہ کل نستعلیق کے خوشنویسون کے استاد اور استاد الاساتذہ ہین، ان کے ارشد تلامذہ مین نواب یوسف علیخان و مرزا ابوالحسن ضیا رئیسان عظیم آباد تھے نواب ممدوح کے شاگرد رشید میر مرزا صاحب خوشنویس مشہور جن کے اس وقت قریب قریب کل شاگرد و پھیلے ہوئے ہین،

اسی زمانہ کے دیگر حضرت کے نام و مختصر حالات یہ ہین،

مولوی محمد بخش وکیل (پدر خان بہادر خدابخش خان سی، آئی، ای) نے حضرت سے عربی کی تحصیل کی تھی، ان کا ارادہ ابتدا سے وکالت کرنے کا تھا، لیکن زبان مین لکنت تھی، طلاقت لسانی کے بیان اور اصلاح کے قواعد کی ایک نایاب کتاب عربی زبان مین ہمارے حضرت کے پاس تھی، یہ کتاب بھی حضرت ہی سے پڑھی، پھر نقل لینے کے لیے لے گیے، خدا جانے کیونکر تلف ہو گئی، ہمارے حضرت وطن جب واپس آئے تو خدابخش خان مرحوم سے اسکی واپسی کے متقاضی تھے مگر واپس نہ ملی،

نواب میر غلام حسین شجر، آپ نواب فخر الدولہ کے نواسے تھے، ان کے متعلق ایک روایت یہ ہے کہ جب یہ پہلی دفعہ ہمارے حضرت کے پاس اصلاح لینے آئے تو حضرت نے چند باتین پوچھین تو غالبًا پاس ادب و رعب سے ساکت رہے، حضرت نے فرمایا بھئی بات کا جواب دو تم تو شجر کی طرح خاموش ہو، اس وقت تک انھون نے اپنا کوئی تخلص تجویز نہین کیا تھا، حضرت کے بعض بامذاق شاگردون نے ان کو شجر پکارنا شروع کیا اور وہی تخلص قائم ہو گیا،

مرزا غلام حسین خان تخلص قمر، عظیم آباد کے شرفا مین تھے، اور شاعری مین شہرت بھی پا چکے تھے، بجائے خود استاد تھے، مگر ان کے کلام پر جب کچھ اعتراضات ہونے لگے تو حضرت کے شاگرد ہوئے، جسکی وجہ یہ تھی کہ خود جابجا لوگون پر اعتراض کر دیا کرتے تھے، دوسرون کی غزلین جب ہاتھ آ جاتی تھین تو اپنے شاگردون سے بعض اشعار کو دکھا کر کہتے تھے، دیکھو اس نے سر کی چوٹ کھائی ہے، اس نے ہاتھ کی، اس نے گھٹنے کی، یعنی فلان فلان غلطی رہ گئی ہے، یا الفاظ غلط نظم کئے، ہمارے حضرت نے اس لغو حرکت سے انھین باز رکھا اور ان سے فرمایا ذرا یہ تو سمجھو کہ فی الواقع تمہارا اعتراض اہلِ فن کے نزدیک بھی صحیح ہے یا نہین، اگر غلط ہے تو تم

گنہگار ورسوا ہوئے، دوسرے زبردستی اس غریب کو رسوا کرکے اس سے دشمنی مول لی،
اگر بغرضِ اصلاح کسی پر اعتراض نیک نیتی سے کیا ہے تو اس کو عالم مین نشر کرنے کی کیا ضرورت
چپکے سے خود صاحبِ کلام سے کہکر اس کو متنبہ کرو، آگاہ کرو تاکہ آیندہ اس قسم کی غلطی سے باز رہے
اور تمہارا مرہونِ منت ہو،

مرزا غلام حسین قمر مرحوم کے شاگردون مین مرزا ابوالحسن مرحوم ضیا شہر کے روسا مین
اور متمول بزرگ تھے، اور بھی ان کے بہت سے شاگرد تھے،

ہمارے حضرت کے اس زمانہ کے نامی شاگردون مین بابو مہدی بخش تسلیم تھے، اور
وکالت کرتے تھے، آدمی ذی علم تھے طبیعت مین ناسخ مرحوم کا انداز اثر کر گیا تھا، ہمارے حضرت
نے پہلے بہت چاہا کہ راستی پر طبیعت آئے، کہ طبیعت مین سلاست پیدا ہو آخر مجبوراً فرمایا کہ اس
طرز مین مشق و ترقی کرو، اور لکھنؤ جا کر ناسخ کے مقابلہ مین اسی طرز مین شہرت حاصل کرو،

تسلیم مرحوم کے بہت سے شاگرد تھے، ازان جملہ سب سے ذی علم و ذی وجاہت مولوی
سید اصغر حسین مرحوم مائل تخلص مشہور رئیس میر بھاٹک مرحوم کے پوتے اور حکیم سید کاظم حسین مسیح
زمان مرحوم کے بڑے بھائی حضرت مائل کنکوے اور تکل لڑانے مین بھی استاد مشہور تھے ایک
رسالہ بھی اس فن مین تصنیف کیا تھا یعنی کس طرح پیچ لڑانا چاہیئے، اسکو اشکالِ ریاضی کے
مسائل کے ساتھ لکھا تھا، راقم نے اپنے پندرہ سولہ سال کی عمر تک ان کو دیکھا تھا، بلکہ کنکوؤن کے
جلسون مین شریک رہا، حضرت مائل کا یہ مطلع مجھ کو یاد ہے، ؎

قطرہ پر روک رکھا ہے سرشکِ شور افزا کو
تماشہ ہے کہ ہم نے بال سے باندھا ہے دریا کو

ایک مطلع حضرت مائل کا یہ بھی ہے ؎

ہم کو دیتا ہے فلک تسکین ستانے کیلئے
سوختہ جیسے بجھاتے ہین جلانے کے لیے

مائل کے چھوٹے بھائی حکیم سید کاظم حسین صاحب جنکے انتقال کو سترہ اٹھارہ سال ہوتے ہین، حکیم حاذق، صاحب کمال و نوادرات روزگار سے تھے، کوئی فن ایسا نہ تھا کہ اسکی طرف توجہ کی ہو اور حدِ کمال تک نہ پہنچایا ہو، ایک دفعہ کا واقعہ یہ ہے کہ میر مرزا صاحب رئیس و شاگرد نواب یوسف علی خان مرحوم مشہور خوشنویس کی صحبت مین حکیم سید کاظم حسین صاحب بیٹھے تھے، ایک وصلی آغا رشید کی میر امیر مرزا صاحب نے کسی شخص کو جو خوشنویسی سے واقف تھا دکھائی حکیم صاحب نے بھی دیکھنا شروع کیا تو میر امیر مرزا صاحب نے کہا ایسا کوئی لکھ نہین سکتا، یہ سمجھے کہ مجھ پر طعن ہے، گھر مین آکر چھ مہینے کسی سے ملے نہین اور خوشنویسی کی مشق کی، اسکے بعد ویسی ہی وصلی خود لکھکر میر امیر مرزا صاحب کو دکھائی، ان پر حیرت طاری ہوگئی، اور کچھ عجیب اثر ہوا، راقم کے ہان میر علی ضامن ایک صاحب فیض آبادی رہتے تھے، تکلون کے بنانے اور کاغذ جوڑنے مین کمال رکھتے تھے، میر علی ضامن نے ایک دفعہ تکل اتنی چھوٹی بنائی کہ ہتھیلی کے برابر تھی، میر کاظم حسین صاحب کے سامنے اتنا کہا کہ ایسی تکل بنانا مشکل ہے، اس واقعہ کے کئی روز بعد میر کاظم حسین صاحب نے اس سے چھوٹی بنائی اور دالان کے اندر اڑائی، فوجداری اور عدالت دیوانی کے مقدمات کی طرف توجہ کی تو قانون دانی مین وہ کمال حاصل کیا کہ وکلا، ان سے مشورہ لینے لگے، طب کی طرف رجوع ہوئے تو اس مین ایسا نام پیدا کیا کہ مسیحائے وقت کہلانے لگے، غرض یہ ہے کہ عظیم آباد کی خاک نے وہ وہ جوہر نایاب پیدا کئے کہ جنکی مثال کسی اور جگہ ملنی دشوار ہے،

مجھے چونکہ پرانی باتون سے اور قدیم باکمالون کے حالات سے ازبسکہ دلچسپی ہے، اسی وجہ سے ایک ضخیم کتاب مردم دیدہ کے نام سے تالیف کی تھی جسمین دو ہزار آدمیون کے چشم دید حالات لکھے تھے اور چالیس سال کی عمر سے لکھنا شروع کیا تھا جو ضائع و

تلف ہو گئی، جسکا قلق مجھے عمر بھر رہیگا، جسکی تلافی اب ناممکن ہے، اسلیے جہان موقع ملتا ہے ان نامی گرامی حضرات کے تذکرے مختصر ہی طور سے سہی محفوظ کرنے کی غرض سے لکھدیتا ہون، ورنہ اس کتاب مین اور اس مقام پر کہ مین تسلیم کا تذکرہ لکھ رہا ہون، حکیم کاظم حسین صاحب کے حالات لکھنے کی چندان ضرورت نہ تھی،

غرض مہدی بخش تسلیم کا دیوان پٹنہ کی پبلک لائبریری مین موجود ہے، جناب تسلیم کا یہ مطلع ہے، ؎

یہ داغ سینہ اور یہ چشم گریان دیکھتے جاؤ
چمن کی سیر کر لو ابر و باران دیکھتے جاؤ

ایک اور مطلع بھی مجھے یاد ہے،

تا فلک پھیل گیا آب مرے رونے سے
کف بنا پنبۂ مہتاب مرے رونے سے

ان کے بہت سے شاگرد تھے، اور ان کے انتقال کے بعد ان مین سے بہت لوگون نے ہمارے حضرت سے اصلاح لینی شروع کی منجملہ ان کے خواجہ محمد شاہ شہرت کشمیری بھی تھے، یہ ہمارے حضرت کا اردو دیوان پندرہ سولہ جز کا صاف کرنے کو لے گئے اور ہضم کر بیٹھے، یہ واقعہ اس وقت کا ہے جبکہ حضرت دوبارہ عظیم آباد تشریف لائے تھے اور کلکتہ واپس تشریف لیجا رہے تھے کہ اس موقع کو غنیمت سمجھکر چند دن شہرت روپوش رہے حضرت کو تشریف لیجانا ضرور تھا، جب آدمی تقاضا کو جاتا تو گھر پر ملتے نہین،

آخر آغا محمد حسین خان صاحب کو حضرت فرما کر گئے کہ شہرت سے دیوان لیکر کلکتہ بھیجدیجیے آغا صاحب مرحوم نے بھی کچھ دنون تک تقاضا جاری رکھا، شہرت نے لکھدیا کہ مکان مین آگ لگی، میرے کلام کے ساتھ حضرت کا دیوان بھی جل گیا، مگر چند دنون کے بعد مشاعرون مین مقطع بدل کر غیر طرح مین حضرت کی غزلین پڑھا کرتے تھے، لوگون کو تعجب

ہوتا تھا کہ طرح کی غزل تو اس قدر پھیکی اور غیر طرحی اسقدر بلند پایہ مگر عام لوگون کو اصلی بھید کیا معلوم

میر نجف علی تخلص تندر ایک قدیم خاندان کے بزرگ تھے، نواب محمد فاضل خان کی اولاد مین تھے، اور نواب محمد فاضل خان حقیقی بھائی نواب محمد قابل خان کے تھے جو ہمارے حضرت کے اجداد مین تھے، میر نجف علی صاحب حضرت خواجہ میر درد علیہ الرحمۃ کے بھائی یا بہن کے نواسے ہوتے تھے، خاندانی معاش انھون نے عہدِ شباب مین تباہ کی، وکالت کی سند لیکر آخرِ عمر تک وکالت کی، اور اپنے زمانہ کے مشہور وکلا مین تھے، نہایت ہنسوڑ با مذاق، بذلہ سنج، لطیفہ گو، ان کی صحبت مین کوئی شخص افسردہ رہ نہین سکتا تھا، جب مرزا ابو تراب خان کے ہان مشاعرہ کے جلسے شروع ہوئے، تو میر صاحب بھی ہمارے حضرت کے شاگرد ہوئے، خود کہتے تھے کہ چالیس پچاس غزلین حضرت کو دکھائی تھین، موسیقی مین بھی بہت بڑا دخل تھا، خواجہ فخر الدین حسن خان مرحوم سب جج مصنف سروشِ سخن، میر صاحب کے داماد تھے اور میر صاحب کے حقیقی بھائی میر سیّد علی صاحب ہمارے حضرت کے داماد تھے،

مرزا قدیر تخلص قدیر مخاطب بہ قدیر الدولہ، محلہ مغلپورہ کے باشندہ، نہایت ذکی الطبع و وجیہہ بزرگ تھے، ابتدأ جناب مولانا آقا محمد مغفور سے تحصیلِ علم کی، منقولات و معقولات پر حاوی ہو گئے، طب بھی حاصل کی، شاعری کی طرف میلانِ طبع ہوا تو شعر کہنے لگے، اور ہمارے حضرت سے اصلاح لینے لگے، غدر سے دس بارہ سال پیشتر طلبِ معاش کی، دھن مین لکھنؤ گئے، وہان مرثیہ گوئی کے بازار کو بہت بارونق پایا، اس وقت تک بجز مرزا دبیر صاحب کے میر انیس صاحب کو کوئی جانتا بھی نہ تھا، مرزا قدیر مرزا صاحب کے شاگرد و مرثیہ گوئی مین ہو گئے، اس مین بھی فلاح نہ دیکھی تو وہان سے دہلی گئے، رشادت

وذہانت کی بدولت بہادر شاہ خاتم السلاطین تک رسائی ہوئی، شاہی طبیبون مین داخل ہوگئے، بعض علاجات اچھے کئے، قدیر الدولہ خطاب پایا، وہان شاعرون کی دھوم تھی، یہ مشاعرون مین شریک ہونے لگے، اسداللہ خان غالب پر اعتراضون کی بھرمار کردی، مرزا صاحب سخت زچ ہوگئے، مشاعرون مین جانا چھوڑ دیا،

چند دنون کے بعد غدر کا ہنگامہ شروع ہوگیا، مرزا قدیر سنیاسی فقیر کے لباس مین روپ بدل کر اپنے وطن عظیم آباد آگئے، نواب بہادر نواب سید ولایت علی خان مرحوم نے اپنی مصاحبت مین رکھ لیا،

اس زمانہ مین مولوی مرزا جعفر علی بنارسی جو شیعہ اخباری تھے عظیم آباد آئے ہوئے تھے، مرزا قدیر اصولی شیعہ تھے، ان دونون مین خوب مباحثے ہوتے رہے، اب یہ وہ زمانہ ہے کہ میرانیس صاحب بھی مرثیہ خوانی کے لیے عظیم آباد آرہے تھے اور مرزا دبیر صاحب بھی آتے تھے،

مرزا قدیر نواب بہادر کے خیال سے مجلسون مین میرانیس صاحب کی تعریفین خوب زور وشور سے کرتے اور غائبانہ کچھ توہین آمیز کلمے بھی کہتے میر صاحب کو اسکی بھی خبر ملتی رہتی، ایک دن برہم ہوکر یہ رباعی پڑھی، ؎

نافہم سے کب داد سخن لیتا ہون　　　دشمن ہو کہ دوست سبکی سن لیتا ہون
چھپتی نہین بوئے دوستان یکرنگ　　　کانٹون کو ہٹا کے پھول چن لیتا ہون

ساٹھ سال کی عمر مین میرزا قدیر نے رحلت کی،

نواب جلال الدین خان تاثیر، خلف نواب مہدی علیخان بن نواب جعفر علیخان بن نواب عزت اللہ خان بن نواب عنایت خان راسخ مصنف عنایت نامہ وغیرہ

بن شمس الدولہ مشہور جنگ نواب لطف اللہ خان صادق، حضرت تاثیر عربی و فارسی مین ید طولیٰ رکھتے
تھے، وہ عہدے سرکار ایسٹ انڈیا کمپنی سے ان کو ملے تھے، پہلے ڈپٹی کلکٹر ہوئے، پھر صدر اعلیٰ
یعنی سب جج، اخیر خدمت سب ججی کی تھی، لاولد انتقال کیا، ان کا دیوان اور دیگر تصانیف انکی
اہلیہ کے پاس تھین، پتہ نہ ملا کہ کیا ہوگئین، راقم الحروف کے حقیقی ماموں تھے، حضرت کے دلدادہ
اور رشید شاگردون مین تھے،

مولانا محمد حمید تخلص حمید، برادر حقیقی شمس العلماء مولانا محمد سعید، یہ بھی ہمارے حضرت کے شاگرد
رشید تھے، جید الاستعداد آدمی تھے، دولت بھی خدا نے دی تھی، بزرگون سے ہم نے یہ بھی سنا ہے
کہ بہت شوقین اظہار امارت کے تھے، ہمارے حضرت کو جب مسٹر گاف کمشنر نے ولایت سے
بگھی گاڑی تحفتہً لاکر دی، انھون نے بھی کلکتہ سے بگی منگوائی تھی، گویا یہ تیسری بگی عظیم آباد مین
جاری ہوئی، فارسی اور اردو دونون کے کہنہ مشق استاد تھے،

راقم کے والد ماجد حضرت سید عباس مرزا مرحوم و عموی حضرت سید محمد محسن صاحب
مرحوم نے بھی اسی زمانہ مین حضرت سے تحصیل علم کی، شاعری سے ان حضرات کو کوئی تعلق نہ تھا،
مرشد آباد کے زمانہ قیام مین اول تو بہت سے مرشد زادون کو حضرت نے پڑھایا، اور
شاعری مین بھی فیض بہت سے حضرات نے پایا، وہ زمانہ مرشد آباد کے عروج کا تھا، بڑے
بڑے کملا ہر فن کے موجود تھے، جنکی ہر طرح قدر و منزلت ہوتی تھی، ؎

ہر کجا چشمہ بود شیرین   مردم و مرغ و مور گرد آیند

جب خود حاکم وقت قدردان ہو تو کیون نہین دور دور سے باکمال جمع ہون، مگر حضرت
کے جملہ شاگردون کے نام یاد نہین رہے، بعض کے نام یاد ہین،

سب سے پہلے تو سر ہنری ٹارنس ایجنٹ گورنر جنرل جنکو فارسی سے بڑی دلچسپی تھی

حضرت سے سبقاً فارسی دو سال کامل پڑھی اور حضرت کے فیضِ صحبت سے بہت کچھ حاصل کیا، حضرت سے دلی اور مخلصانہ دوستی تھی،

نواب احمد علی خان افق، جنھون نے حضرت کا ابتدا مین امتحان لیا تھا، پھر حضرت کے ایسے گرویدہ ہوگئے کہ کسی دن بغیر دیکھے انکو چین نہین آتا تھا، فارسی مین اچھی استعداد رکھتے تھے اور شعر کہنے کا بہت شوق تھا، حضرت سے کچھ پڑھا بھی تھا، اور کلام بھی دکھاتے تھے،

نواب جعفر علی خان تخلص جعفر، یہ اقربائے نظامت مین سے تھے، حضرت سے پڑھا بھی تھا، اور اصلاح بھی لی تھی،

سلطان ایوب میرزا، اقربائے نظامتِ بنگالہ و مرشدآباد سے تھے، ذی استعداد اور بہت خوبصورت تھے، حضرت سے پڑھا بھی، اور اصلاحین بھی لین، عین شباب مین چیچک سے انتقال کیا، جسکا صدمہ ہمارے حضرت کو مدت العمر رہا، حضرت کے حقیقی برادر نسبتی تھے، یعنی بھائی ہمایون میرزا صاحب کے ماموں، بزمانہ قیام کلکتہ بھی بہت سے لوگون نے حضرت سے پڑھا، اور اپنا کلام دکھایا، بعض نے صرف کلام دکھایا، منجملہ انکے بعض حضرات کے نام جو یاد ہین وہ یہ ہین

فخر الملک وزیر السلطان نواب سید امیر علی خان بہادر، انھون نے حضرت سے اصلاح لی، اور ان کی کل تصانیف حضرت کی دیکھی ہوئی ہین، امیر نامہ، وزیر نامہ، بیرنگ نامہ وغیرہ یہ سب فارسی نظم و نثر مین ہین، زبان خود کہے دیتی ہے کہ حضرت کی کامل اصلاح ہے، امیر نامہ مین جسقدر قطعات و تقریظات مشاہیرِ وقت کی ہین سب کے پیشتر ہمارے حضرت کی تقریظ نظم و نثر دونون مین ہے، وہ اس عنوان و الفاظ کے ساتھ ہے،

از نتائجِ فکرِ بلند و طبع آسمان پیوند سجان ملکِ سخندانی حسان کشورِ معنی، فخر الادبا، ملک الشعرا عالیجناب فیضمآب حضرت استاذی سید شاہ الفت حسین صاحب فریاد مدظلہم العالی،

اس سے اس امر کا بھی پتہ چلتا ہے کہ حضرت کا کیا وقار تھا کہ نواب فخر الملک بہادر کن الفاظ سے مخاطب فرماتے ہین،

نواب بہادر نواب عبد اللطیف خان، سی، آئی، بی، جو اپنے عہد مین مسلمانان کلکتہ کے لیڈر تھے، انجمن مذاکرۂ علمیہ کے بانی تھے، جس وقت ڈپوٹی کلکٹر کے عہدہ پر تھے، حضرت سے عربی و فارسی پڑھی تھی، "اے شارٹ اکونٹ آف مائی پبلک لائیف" جو ان کی خود کی لکھی ہوئی سوانحعمری بزبان انگریزی ہے، اس مین ان الفاظ سے حضرت کو یاد کیا ہے (دی موسٹ لرنڈ اینڈ دی موسٹ انفلوئنشل ممبر آف دی محمڈن کمیونٹی آف کلکتہ) یعنی کلکتہ کے مسلمانون مین سب سے بڑے باا ثر اور سب سے بڑھ کر عالم، ایک جگہ اس کتاب مین یہ الفاظ لکھے ہین، (دی ول نون اوتھر اینڈ اسکالر) یعنی مشہور مصنف و عالم)

قاری شہاب الدین، یہ کلکتہ کے مدرسۂ عالیہ مین جو اس وقت بھی قدیم مسلمانون کی درسگاہ ہے، کسی زمانہ مین عربی یا فارسی کے پروفیسر تھے، انھون نے بھی حضرت سے پڑھا تھا،

مولوی عباس علیخان قاضی القضاۃ کلکتہ، یہ عہدہ اس زمانہ مین انسپکٹر جنرل آف رجسٹریشن کے برابر تھا، ایک تو اعلیٰ عہدہ پر مامور تھے، دوسرے اپنی قابلیتِ ذاتی کیوجہ سے بہت ممدوحِ خلائق تھے، حضرت سے اصلاح لیتے تھے،

مولوی معین الدین احمد اذکی یہ کلکتہ کے سر برآوردہ لوگون مین تھے، پڑھتے بھی تھے اور اصلاح بھی لیتے تھے، دبستانِ اخلاق بہ تتبع بوستانِ سعدی، جو مثنوی حضرت کی ۱۲۹۲ھ مین چھپی تھی، ان کا ایک طولانی قطعہ اس مین درج ہے، جسمین حضرت کی شاگردی پر فخر کیا ہے، سالِ تصنیف کا یہ مادہ نکالا ہے،

چنین گوہر سالش نو اذکی زبر | پدید ارشد بوستانِ دگر
۱۲۹۸ھ

مولانا عبداللہ العبیدی، مشہور مصنف و مؤلف سابق میر مدرسہ ڈہاکہ نے فارسی کی نظم و نثر مین اصلاحین لین، تحقیقات علمیہ مین بھی بہت فیض حاصل کیا،

مولانا محمد عبدالرؤف وحید مرحوم، خاص کلکتہ کے اعیان و عظما مین، ہمارے حضرت کے رشید شاگردون مین تھے، ۱۸۶۲ء مین زمرۂ تلامیذ مین شریک ہوئے، ان کے اجداد مین سے مولانا شیخ محمد رمضان جو بڑے عالم وقت تھے، شاہجہان کے زمانہ مین دہلی سے عظیم آباد آئے، وہان کچھ دنون قیام کرنے کے بعد بزمانہ سلطان محمد شجاع خلف شاہجہان بمقام سوتانوٹی آئے جو اب کلکتہ مشہور ہے، اس وقت سے ہمیشہ کے لیے یہ خاندان کلکتہ مین مسکن گزین ہوگیا، صوبیدار بنگالہ کے نام شہنشاہِ وقت نے مولانا شیخ رمضان مغفور کی نسبت جو فرمان بھیجا تھا، اس کے ذریعہ سے اراضیات معافی دیے گئے، اور عیدگاہ و مسجد کی تعمیر کے لیے مدد خرچ دیا گیا، وحید مرحوم کے زمانہ تک آراضی معفوالخراج ان کے قبضہ مین تھی، عیدگاہ و مسجد جو محلہ نیم تلا مین مولانا کے جد اعلیٰ نے دو لاکھ کے صرفہ سے تعمیر کی تھی اب تک موجود ہے، عربی و فارسی و انگریزی زبانون مین دستگاہ کامل رکھتے تھے، پہلے صدر داوریگاہِ کلکتہ مین مترجم اعلیٰ مقرر ہوئے، من بعد گورنر جنرل ویسرائے ہند کی مجلس قانون سازی کے ہڈ ٹرنیسلیٹر (مترجم اعظم) مقرر کیے گئے اور اخیر وقت تک اسی خدمت پر رہے، آٹھ یا نو سو ماہوار تھی، کلکتہ یونیورسٹی کے فلو بھی مقرر کیے گئے،

ان کی تصانیف مین سے تاریخ کلکتہ[1]، و تاریخ بنگالہ[2]، صرف وحیدی[3]، نحو وحیدی[4]، شارح مرجان[5]، تحفۃ الحاج[6]، تاج سخن[7]، رباعیات وحیدی[8]، ناظورۂ جان افزا[9]، انشاآت وحیدی[10]، جواہر الصنائع[11]، سخن موزون[12]، جواہر منتخب[13]، کلیاتِ وحید فارسی[14] وغیرہ ہین۔

یہ تصنیفات بعض عربی مین ہین، اس مین شک نہین کہ فارسی مین پوری پوری تقلید ہمارے حضرت کی کرتے ہین، اگرچہ پرانے رسالے انجمن مذاکرہ علمیہ کلکتہ بناکردۂ نواب عبداللطیف

خان بہادر کے نکالے جائین تو ہر جلسہ کی روداد مین ایک طویل تقریر فارسی زبان مین مولانا وحید کی ملے گی، جو ان کے مبلغ علم وکمال کا آئینہ ہے،

استاد پرست ایسے تھے کہ اس زمانہ مین اس سرے سے اس سرے تک ڈھونڈے تو ایک نہ ملے، ایک بڑا کام انھون نے یہ کیا کہ سنہ ۱۳۰۶ء مین اپنا دیوان چھپوایا تو اپنے استاد کے حالات اور کلام ان کو جہان تک دستیاب ہوسکا، اسکو اپنے دیوان کا ضمیمہ کر دیا، انسان کو ایسا ہی استاد پرست ہونا چاہیئے،

راقم سے اور مرحوم سے مدتون سالہا سال خط وکتابت رہی، ان کا مصمم قصد تھا کہ جانبین کے خطوط بطور انشاء کے چھاپ دین، اس زمانہ مین راقم کو بھی فارسی انشاپردازی کا شوق تھا، اور بطور ارادت خان کے پنج رقعہ کے سے القاب چار چار ورق مین تمام کرتا تھا، اور ملّا طغرا کا نمونہ دکھایا کرتا تھا، یہی حالت مولانا وحید کی تھی، اگر وہ انشا چھپ جاتی تو بہت سے فوائد شاعری کے ظاہر ہوتے لیکن انکی آرزو دل ہی مین رہی، اور خود خاک مین مل گئے، ان سطرون کا لکھنے والا بھی عنقریب خاک ہونے والا ہے،

تھوڑا سا کلام ان کا ذیل مین اسلیے نقل کیا جاتا ہے، جس سے ظاہر ہو کہ ہمارے حضرت کے آفتاب کمال کا ان پر پورا پرتو پڑا ہے، ان کا کلام ہمارے حضرت کے انداز سے ملتا جلتا ہے، ذیل کی غزل اسی زمین مین ہے، جسمین کہ ظہوری کی غزل ہے اور مولوی حالی نے یادگار غالب مین غالب کی اسی زمین کی غزل کو ظہوری کی غزل سے ٹکرا کر دکھایا ہے مولانا وحید نے اپنی غزل کے مقطع مین غالب کی طرف اشارہ کیا ہے، اسکا سبب یہ ہے کہ غالب مرزا محمد حسن قتیل کے مخالف تھے، اور وحید مرحوم انھین کی اولاد سے تھے، جو میرزا قتیل کے دلدادہ شاگرد سے تھے، راقم نے اپنے حضرت کی غزل بھی جو اس زمین مین ہے نقل کر دی ہے، اس جگہ

مولانا وحید کی غزل نقل کرتا ہون،

لب تو پستہ و حرفت شکر دہن قند است	خوش از نبات و عسل زان دہن شکر خند است
زلالہ لالہ کہ خون می چکد ز دیدۂ داغ	دلم بلالہ ستان در بہار مانند است
بیاب نیک ز چسپیدن لبم بلبت	کہ ذوق بوس توام تا کجا و تا چند است
چہ چیز نیش دلم نوشخند تو برقیب	بہ نیش غمزہ و آن نوش عشوہ سوگند است
مگر تو خندۂ شیرین زنان مرا کشتی	کہ زخم زخم تنم مائل شکر خند است
گسیختی ہمہ پیوند دیر سالہ بمن	بگو بگو کہ ترا یا کہ تازہ پیوند است
اگر نہ بوسہ لبم چید از لب تو چہ باک	دلم بہ بوسۂ پیغام نیک خرسند است
برد برد تو اگر میبردی ز پیش نظر	کہ صورت تو بہ از تنگ دل نظربند است
مرا بہ مرگ ز حسرت مدہ کہ آن لب نوش	قوام شیرۂ جانم ز شربت قند است
شراب و ساقی مطرب چہ کارہ بے تو مرا	بیا بیا کہ بتو جانم آرزومند است
بہ نیم عشوۂ دل و دین حوالہ ات کردم	بہائے دین و دل من ببین چہ چند است
برائے دفع گزند تو جان سوزانم	بہ منقل تپش دل بر آتش اسپند است
دلم فدائے بت ہندکش ادائے ملیح	گرو ربودہ ز حسن صبیح ازلند است
چرا نہ بادہ کشم کین رگ خیال مرا	بشاخ شاخ رگ تاک سخت پیوند است
بگوئی ترک خودی گر خدائی را خواہی	ز بندہ ترک خودی طاعت خداوند است
سبک خرام شواے ناصح و مدہ پندم	کہ پند بر دل زارم گران تر از بند است
مرا بہ پند و ورع واعظا چہ می خواہی	دلم بہ سلسلۂ موج بادہ پابند است
چہ جرم دید کہ زاہد ز رند نفرت کرد	ہمین بہ پائے خمی بردہ سجدۂ چند است

تو وخدا ازبت کیر شوجدا اے رشیخ | کہ مالک حرم و دیر یک خداوند است
صبا معائنہ کن در ہوائے کوئے بتان | کہ موج موج غبارم چہ گونہ دربند است
زطعن بے ہنران حسودنکے رنجم | بوصف حرف خوشم تر زبان ہنرمند است
گداخت گرچہ درین توبہ سیم خود غالب | عیار سکۂ مارا نگر کہ تا چند است
وحید گشتہ گل افشان بگلستان رحیم[1] | کجا بباغ بہشتم دل آرزومند است

دیگر غزل وحید

مردم اے جان من از جدائی ہا | شد بجا شرط آشنائی ہا
بعبث محو راستی دل من | چشم تو مست کج ادائی ہا
گر رسم تا ریاض روضۂ تو | عتبۂ تست وجبہ سائی ہا
سرم اے دلربا وخط وفا | ولت اے جان وبیوفائی ہا
جان بلب کرد چشم خونخوارم | کوکب یار جانفزائی ہا
آئینہ پیش رو مدار مدار | تا کجا شوق خودنمائی ہا
مرحبا مرحبا بیا کہ دہم | دل وجانت برونمائی ہا
مبتلایت دل برہمن وشیخ | بت من این چہ دلربائی ہا
فارغم از زوال شاہ ووزیر | بر درت می کنم گدائی ہا
رفت و دستم بدامنش نرسید | بشکنم دست نارسائی ہا

---

[1] رحیم تخلص، عبدالرحیم خانخان بن بیرم خان خانخانان از امرائے عظام اکبری وجہانگیری بود، علاوہ علوم وفنون دیگر در شعر وسخن دستگاہ وافی داشت۔

مژده ای خار دشت سوی تو من — میروم با برهنه پائی ها
بن آویز عشق اگر داری — زور سرپنجه آزمائی ها
دوش با قدسیان اهل صفا — میزدم ساغر صفائی ها
مرحبا ای وحید خسته سخن — تو زیبد سخن سرائی ها

دیگر

از شیون من گنبد گردان گله دارد — ور ناله کنم پردهٔ امکان گله دارد
نالهٔ دل آشفته به بند سر زلفت — بشنو که پریشان ز پریشان گله دارد
ناگشته دلم سیر ز وصل تو شب وصل — از زمزمهٔ مرغ سحرخوان گله دارد
دُر در صدف الماس بکان برق بباران — از پرتو آن گوهر دندان گله دارد
از شور فغان دل شوریده بزندان — زنجیر بخود پیچد و زندان گله دارد
لاله بمن و گل بچمن لاله بصحرا — از سرخی پان بر لب جانان گله دارد
طوطی لبم و خورده شکر زان لب شیرین — از قند و نبات شکرستان گله دارد
دشنام کرم کم بدهی زان لب پُرشور — زخم دل داغم ز نمکدان گله دارد
سیلی است ز خونابه روان بر سر کویت — از خون دلم خاک شهیدان گله دارد
از فرط گهرخیزی این قلزم چشمم — عمان گله ها دارد و نیسان گله دارد
شب کوته و فریاد دل زار دراز است — از کوتهی شب دل نالان گله دارد
ضبطی نکند اشک مرا دیده گریان — اشکم ز تنگ ظرفی چشمان گله دارد
بت در بغل و دل بخدائی تو وحیدا — نی برهمن از تو نه مسلمان گله دارد

ولہٗ

از خندۂ تو برق درخشان گلہ دارد — وز گریۂ من ابر بہاران گلہ دارد
گر گریہ کنم نالہ کند مرغ چمن زار — در خندہ زنی گل بگلستان گلہ دارد
وز دیدہ ہمین رنگ زند در کف پایت — از وزدِ حنا خونِ شہیدان گلہ دارد
شرمندۂ زلفت شدہ مشک ختن و چین — فغفور کند شکوہ و خاقان گلہ دارد
گوشت ندہد رخصت اظہار غمِ دل — افسانہ ام از گوش تو جانان گلہ دارد
دارند لبم عربدہ در دعوئے عشقت — جانم ز دلِ من دلم از جان گلہ دارد
حیرانی من بر رخت از آئینہ افزون — آئینہ ز رشک از من حیران گلہ دارد
خضر است خجل در ظلمات از خطِ سبزت — وز رشحۂ لب چشمۂ حیوان گلہ دارد
از غایت غیرت دمِ نظارۂ رویت — چشمانِ من از مردم چشمان گلہ دارد
از بسکہ دہد جانِ مریضانِ نگاہت — ز انفاس خوشت نازِ طبیبان گلہ دارد
از طعن حسودان نشوم رنجہ کہ دانم — خفاش ز خورشید درخشان گلہ دارد
از طرز پر آشوب جنونِ تو ہویدا — صحرا گلہ ہا دارد و زندان گلہ دارد

دیگر

دل بجوش است ز جوش دمِ پر جوش کسے — مے سر جوش بیاد لبِ مے نوش کسے
ارِنی گفتم و ہوش از سرِ من بر بودی — لن ترانی چہ کند با سرِ بیہوش کسے
تیشہا خوردہ ام از نشتر مژگان لیکن — زندہ ام زندہ باعجاز لبِ نوش کسے
چہ بگویم کہ چسان این دلِ شیدا بربود — چشم افسانہ سرا از لب خاموش کسے
این خیالم ہمہ شب خار بہ پہلو بشکست — سرِ من بود شبِ وصل در آغوش کسے

قول وفعلش چہ پریشان کہ نکرد ست مرا　　وعدہ در گوش کسے خفتہ در آغوش کسے

حسبِ حال تو چہ خوش گفت تمنا[1] بوحید　　شب در آغوش کسے روز در آغوش کسے

ولہٗ

ایا حبیبی لقیت وجھک ومتّ وجدًا ولا ابالی　　فداک روحی فداک قلبی فداک راسی فداک مالی

چہ گویم ایجان چہ خواہم از تو نخواہم ایجان بجز تو از تو　　دگر سوالی ندارم از تو فان سئلت فذا سوالی

وصالت ایجان خیالت ایجان جمالت ایجان کمالت ایجان　　طبیب روحی حبیب قلبی رفیق بالی شفیق وحالی

در تو قبلہ درِ تو کعبہ در تو ملجا درِ تو ماوا　　فذ املاذی وذا معاذی وذ امعادی وذا مآلی

بہ تست صبح امید رخشان زِ تست شام مراد تابان　　فانت شمسی وانت بدری بلا محاقٍ ولا زوالی

بدرد عشق تو بے قرارم توئی طبیب دل نزارم　　اگر نہ پرسی ز حالِ زارم فکیف حالی وکیف حالی

ز تیغ ابرو شہید گشتم بجانِ جانان وحید گشتم　　فما ھمومی عن افتراقٍ ولست افرح من الوصالی

قطعۂ تاریخ رحلتِ حضرت فریادگاہ شتہ کلک گہر سلک وحید

اوستاد ہمین بندہ وحید　　شاہ الفت حسین فخرِ جہان

شاہ گیہان دانش و فرہنگ　　بندگانش یگان یگان ہمدان

حکم او نافذ جہانِ سخن　　لفظ او معنیش تابعِ فرمان

کمترین چاکرش فن انشاد　　نیز انشا بہ بندگی نازان

علم واخلاق دلنشین دلش　　فن آنا رہنما بان زبان

آن ادیب بلیغ اکمل دہر　　رشکِ حسّان وغیرتِ سحبان

---

[1] تمنا تخلص، مولوی محمد حسین مرادآبادی،

سالِ رحلت بعین جوشش بکا　　　خواست چون جانِ زار موبہ کنان

گفت رضوان ہمین کہ دید او را　　　شاہ الفت حسین صدر جہان
۱۲۹۸ھ

مسٹر جیمس کارکرن، یہ ایک انگریز مستشرق تھے، ان کا ذکر باب سیوم مین آچکا ہے، کلکتہ کی صدر دیوانی مین جواب ہائیکورٹ ہے، مترجم اعظم تھے، ان کو بھی حضرت کی شاگردی کا فخر تھا، تقریباً روزانہ حضرت کی خدمت مین حاضر رہ کر فیض پایا کرتے تھے، حضرت ہی کے زبانی لکچرون کی بنا پر تاریخِ چین ضخیم دو جلدون مین تالیف کی اور رسالہ جواہر اخلاق نظم و نثر مین لکھا، جسپر نواب ضیاء الدین[1] احمد خان دہلوی تخلص نیّر کی تقریظ قابلِ دید ہے، تاریخِ چین نواب بھی چھپتی اور دستیاب ہوتی ہے، لیکن رسالہ جواہر اخلاق کمیاب ہے، راقم کے پاس بھی ایک کاپی اسکی تھی، کچھ عرصہ ہوا کہ کوئی صاحب مستعار لے گئے پھر واپس نہ کیا،

ان کا اور مولانا وحید کا حلقۂ درس مین حضرت کے ایک عرصہ تک ساتھ رہا، مولانا وحید نے ان کے اور مسٹر ہنری ٹارنس کی شاگردی کی نسبت اپنی کتاب جواہر انتخاب کے ضمیمہ مین جسمین حضرت کے حالات لکھے ہین اور ۱۳۰۸ھ مین زیورِ طبع سے جسکو آراستہ کیا، یہ عبارت لکھی ہے،

"درزمان بودن فریاد برشد آباد مسٹر ہنری ٹارنس ایجنٹ مرشد آباد کہ شوق مفرط بعلوم و فنون مشرقی داشت از تلمذ حضرت فریاد استفادہا کردہ بود و در بود نش بکلکتہ مسٹر جیمس کارکرن نام فرنگستان نژادی زانوئے ادب بدبستان افادتش برشکستہ بود کہ بیامن آن نامی بلند بہ اردو دانی برآوردہ ار دو مترجم دادرگاہ

[1] نواب ضیاء الدین احمد خان مرحوم خاندان لوہارو کے ایسے باکمال رکن تھے کہ مرزا غالب زاد نے اپنی نظم و نثر مین ان پر فخر کیا ہے، بزمانۂ قیام کلکتہ ہمارے حضرت سے اور نواب ضیاء الدین خان سے بیحد ربط پیدا ہو گیا ہے۔

صدر کلکتہ صدر اکبر آباد شد و رسالہ جواہر اخلاق در نظم و نثر کتاب تاریخ چین در نثر اردو بدو جلد ضخیم تصنیف و تالیف کرد"

خان بہادر مولوی خدابخش خان سی، آئی، ای پٹنہ کی پبلک لائبریری جنکی یادگار ہے جبکہ انگریزی کی تحصیل کے لیے کلکتہ مین مقیم تھے، قاآنی کا دیوان حضرت سے سبقاً پڑھا تھا شاعری کی جانب بھی شوق غالب ہوا، ہمارے حضرت نے منع کیا، اور فرمایا کہ تمہاری طبیعت کو شاعری سے مناسبت نہین ہے، اوقات ضائع کرنا ہے، خانصاحب کے والد بھی حضرت کے شاگرد تھے، اور خانصاحب کے چھوٹے بھائی مسٹر ابوالحسن خان مرحوم جج عدالت خفیفہ کلکتہ نے بھی حضرت سے قصائد عرفی پڑھے تھے، خدابخش خان مرحوم حضرت کی شاگردی کا ہمیشہ فخر کرتے تھے، ۱۸۹۵ء مین جبکہ خانصاحب مرحوم ہائیکورٹ کے چیف جسٹس ہوکر حیدرآباد گئے تھے تو ہمارے بھائی سید ہمایون مرزا صاحب بیرسٹرایٹلا بھی بغرض وکالت حیدرآباد گئے تو خانصاحب موصوف بیرسٹر صاحب کو اعیان وامرائے حیدرآباد سے یہ کہکر ملاتے تھے کہ یہ ہمارے استادزادے ہین، اور پھر گھنٹون لوگون سے حضرت کے کمالات بیان فرماتے تھے،

خان بہادر مولوی اشرف الدین احمد خان مخاطب بہ اشرف الدولہ خلف اکبر فخرالملک وزیرالسلطان نواب امیر علی خان بہادر، مولوی کرامت علی صاحب نے جو ہوگلی کے امام باڑہ کے مشہور متولی تھے جنکا ذکر اوپر آچکا ہے، اپنی جگہ مولوی اشرف الدین احمد خانصاحب کو متولی مقرر کروایا، اور اشرف الدین احمد خانصاحب نے یہ خدمت بحسن بی تقریباً پینتالیس سال انجام دی، اور اب حسن خدمت کے صلہ مین پنشن لیکر اپنے آبائی قصبہ باڑہ مین مسکن گزین ہوگئے ہین، انھون نے شاعری وغیرہ مین جو کچھ حاصل کیا وہ

ہمارے حضرت ہی سے حاصل کیا، ان کی بہت سی تصانیف ہین، ہمارے حضرت مثل اپنے فرزند کے چاہتے تھے، میر راحت علی صاحب صوبہ بہار کے رہنے والے تھے کلکتہ کے ہائیکورٹ مین مختار کاری کرتے تھے فارسی مین کبھی کبھی کچھ کہہ لیا کرتے تھے، اور جو کچھ کہتے تھے ہمارے حضرت کو دکھاتے تھے، حضرت کے انتقال کی تاریخ جو نکالی او ایک طولانی قطعہ لکھا تھا، مادہ کا مصرعہ یہ ہے، ع

شاہ الفت حسین فردوسی

علاوہ مذکور الصدر حضرت کے بزمانہ اقامتِ کلکتہ متعدد اشخاص نے حضرت سے استفادہ حاصل کیا جنمین سے بہت سے اشخاص سے راقم کبھی واقف نہ ہوا اور بعض کے نام یاد نہ رہے،

سنہ ۱۸۷۴ع مین جب حضرت اپنے وطن مالوف اخیر دفعہ تشریف لائے، اور یہین سنہ ۱۸۸۰ع مین رحلت فرمائی، تو اس چھ سال کی عرض مدت مین بہت سے لوگون نے حضرت سے پڑھا بھی اور اصلاحین بھی لین، راقم کو شرفِ تلمذ تو مدتون سے حاصل ہو چکا تھا، ابتداءً سنہ ۱۸۶۰ع جب صرف چار ماہ کے لیے حضرت عظیم آباد تشریف لائے تھے، والد مرحوم نے راقم کو حضرت کی خدمت مین پیش کیا تھا، پھر جب سنہ ۱۸۶۳ع مین حضرت عظیم آباد تشریف لائے، کوئی دو سال مقیم رہے، جب بھی حضرت سے استفادہ حاصل کرتا رہا، اخیر دفعہ جب حضرت عظیم آباد تشریف لائے اور چھ سال بقید حیات رہے تو اس عرصہ مین برابر حاضر رہا کیا، حضرت کے زمانۂ قیام کلکتہ مین بھی راقم جب جب کلکتہ جاتا تو حضرت سے استفادہ حاصل کرتا رہتا، اخیر دفعہ جب حضرت وطن تشریف لائے اور چھ سال بقیدِ حیات رہے، تو اس عرصہ مین بھی بہت سے لوگون نے فیض

پایا، متعدد اشخاص کو شرف تلمذ حاصل ہوتا رہا، مخدومی مولانا نواب سید امداد امام شمس العلما متخلص اثر جنکو حضرت سے جدی قرابت قریبہ بھی تھی، یعنی نواب امداد امام صاحب کے والد ماجد خان بہادر شمس العلما مولوی سید وحید الدین خانصاحب کے ہمارے حضرت ایک رشتہ سے چچا اور دوسرے رشتہ سے ماموں ہوتے تھے حضرت سے پڑھا، راقم نے اس خاندان عالی کی پانچ پشتین دیکھین، نواب صاحب کے والد کو دیکھا، اور نواب صاحب کے دادا مولوی سید امداد علی خان بہادر صدر الصدور کی زیارت کی تھی، پھر نواب صاحب کے دونوں فخر قوم نامور صاحبزادوں کو یعنی سر سید علی امام صاحب اور سید حسن امام صاحب کو دیکھا اور سر علی امام صاحب کے فرزند مسٹر سید صفدر امام صاحب کو دیکھا، اس طرح پانچ پشتین دیکھین،

نواب سید تجمل حسین خان عرف سید سلطان میرزا تخلص سلطان خلف نواب بہادر، نواب سید ولایت علی خان مرحوم سلطان میرزا صاحب مرحوم نہایت شہ زور، خوشرو، خوش گفتار، خلق مجسم رئیس ابن رئیس تھے، بہت کم عمری مین انتقال کیا، گو ان کے انتقال کو پچیس چھبیس سال ہوئے، لیکن اہل عظیم آباد کے دلون سے ان کی یاد بھولی نہین ہے، ان کی ہمشیر کے پوتے نواب سید اسمعیل خان بہادر عرف حجن نواب صاحب ان کی یادگار ہین، سلطان صاحب مرحوم کو شاعری مین تلمذ میر فرزند احمد صفیر بلگرامی سے تھا لیکن حضرت سے حضرت کی مثنوی دبستانِ اخلاق سبقاً پڑھی تھی، اور کبھی کبھی جب صفیر مرحوم عظیم آباد مین نہین رہتے اور کسی مشاعرہ مین غزل پڑھنی ہوتی تو حضرت کو دکھا لیتے تھے

نقی نواب صاحب تخلص نقی خلف آغا محمد حسین خان صاحب جنکا ذکر اس کتاب مین کئی جگہ آچکا ہی جب حضرت اخیر دفعہ عظیم آباد تشریف لائے تو نقی نواب مرحوم کی عمر اکیس

بائیس سال کی تھی، ایک قدیم خاندان کے رکن رکین اور بہت سی خوبیون سے متصف تھے، انھون نے حضرت سے پڑھا بھی اور اصلاح بھی لی،

مولوی میر رحیم جان مرحوم تخلص رحیم اس عہد کے مشہور حدیث خوان مولوی کریم جان صاحب کے والد حضرت سے اصلاح لیتے تھے، نواب یوسف حسین خان مرحوم ان کے والد نواب تصدق حسین خان مرحوم بھی حضرت کے شاگرد تھے، اور انھون نے بھی حضرت سے پڑھا تھا،

میر آصف حسین خلف حاجی سید مہدی حسین مرحوم یکے از رؤسائے لودیکنرہ، ان سے بھی ہمارے حضرت سے قرابت تھی، حاجی سید مہدی حسین صاحب ہمارے حضرت کے رشتہ کے بھائی ہوتے تھے، آصف حسین صاحب مرحوم نے حضرت سے پڑھا تھا، پیرانہ سالی کے زمانہ مین حضرت ضعف پیری وغیرہ کا گو بہت عذر کرتے لیکن جب بہت اصرار ومنت لوگ کرتے اور بسماجت عرض کرتے کہ تبرکاً وتیمناً ایک غزل ہی لکھدیجئے، یا ایک سطر پڑھا دیجئے تو حضرت مروت وخلق کی وجہ سے مجبور ہو جاتے، حضرت کی ذات مقدس درحقیقت تھی بھی ایسی ہی متبرک وباخیر کہ جس نے ایک لفظ بھی حضرت سے پڑھا، اسکو خدا نے برکت عطا کی، چنانچہ مرزا محمد جعفر مرحوم تخلص اوج خلف مرزا دبیر مرحوم (ظاہر ہے کہ کتنے بڑے باکمال باپ کے بیٹے اور بعد کو خود بھی باکمال ہوئے) نے پہلا سلام حضرت کو بغرضِ اصلاح دکھلایا تھا

اس واقعہ کی حقیقت مجکو اپنے بھائی سید ہمایون مرزا صاحب بیرسٹرایٹلا سے معلوم ہوئی تھی، مین بیرسٹر صاحب کے بیان کا اعادہ کرتا ہون وہ کہتے تھے کہ "بیرسٹری کی سند انگلستان سے لیکر جب کلکتہ آئے اور ہائیکورٹ مین وکالت کرنے لگے تو ۱۸۹۵ء مین شہزادہ سرجہان قدر میرزا مرحوم نے مٹیابرج کے امام باڑہ سبطین مین جہان حضرت واجد علی شاہ

اختر شاہ اودھ مدفون ہین، اربعین کی مجلس کی بہت سے عمائدین و اعیانِ کلکتہ کو مدعو کیا، بیرسٹر صاحب بھی مدعو کئے گئے، بلحاظ خاندانی تعلقات کے شہزادہ صاحب مرحوم بیرسٹر صاحب سے بہت اتحاد و خلوص رکھتے تھے، اس مجلس مین مرزا اوج مرحوم نے بھی پڑھا، بعد اختتام مجلس بیرسٹر صاحب کو مرزا اوج مرحوم سے شہزادہ صاحب نے یہ کہکر ملایا کہ ہمارے حضرت شاہ الفت حسین صاحب مرحوم کے فرزند ہین، حال ہی مین انگلستان سے بیرسٹری کی سند لیکر واپس آئے ہین، بیرسٹر صاحب کہتے تھے کہ حضرت کا نام سنا تھا کہ مرزا اوج صاحب کے چہرہ پر عجیب بشاشت نمودار ہوئی، اور مرزا اوج صاحب کہنے لگے چونکہ آج اربعین ہے گلے سے تو لگا نہین سکتا، آئیے مصافحہ کرین، پھر کہا کہ مجھے بھی حضرت شاہ صاحب کی شاگردی کا شرف حاصل ہے اور وہ اسطرح کہ جب والد مرحوم (مرزا دبیر صاحب مرحوم) آنکھون کے علاج کے لیے ۱۲۷۸ھ مین کلکتہ تشریف لے گئے تھے، اور واپسی مین چند روز عظیم آباد مین بھی قیام فرمایا تو اسی اثنا مین مین نے اپنا پہلا سلام کہا، میرے والد مرحوم نے اس پر اصلاح نہین فرمائی اور مجھے اپنے ہمراہ لیکر حضرت شاہ صاحب کی خدمت مین تشریف لے گئے اور وہ سلام حضرت شاہ صاحب کے سامنے مجھ سے پڑھوایا، اور حضرت شاہ صاحب سے کہا کہ آپ اصلاح فرمائیے، حضرت شاہ صاحب نے پہلے تو عذر کیا اور فرمایا کہ آپ خود کیون نہین اصلاح دیتے، انھون نے فرمایا ہرگز ایسا نہین ہو سکتا، آپکی موجودگی مین مین کیا دیکھون، آپ کی خدمت مین اسی لئے اسکو (اوج) لایا ہون کہ آپ اس کے پہلے سلام کو ملاحظہ فرمائین، آپ کی اصلاح و دعا کی برکت سے خدا اسکو باکمال کرے گا، چنانچہ حضرت نے وہ سلام میرے ہاتھ سے لیا، قلمدان تو ہر وقت حضرت کے پاس ہی رہا کرتا تھا، قلم لیکر چند مقامات مین اصلاح فرمائی اور مجھ سے وجوہ پوچھے مین نے اپنے طور پر ردوبدل کے وجوہ عرض کئے،

حضرت نے پھر خوبیان فرمانا شروع کیا اور والد مرحوم کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا، کیون مرزا صاحب آپکا کیا خیال ہے، انھون نے فرمایا بہت بجا و درست، چنانچہ وہ سلام حضرت کے دستِ مرتعش کا اصلاح شدہ میرے قلمدان مین اس وقت تک محفوظ ہے، اور مین نے تبرکًا اس کو رکھ چھوڑا ہے،

اس واقعہ سے کئی باتون کا پتہ چلتا ہے، ایک تو یہ کہ اگلے باکمالون مین مطلق نفسانیت نہ تھی اور کس صاف دلی و خلوص سے ایک دوسرے سے ملتا تھا، قطع نظر اس کے ہمارے حضرت کا کمال کس درجہ کا تھا اور حضرت کی ذات کس درجہ مقدس تھی، اور مرزا دبیر صاحب مرحوم کو حضرت کیساتھ کس درجہ کا خلوص و ارادتمندی تھی، بیرسٹر صاحب کہتے تھے کہ مرزا اوج مرحوم نواب مرزا فیاض علیخان مرحوم کے ہان مجلسین پڑھنے کو حیدرآباد جب آتے تھے اور مین جب ان سے ملنے کو کبھی جاتا تو مجھے صدر مقام پر باصرار بٹھاتے، اور خود مسند کے ایک گوشہ پر جا بیٹھتے اور اپنا پاندان منگا کر خود گلوریان بنا کر مجھ کو دیتے اور پھر حاضرین صحبت سے والد کی عالیخاندانی و کمال و معصوم صفت طبیعت وغیرہ کا ذکر کرتے،

باب ہفتم

حضرت کا کلام

تمہید

قبل اس کے کہ حضرت کے کلام درج کئے جائین، اس جگہ ایک امر کا بیان بطور مقدمہ کے ضروری ہے، ہمارے ہمعہد عزیز مولنا حالی نے اپنے مقدمہ دیوان مین، اور ہمارے عنایت گستر مولنا شبلی نعمانی نے اپنی کتاب موازنہ کے عنوان مین جو یہ لکھا ہے کہ ابتک ہندوستان والون کے مذاقِ شعر کا پتہ نہ مل سکا کہ کس پیمانہ پر ہے، حقیقت مین ان دونون صاحبون کا ریمارک بہت صحیح اور قابلِ توجہ و لحاظ ہے، میرے خیال ناقص مین یہ ہے کہ ہرچند ان دونون صاحبون نے اپنی اپنی تصانیف مین بہت کچھ کوشش کی ہے کہ مذاقِ صحیح کا ایک کافی پیمانہ بنا کر پیش کرین، لیکن میرے نزدیک صرف قواعدِ نظم سے کام لینا ایسے محل پر شاید کافی نہ ہو، جب تک فلسفہ قواعد فصاحت و بلاغت کے ساتھ ساتھ سلاست اور مثالون کے ساتھ معتدبہ بیان نہ ہون، غالبًا ایسا فائدہ نہ پہنچ سکے جیسا مقصود ہے،

کئی سال ہوئے راقم الحروف نے ایک ضخیم کتاب اس کے متعلق مسمّیٰ بہ فکرِ بلیغ مرتب کردی ہے، اس کتاب کے شائع ہونے پر شاید یہ نواقص جو مذاق مین حد سے زیادہ نمایان ہین، کم ہو جائین، اس وقت اسی کتاب مین سے بعض باتین یہان درج کرتا ہون،

یہ تو معلوم ہے کہ جس طرح علم صرف ونحو کی تدوین عبارت کے اغلاط سے بچنے کیلیے کیگئی ہے، اسی طرح قواعدِ معنی وبیان اور فصاحت وبلاغت کی تدوین مناقص عبارت ومعانی سے بچانے اور محاسنِ عبارت پر توجہ دلوانے کے لیے کیگئی ہے، لیکن مذاق ایک چیز علیحدہ ہے، جس کا بیان آگے آئیگا، ہم کو کسی کلام کے پرکھنے کے لیے چونکہ دونون ہی سے بحث ہے، اسلیے کچھ کچھ دونون ہی کے متعلق عرض کرنا ہے، تلخیص ومختصر معانی وغیرہ کتابون مین ابتداءً عبارت کی فصاحت سے بحث کی ہے، جس کی اجمالی تعریف یہ ہے کہ الفاظ مین جتنے حروف ہون ان کی نشست دل پسند ہو، اور آپس مین تنافر نہ ہو، اور قواعدِ صرف کے بھی برخلاف نہ ہو، اور لفظ غریب (اجنبی) نہ ہو، علمائے ادب نے تنافر کے بارہ مین ایک طویل بحث کی ہے، مثلاً دو دو (و) (خ) (ش) (س) ایک ہی جگہ جمع ہو جائین، مگر جہان عَلَم ہو یا مثلاً اس معنی کا کوئی دوسرا لفظ مستعمل نہ ہو تو وہ معفو ہے،

ضبطِ زبان جسکی بنا پر تنافر حروف سے بچنے کے لیے کیا گیا ہے، ہر زبان مین مختلف ہوا کرتا ہے، مثلاً (ڈ) (ٹ) (ڑ) بہہ وغیرہ جو ہماری زبان مین مخالفِ فصاحت نہین ہین، فارسی وعربی مین باعث ضبط وتنافر ہین، غریب الفاظ مثلاً سوتف جو مشہور رواہے، اس کو زبردستی راز یا نخ استعمال کرنا، لیکن کہین کہین وہی غریب الفاظ عبارت کی شان کو بڑھا دیتے ہین، اور مذاق صحیح بھی اوسکو قبول کرلیتا ہے، برخلاف قواعد صرف کے یہ معنی ہین کہ واضع نے جس لفظ کو جس طور پر جس معنی کے لیے وضع کیا ہے، اپنے قیاس پر اسمین تصرف کرنا بھی برخلاف فصاحت ہوگا، بلاغت کی تعریف مین پہلا جز فصاحت کا شامل ہے، گویا عام وخاص من وجہ ہے، بلاغت بغیر فصاحت کے ناچیز محض ہے اسلیے بلاغت کی تعریف یون کرتے ہین کہ کلام فصاحت کے ساتھ مقتضی ہو معنی حال کو، ہرچند یہ تعریف

جامع ہے، اور جتنے اسالیب بلاغت ہین، سب شامل ہین، مگر پھر بھی اختصار کے سبب سے ایک ایسے سرپوش مین ڈھکے ہین کہ محصلین دھوکا کھا جاتے ہین، شارحین نے گوہندی کی چندی کی ہے، مثلاً مبتدا و خبر کہان، مقدم کہان، موخر کہان، معرفہ کہان، نکرہ کہان، مقدر کہان، مذکور، اسناد کہان، حقیقی کہان، مجازی کہان، جملہ انشایہ کہان، خبریہ کہان، وصل کہان، فصل کہان، اطناب کہان اور اختصار ہو، تاہم مقتضی یعنی حال کے مفہوم کا حق بہت کم ادا کیا ہے

واضح ہو کہ بلاغت عربی لفظ ہے، جسکے معنی پہنچا ہوا، بلیغ کے معنی کلام پہنچا ہوا، یعنی جس حد تک اس کو پہنچنا چاہیئے اس حد تک پہنچا ہوا ہو، مقتضی معنی حال کے یہ معنی ہین کہ جیسا اقتضا جہان جس چیز کی علت کا ہو اسکا پورا حق ادا کرے، دور از قیاس تصرفات اسمین نہ ہون، اسکو ہم ایک مثال کے ذریعہ سے سمجھاتے ہین، مثلاً ایک مصور نے کوئی تصویر کھینچی، تصویر ایک موٹے یا دبلے شخص کی تھی، مگر تصویر کے برخلاف صاحب تصویر ثابت ہوتا ہے، یا فرض کرو کہ خیالی ہی تصویر تھی، ہر عضو کی مناسبت کو مدنظر نہ رکھا، ہاتھ، پاؤن، چہرہ، یا قد کی مناسبت سے چھوٹے یا بڑے ہو گئے،

علاوہ اس بحث کے پہلے یہ سمجھنا چاہیئے کہ شعر کا ماحصل کیا ہے، ہر انسان مین کم و بیش کئی طرح کی قوتین ودیعت کیگئی ہین، بعض رذیلہ و بہیمیہ ہین، اور بعض ملکوتیہ و مقبولہ ہین بعض انسان مین بعض قوتین کم اور بعض مین زیادہ ہین، اور پھر وہ بھی بعض مین جاگتی، اور بعض مین کسی خارجی سبب سے سوتی ہین، اچھا شعر سوئی ہوئی قوت کو فوری چونکا دینے کا ایک آلہ ہے، فرض کرو ایک انسان مین قوت و مذاق معرفت زیادہ ہے، مگر کچھ ایسے اسباب جمع ہو گئے ہین کہ یہ قوت سوگئی ہے، یا کسی مین قوت یا مادۂ عدل یا قوتِ شجاعت یا مادۂ رحم موجود ہے، مگر ان مین سے کوئی مادہ یا قوت کسی خارجی سبب سے سوگئی ہے، تو اس قوت

یا مادہ کے چونکا دینے کے لیے اور اس قوت کے استحسان کا اثر ڈالنے کے لیے اسی مضمون کا شعر آلۂ ایقاظ ہے، اس لیے اگلے سلاطین جنگ مین کڑکے اور رجز پڑھواتے تھے کہ مادۂ غیرت چونکے اور مثل شعلہ کے بھڑک اٹھے تاکہ لڑنے والا جوش مین آکر دادِ شجاعت دے، یا موت کے ساتھ ہمدردی کا مادہ بڑھانے کے لیے، مرثیے پڑھوائے جاتے ہین، اس وجہ سے سلاطین عجم اپنی صحبتون مین شاہ نامہ پڑھوا کر سنا کرتے تھے،

جب یہ ثابت ہوا کہ شعر کا ماحصل یہ ہے تو سوچنا چاہیئے کہ شعر کے لیے کون سی خوبی درکار ہے، جو اثر پہنچانے مین قوی ہو، انھین خوبیون کے سمجھانے کے لیے فنون فصاحت و بلاغت و معنی و بیان مدون کئے گئے ہین، اتنا تو ہر شخص جانتا ہے کہ قرآن شریف انتہائے فصاحت اور صنائع لفظی و معنوی پر مبنی ہوا ہے، یہانتک کے فصحا و بلغا و عرب العربا کے مقابلہ مین تحدی کیگئی، جنمین سے ہر ایک کوس انا و لا غیری بجاتا تھا اور سب نے سر ڈالدیئے اور ماھذا کلام البشر کہنا ہی پڑا، اہل عرب کوہی و صحرانشین تک (یہ عربی ہی زبان کے لیے مخصوص ہے کہ ٹھیٹھ سے ٹھیٹھ صحرائی کی زبان بمقابلہ شہریون کے زیادہ مستند مانی جاتی ہے) حیرت مین آجاتے تھے، اور صاف کہدیتے تھے، کہ وہی الفاظ وہی محاورات ہین، جنکو ہم دن رات بولا کرتے ہین، مگر اس نشست اور اس سادہ و سلیس ترکیب کے ساتھ ادا کرنے مین، ہم عاجز ہین، لطف یہ کہ نہ نحوی ترکیب ایسی پیچیدہ ہے کہ عبارت کو چیستان بنا دے، نہ تشبیہین اور استعارے ایسے بعید القیاس ہین کہ مطلب بھول بھلیان مین پڑ جائے، یا معمہ بنجائے، اور پھر ایسی ندرت کوٹ کوٹ کر بھری ہے کہ جسقدر غور سے کام لیا جائے اسالیب بلاغت نکلے ہی آتے ہین، سلاست کا یہ عالم ہے کہ ایک طفل شیرخوار عربی بولنے والا سمجھ لے، اور خوبیون کا یہ حال ہے کہ علمائے فن ان کے احاطہ کرنے مین قاصر ہین، اگر پیچیدہ عبارت

اور باریک باریک دور دراز مبالغے اور اغراق بے محل ہی قابلِ ستائش و لائقِ تعریف ہوتا تو ضرور تھا کہ اللہ تعالیٰ بھی اپنے بندون سے پہیلیان بجھواتا، پھر جب یہ حالت ہوتی تو اثر کجا اور کلام مین جب اثر نہ ہوا تو ایسے کلام کا فائدہ کیا،

اس خصوص مین مین نے اپنی کتاب فکرِ بلیغ مین بوعلی سینا اور محقق طوسی علیہ الرحمہ کے اقوال لکھدیئے ہین، ان کو اس جگہ بھی دوہرائے دیتا ہون،

هكذا قال الاعلي بن سينا في الشفاء وهوان يكون الكلام عذب الالفاظ سهل التركيب خالياً عن التكلف والتعقيد يكاد يسيل من دقته وينحدر انحدار الماء في السنبلة ولا يتكلف فيه شيئ من انواع البدائع الا ما جاء عفواً من غير قصد،

مطلب یہ ہو کہ کلام شیرین ہو، الفاظ سہل ترکیبون کے ساتھ ہون، نہ کہ پہیلی بوجھائی جائے ذہن پر گرانی نہ کرے، تکلّف زاید اور تعقیدون یعنی معنی کے دور پڑجانے سے خالی ہون، بندش و محاسنِ الفاظ سے ایسے روان ہون جیسے پانی کی سیل بہتی چلی جاتی ہے، اور پانی رو مین ڈھلکتا ہوا چلا جاتا ہے، صنائع ہر گز بتکلف نہ آئین، ہان بلا قصد اگر رو مین آجائین تو مضائقہ نہین ہے

محقق طوسی علیہ الرحمہ نے تو یہان تک کہا ہے کہ جو کلام صفاتِ مذکورہ سے خالی ہے گو انواع صنائع اور باریک مضمون سے سجایا گیا ہو شعر نہین ہے، بلکہ خرافات مین داخل ہو،

متقدمین اساتذۂ فارسی کے کلام تو حقیقت مین اس تعریف کے تحت مین آتے ہین، الا بعض شعرائے متوسطین، خصوصاً متاخرین نے ان چیزون اور قواعد کا خیال نہ رکھکر شعر کی اصلیت خاک مین ملادی، اسکی چند وجہین ہین، بڑی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ ایسے سہل ممتنع کلام کا کہنا کھیل نہین ہے، ممکن ہے کہ ایک بدشکل بھدی عورت کو بیش قیمت زیورات

دیرہ تکلف ملبوسات سے آراستہ کیا جائے، لیکن یہ غیر ممکن ہے کہ فطری حسن بھی پیدا کر دیا جائے،
حالت یہ ہے کہ قدمانے جتنی سہل و مؤثر ترکیبین شعر کے مؤثر بنانے کے لیے کی تھین بہت
کچھ برت دین، اسکا خزانہ بہت کچھ تو خالی ہوگیا ہے، اور جو باقی رہ گیا ہے، وہ خزانہ قدرت
مین بند ہے، وہان تک ہر شخص کی پہنچ اور رسائی دشوار ہے، اس لئے تکلفاتِ زائد
سے کام لینا شروع کر دیا، سلاطین و امرا جو نئی بات کے متلاشی تھے، اور اس وہبی قوت کو
منجملہ اور اور کھیل تماشے کے سمجھ رہے تھے اور اس قسم کی بے اثر اور خلاف قیاس سجاوٹون سے
خوش ہوا کرتے تھے، بعض شعرانے بھی وہی شیوہ اختیار کر لیا، ایک اور وجہ یہ ہے کہ محاورات
اور مناسب و سلیس الفاظ پر جنکو قدرت نہ تھی وہ تکلفات زاید کی طرف جھک پڑے، اگر سلاست
آسان ہوتی تو خاقانی، سعدی، بنجانا اپنا فخر سمجھتا، اور اگر سادگی کے ساتھ اثر پیدا کر لینا اپنے
کلام مین سہل سمجھتا تو ملا نظیری عرفی، اور مرزا صائب، حافظ شیرازی اپنے تئین بنائے بغیر
نہ چھوڑتے، کلام مین سادگی اور سہولت کے ساتھ نمک ہونا انتہائے تلاش و منتہائے
زباندانی کی دلیل ہے، ان حضرات کا ذکر نہین جو موتی کے سوراخ کے اندر عاشقِ زار
کی قبر ڈھونڈھتے ہین اور معشوق کی کمر کو بال سے باریک تر و اے مضمون پر عش عش کیا کرتے
ہین، یا شعر کو پہیلی یا چیستان ہونا شاعر کے کمال کی دلیل جانتے ہین،

مختصر یہ کہ کسی شاعر کے کلام کا جب موازنہ کیا جائے تو ان چیزون پر نظر رکھنی چاہیے
کہ کلام مین عذوبت و ملاحت ہے یا موقع اور ٹھیک محل پر محاورے استعمال کئے گئے ہین
سلاست بیان مین ہے، طرز ادا مین سہولت اور دلکشی ہے، اور یہی صحیح مذاق کی علامت
ہے، مین اپنے صحیح مذاق والون سے اپنے حضرت کے کلام کی نسبت بھی اس بات کی
تمنا رکھتا ہون کہ وہ ان چیزون کا حضرت کے کلام مین اندازہ کرین اور دیکھین کہ مذکورۃ الصدر

پیمانہ کے برابر ہے، یا نہین، افسوس کا مقام ہے کہ فارسی زبان کے ماہر دنیائے ہند سے ناپید ہو گئے، ہم لوگون کے لیے تو اب سعدی جیسے فصیح وسلیس زبان والے باکمال کا کلام بھی بدر چاچ کا کلام ہے، نہین نہین بدر چاچ تو بہت غنیمت ہے، جس نے فقط استعارون سے کام لیا ہے، اسیلیے ذری دقت آگئی ہے، اورون کی طرح ترکیب عبارت مین ایسی پیچید گی خلافِ فصاحت نہین رکھی ہے کہ اگر ان کی پہیلی بوجھ بھی دیجائے تو ڈھول کے اندر خول نظر آئے، سلیم مذاق والے اہل علم کو یہ بھی شکایت اور بجا شکایت ہے، کہ ان کی بدمذاقی بھی ایک پیمانہ پر نہین ہے، آج ایک مذاق کے اس سرے سے اس سرے تک دلدادہ ہو رہے ہین، فی نفسہ وہ مذاق کیسا ہی کیون نہ ہو مگر عام وخاص، عامی و اہل علم تک اسکی پیروی اور تقلید پر ناز کرتے ہین جبکو دیکھو اسکا دم بھر رہا ہے، مگر کل اس سے حد درجہ کراہت ومنافرت پیدا ہو گئی، یہان تک کہ فہرستِ شعرا سے بھی اس کا نام کاٹے دیتے ہین یا تو اوسکی شاگردی پر انتہا سے زیادہ اظہارِ فخر و ناز ہو رہا تھا، یا دفعتہً اسکی شاگردی کا نام لیتے ہوئے شرماتے ہین اور پھر اگر تبدیلِ مذاق بھی کیا جاتا تو سوچ بچار کر کرنا تھا، تاکہ دفعتہً پھر تبدیلی کی ضرورت نہ پڑے یا تو اس سرے تھے یا اس سرے جا پہنچے، کہ بھول بھلیّان مین خود کو کھو دیا، اس کا سبب یہی ہے کہ ہنوز اچھے شعراور شعر کی غرض اصلی کی طرف بے رو رعایت غور نہین کیا، نہ صحیح مذاق پیدا کرنے کی کوشش کی،

یہ بات بھی مین نے چیدہ ہی اساتذۂ فن مین دیکھی کہ چاہے اس کے مذاق و طرز سے دوسرے کا مذاق کیسا ہی مختلف کیون نہ ہو، مگر کبھی کوئی کلمہ طنز و تشنیع کا اسکی شان مین اپنے منھ سے نہ نکالا اور کبھی بے تمیزی یا اہانت سے اسکا نام نہین لیا

اس بارہ مین ہمارے حضرت علیہ الرحمہ وجناب میر انیس مرحوم اورجناب مرزا دبیر مرحوم کو بہت محتاط پایا، ان حضرات کی صحبت مین یہ معلوم ہوتا تھا کہ ہم ایک شریف النفس بردبار ذی علم وکمال کے پاس بیٹھے ہین، مین اس باب مین حضرت مغفور کے بعض بعض اساتذہ کے کلام کے ساتھ مذکور کرونگا، لیکن اس کے یہ معنی نہین ہین کہ مین موازنہ کرتا ہون، موازنہ کرنا امر بسیت مشکل وکاربسیت دشوار بلکہ اس سے مقصود یہ ظاہر کرنا ہے کہ حضرت نے بھی بعض اساتذہ کے کلام کے ہم قالب وہم زمین ارشاد فرمایا ہے،

غزلیات

قبل اس کے کہ حضرت کی غزلون کو نقل کرون چند ضروری باتین جو غزلون سے تعلق رکھتی ہین گوش گذار کردینی ضرور ہین، غزل کی تعریف، یعنی غزل کسے کہتے ہین، غزل کا آغاز کب سے ہوا، غزل مین کیا کیا باتین ہونی چاہئین، غزل کی کتنی قسمین ہین، علاوہ ان کے اور بھی چند باتین مختصر طور سے عرض کرنا مناسب مقام سمجھتا ہون،

ارباب لغت نے غزل کے معنی بہت کچھ لکھے ہین، مگر سب سے زیادہ جو معنی قرین قیاس ہے وہ مکالمہ بازنان ومعشوقان یعنی عاشق ومعشوق کی باہمی گفتگو، ممکن ہے ابتدا مین غزل اسی محدود معنی مین مستعمل ہو، لیکن فی زمانتا تو غزل کے ایسے وسیع معنی ہوگئے ہین کہ وہ محدود معنی اس کے لیے کافی نہین ہے،

ابتدائے شعر گوئی کا آغاز بعض کہتے ہین کہ بہرام گور سے ہوا، اور یہ کہا جاتا ہے کہ ایک دن خوش ہوکر جوش مین آکر بہرام کی زبان پر یہ موزون مصرعہ آیا،

"منم آن پیل دمان ومنم آن شیر یلہ

بعض کہتے ہین کہ دوسرا مصرعہ بھی اسی کی زبان سے نکلا، اور بعضون کا قول ہے کہ اسکی معشوقہ نے کہا "نام بہرام ترا و پدرت بوجبلہ" بعض کہتے ہین کہ پہلے پہل بہرام نے یہ شعر کہا، ؎

اشتر صراحی گردنا　　　خواہی چہ خواہی کردنا

بعض بتاتے ہین کہ پہلے پہل عربی مین یُعرب بن قحطان نے یہ شعر کہا،

ما الناس من اب وام　　　حلیف جبل طیف علم

جیسا مین اوپر لکھہ آیا ہون کہ ترقی زمانہ غزل کے مضامین بڑھتے بڑھتے ایسے وسیع ہو گئے ہین کہ کسی ایک دائرہ کے اندر محدود نہین کئے جا سکتے، جو اوصاف کہ عامۃ الورود کے طور پر ہین وہ یہ ہین

غزل کی زبان ایسی اختیار کرنی چاہیئے جیسے فصاحت کے ساتھ بامحاورہ باتین کرتے ہین، علاوہ ازین متانت و سنجیدگی اور کلام مین پختگی پائی جائے، صغرا و کبری درست ہو، ترکیب و بندش چست ہو، کسی جگہ لفظاً یا معناً ابتذال نہ آنے پائے (ابتذال کثیر المعنی لفظ ہے) جو مضمون پہلے مصرعہ مین شروع کیا جائے، دوسرے مین ختم ہو جائے، اور یہ حالت نہ ہو کہ شعر کو قطعہ کر دینے کی ضرورت پڑے، شعر مین کوئی نہ کوئی انوکھی بات ایسی ہو کہ سامع کو اپنی طرف متوجہ کرے، مضمون ایسا ہو کہ فطرت و عقل سلیم جسکو قبول کرے، مضمون ایسا نہ ہو جیسا اس شعر مین منظوم ہے،

دندان تو جملہ در دہانند　　　چشمان تو زیر ابروانند

یہ اور بات ہے کہ معنی پہنانے والون نے اس شعر مین بھی معنی پہنا دیئے ہین، مطلب یہ نکالا ہے کہ ہمیشہ تیرے دانت منھ کے اندر بند رہتے ہین، غرض یہ ہے کہ تو ہنستا ہی نہین، دوسرے مصرعہ کا مطلب یہ پیدا کیا ہے کہ تو نظر اٹھا کر کسی کو دیکھتا ہی نہین، اسی کو توجیہ القول بمالا یرضی

بہ قائلہ کہتے ہین،

قریب قریب کل کملائے سخن سنج کا یہ قول ہے کہ شعر مین ایسی زبان اختیار کیجائے کہ اس زبان کو بولنے اور جاننے والے فوراً سمجھ جائین گو اس کے نکات اور خوبیون تک نہ بھی پہنچین، بعض ایسے مذاق والے بھی ہین جو ایسے شعر کو پسند کرتے ہین جسکی ترکیب ٹہری ہو اور مطلب کے سمجھنے مین دقت ہو، مگر یاد رہے کہ اچھے شعر کی یہ تعریف نہین ہے، کہ شمس بازغہ یا صدرا بنگیا ہو اور مسئلہ علمیہ نے دقیق کر دیا ہو، ایسے ہی شعر کی نسبت بو علی سینا نے خرافات کہا ہے، ایسے شعر ہرگز جاذب قلوب و فرحت بخش روح نہین ہوتے،

کسی شاعر کامل فن نے شعر کی تعریف مین کہا ہے،

اگرچہ شاعران نغز گفتار ز یک جام اند در بزم سخن مست
و لے با بادہ دیگر حریفان خمار چشم ساقی نیز پیوست
مشو منکر کہ در اشعار این قوم ورائے شاعری چیزے دگر ہست

ان اشعار کا ماحصل یہ ہے کہ سب شاعر ایک ہی جام سے بزم سخن مین مست ہین، مگر بعض کے جام مین ساقی کی خمار آلودہ نگاہ نے تاثیر کی ہے، اسلیے ان کے اشعار مین علاوہ شاعری کے کوئی دوسری چیز بھی ملی ہوئی ہے، میرا خیال ہے یہی وہ دوسری چیز ہے، جس کے لیے شعرا کوشش بلیغ کرتے ہین کہ دستیاب ہو لیکن چونکہ محض عطیۂ ایزدی ہے، اسلیے ہر کا حصہ نہین ہے، کوشش سے کچھ نہین ہوتا، چنانچہ بعض شعر کو غور سے دیکھا جائے تو تمام صنائع لفظی و معنوی سے اس قدر بھرا ہوا ہے، کہ اگر بلاغت کی خوبیان بیان ہون تو کئی صفحے کافی نہ ہون، باینہمہ کچھ ایسا روڑھا اور اکھڑا اکھڑا سا ہے کہ مذاق سلیم کو جذب نہین کرتا، سبب یہ ہے کہ چیزے دگر نہین ہے جسکو اچھی طرح سمجھانے کے لیے کافی الفاظ نہین

ملتے، جیسے مٹھاس کہ اسکا سمجھانا مشکل ہے، لیکن ذائقہ اسکی لذت اٹھاتا ہے، برخلاف اسکے بعض شعرا ایسے بھی ہوتے ہین کہ نہ تو اس مین صنائع لفظی و معنوی ہے نہ کوئی انوکھی بات ہی لیکن چیزِ دگر کی چاشنی ایسی ہے کہ دلون کو اپنی طرف کھینچتی ہی،

اس کتاب کے باب اول مین کسی مقام پر قصیدۂ خمریہ عربیہ ابن فارض کا ذکر آیا ہے جسکی شرح فارسی مین ملا جامی نے کی ہے، ابن فارض نے اس قصیدہ کی تشبیب مین خمریات کو استعارۃً مذکور کیا ہے، چونکہ قصیدہ نعتیہ تھا، علمائے عصر نے اس پر بے ادبی کا جرم عائد کیا، مشہور ہے کہ علما رنے خواب مین رسول مقبولؐ کو دیکھا کہ قصیدہ کا استحسان فرمارہے ہین، پھر تو متاثر ہو کر زبان کو اس قدح سے روکا، اس وقت شعرائے ذی علم استعارات کی طرف رجوع ہوئے، اور مثنوی مولانا روم کے اس شعر پر کثرت سے عمل شروع کیا،

خوشتر آن باشد کہ سرِ دلبران ۔۔ گفتہ آید در حدیثِ دیگران

انھون نے حقیقت کو مجاز کا لباس پہنا پہنا کر نمایان کرنا شروع کیا، چنانچہ حسب موقع و محل انکی غرض معشوق مجازی سے معشوق حقیقی اور شراب مجازی سے شراب حقیقت ہوا کرتی ہے، ان کے جتنے لوازمات ہین بالکل استعارۃً ہوتے ہین، بلکہ جہان تک خوبصورتی کے ساتھ ان کو مجاز کے پردہ مین چھپایا جائے، وہان تک صرف جائز ہی نہین ہے، بلکہ مستحسن ہے، اگر خلوصِ نیت کے ساتھ ہو تو نری مضمون آفرینی و شاعری نہین ہے، بلکہ ریاضت و عبادت ہے، چنانچہ ایسے مرتاض شعرا جنھون نے اس قسم کی شاعری کے انہماک مین اپنی عمرین کھپا دی ہین، اور آخر کو اس شاعری نے ان کے اخلاق پر اتنا زبردست اثر کیا کہ تارکِ دنیا ہوگئے، اور دولت و جاہ دنیاوی سے قطع تعلق کر لیا، ایسے ہی شعرا کی شان مین رحمۃ اللہ و رضوان اللہ کہا جاتا ہے، اور اس کے وہ درحقیقت مستحق ہین،

توریت کے صحیفہ ہائے انبیا مین حضرت داؤد پیغمبر اور حضرت سلیمان علی نبینا وعلیہما السلام کا صحیفہ مسمیٰ بہ زبور ہے، جس کے مضامین کو غزل الغزلیات کہا گیا ہے، جس سے صاف ظاہر ہے کہ اپنی اصل زبان مین وہ سب موزون اور غزلین ہین جنکو یہ پیغمبرانِ سلف پہاڑون پر بیٹھ کر جوش کے ساتھ اپنے اکتارے بجایا کرتے تھے اور انس وجن وطیور و وحوش کو وجد مین لے آتے تھے، اگر ان مضامین پر نظر ڈالو تو استعارہ ہی استعارہ ہے،

صوفیائے کرام جو حقیقت مین نیت خالص کے ساتھ عشق ومعشوق حقیقی کے مراتب و منازل طے کرتے ہین، یا تو فطرۃً ان کی طبیعت مین اس قسم کی شاعری انکا شعار ہوتی ہے، یا اکتساب سے یہ بات پیدا کرلیتے ہین، ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے میراث مین عرفان نسلاً بعد نسلٍ بطناً بعد بطنٍ داخل رگ وپے رہا، علاوہ ازین اسی مذاق وخیال کے حضرت کے اساتذہ واہل صحبت بھی تھے، پھر مسائل پر عبور اور حقائق پر نظر غائر گویا سونے پر سہاگا تھا، اس پر سے مشق شاعری بدرجۂ اتم تھی، جتنے مدارج اس قسم کی حقیقی شاعری کے لیے خاص کر غزلون کے لیے ضروری وسزاوار ہین، وہ سب حضرت کو حاصل تھے،

ہمارے حضرت کے قریب العہد باکمال شاعر شیخ علی غلام علی راسخ مرحوم تھے انکی شاعری ومعرفت مین کسکو کلام ہوسکتا ہے، لیکن بغیر کہے رہا نہین جاتا کہ جناب شیخصاحب مرحوم جوش عرفان کو روک نہ سکے، کم غزلین ایسی تھین جہان مضامین ضرورت سے زیادہ نہ کھل گئے ہون، لیکن ہمارے حضرت نے سب پر ایسا مناسب پردہ ڈالا کہ صرف وہی شخص بیک نظر پہچان سکتا ہے جسکو آنکھین ہین،

غزلون کی بلحاظ مضامین تیرہ قسمین ہین اور اگر ایک کو دوسرے سے ضرب دین تو سیکڑون قسمین ہوجاتی ہین، اصل تیرہ قسمین یہ ہین، عارفانہ[۱]، سالکانہ[۲]، عاشقانہ[۳]، حکیمانہ[۴]، صوفیانہ[۵]

فلسفیانہ، رندانہ، فاوحانہ، ناصحانہ، ظریفانہ، مادحانہ، قلندرانہ، سوقیانہ، مین نے اپنی کتاب فکر بلیغ مین ہر قسم کی مثال بھی دیدی ہے، اس مقام پر اس کا اعادہ طوالت سے خالی نہ ہوگا اس لئے ترک کرتا ہون،

ان اقسام سیزدہ گانہ مین غزل الغزلیات ہین، جسکا ذکر اوپر ہو چکا ہے، بالکل عاشقانہ مضامین استعمال ہوتے ہین اور وہ انتہائے شوق مین اگرچہ دراصل مکالمہ بامعشوق حقیقی ہے مگر حد سے زیادہ استعارۃً مجاز کا پہلو ہے، معشوق حقیقی سے انتہائے ذوق وشوق مین یون خطاب کرتے ہین، اے خداوند میرے پیارے اگر تو میرے گھر آئے تو مین تیرے پاؤن گرم پانی سے دھلدون، تیرے پاؤن مین تیل ملون، تجھکو گدگدے نرم بچھونے پر سلاؤن، تجھکو اپنا اچھا اچھا راگ سناؤن،

اس جگہ لفظ عاشقانہ زبان قلم پر آگیا ہے، اس لیے کسی قدر اس کے مفہوم کو بتا دینا ضرور ہے، عاشقانہ وہ مضامین کہلاتے ہین جو انتہائے شوق مین مخاطباً الی المعشوق زبانِ عاشق پر آئین جنمین ایک شعبہ بھی تسلیم ورضا کے برخلاف نہ ہونا چاہیئے، اپنی حالتِ زار اور معشوق کے ظلم وستم کا کتنا ہی خاکہ عاشق کھینچے، مگر اس سے اپنی نارضامندی واکراہ کی بو بھی نہ پیدا ہو، فارسی مین اور بہ تتبع اس کے اردو مین معشوق کو خطاب قاتل، سفاک، بیرحم، لاغی، وعدہ خلاف دشمنِ جان، دشمنِ ایمان وغیرہ وغیرہ کا دیتے ہین، لیکن ایسے لفظون کے ساتھ کہ ان خطابات کی کھپت ہوتی ہے، یہی خطابات حد سے زیادہ پیارے اور رنگین معلوم ہوتے ہین بعض خطابات فارسی واردو مین بھی دلپسند ہین، جیسے ایجان روح روان وغیرہ، مگر سنسکرت اور بھاکھا مین اول تو جیسے مضامین ہوتے ہین، اسی کے مطابق اس جگہ خطاب گڑھ لیتے ہین، مثلاً ساون کا مہینہ ہندوستان کے لیے کمال عیش وعشرت کا مہینہ ہے، دستور چلا آتا ہے کہ

ایسے موسم مین دولہن اپنے مان باپ کے گھر یعنی میکے جاتی ہی، اور اسکا شوہر بھی اپنی بیوی کے ساتھ جاکر وہین رہتا ہے، ایک دولہن فراق دیدہ اپنے میکے مین ہے، جب اس کا شوہر آگیا تو اس کو موجود پاکر یون کلمات طنز و تشنیع ادا کرتی ہی،

ابکی ساون سوامی گھر ہی رہو　　　گھرے رہو نندی کے بیر،

نند شوہر کی بہن کو کہتے ہین اور بیر بھائی کو، اس مقام پر نندی کے بھائی کے ساتھ مخاطب کرنا کس قدر کلام کو بلیغ بناتا ہی اوسیہی ان زبانون مین ایسے سخت الفاظ و قاتل و خلاف وعدہ وغیرہ استعمال نہین کئے جاتے ہین، بلکہ پیتم شام سندر رسیا چھیلا وغیرہ وغیرہ، اسکی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ برعکس عربی کے کہ مرد عورت کے عشق و فراق مین اپنے جذبات کا اظہار کرتا ہے، سنسکرت و بھاکا مین عورت مرد کے عشق و فراق مین اپنے جذبات کا اظہار کرتی ہے یعنی عورت خود عاشق ہوتی ہے، اور عاشق کا کام معشوق پرستی ہے، حقیقت حال بھی یہی ہے کہ اکثر عورت ہی کے دل مین مرد کا عشق پیدا ہوتا ہے، جسکی دلیل مین کیا خوب کسی نے کہا ہے،

عشق اول در دل معشوق پیدا میشود　　　گر نہ سوزد شمع کے پروانہ شیدا میشود

حضرت کی اردو غزلین،

گذشتہ باب مین گذارش کرچکا ہون کہ ہمارے حضرت کا اردو ضخیم دیوان جو وطن کے قیام کے زمانہ تک جمع ہوا تھا، اور تخمیناً چودہ جزو سے کم نہ تھا، حضرت کے ایک شاگرد نے اپنے نام زد کرلیا، وہ بے حیا عمر بھر فریاد کی جگہ شہرت اٹھا اٹھا کر اپنے نام کو مشہور کرتا رہا اور استاد وقت بن بیٹھا، اس کے بعد سے اردو شعر گوئی سے حضرت کو ایک طرح کا اکراہ ہی ہوگیا تھا

راقم آثم کو جہان تک معلوم ہے، پھر بہت کم حضرت نے اردو مین کہا کسی کسی سفینہ مین متفرق طور سے جو اردو شعر لکھے دیکھے، یا آغا محمد حسین خانصاحب سے سنے وہ ٹانک رکھے تھے، بعض غزلین جو پوری نظر آتی ہین، یہ بھی حضرت کی بیس برس کی عمر کی ہین، قرائن حالات سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جب حضرت نے دیوان کا مسودہ صاف کرنے کو دیا تھا، یا تو عمداً ان غزلون کو داخل دیوان نہ کیا، یا بیخبری کے سبب سے چھوٹ گیئن، باقی رہے متفرق اشعار جہان تک مجھکو ملے خدا جانے پوری پوری غزلین تھین، یا ان مین غزلین کہنے کا ارادہ تھا،

چند غزلین جو اس مین مستقل ہین وہ تو ضرور حضرت کی نو مشقی کی زمانہ کی ہین، باقی جو متفرق اشعار ہین قیاس یہ ہے کہ دیوان مین داخل کرنے اور ان مین مستقل کہنے کا ارادہ تھا، شعرون کی عمدگی اور پختگی سے صاف ظاہر ہوتا ہے، کہ عنفوان شباب کے بعد کا کلام ہے،

جو متفرق اشعار یا غزلین راقم کو ایسی ملین کہ دوسرے اساتذہ کی اس مین غزلین یا شعر ہین تو فقط ناظرین کی دلچسپی بڑھانے کے لیے ان غزلون اور شعرون کو بھی لکھدیا ہے، اس سے میری غرض موازنہ سے نہین ہے، اور کیونکر ہو جبکہ موازنہ کے جتنے شرائط ہین، ان مین سے یہان ایک بھی نہین ہے،

راسخ	فریاد
تمھین جانو ہو خوب اسے یا یہی دل جسا کہ تمہاری لبھا گیا	نہ وہ تیغ غضب سے بن آئی کبھی نہ وہ خنجر برق بلا نے کیا
وے اسکا گلا نہین تمسے مجھے جو کیا سو میری وفا نے کیا	جو بڑے پہ قضا نے کیا وہی آن مین تیری ادا نے کیا
غضب آہ رسا ہے یہ نیچی نظر مرے سینہ سے پار گذر رہی گئی	نہ بشاشتین تھین نہ وہ ہنسی نہ مخاطبت تھی بصد خوشی
نہ کیا سنان نے بھی معرکہ مین جو تمہارے حجاب حیا نے کیا	رہے سر کو جھکائے وہ دیر تلک یہ غضب مری آہ رسا نے کیا

راسخ

سر رہِ انھوں نے تب آ گے رکھا مری چشم پر آب پر تر پلک
یہیں آنسو نہ کیونکہ اب اپنے بھلا اثر اتنا تو اپنی بکا نے کیا

خبر اپنی نہ صبح نہ شام ہے اب مجھے بیخبریِ مدام ہے اب
کیا جادو انکی نگاہ نے جو نہ وہ بادۂ ہوش رُبا نے کیا

ترے مثلِ قدلاے ہمہ ناز و ادا سر اٹھا نہ سکا کبھی سروِ چمن
گل تازۂ باغ کی نرمی کو تہ تری نازکی کفِ پا نے کیا

یہ فلک نے چاہا کہ جاہ و حشم اسے بادشہی کا دکھائے سب
وے گوشۂ چشم بھی اسکی طرف نہ تمہاری گلی کے گدا نے کیا

ملیں حضرتِ راسخ اگر کہیں اب تو کہینگے یہ انکی جناب میں ہم
کہو قبلہ و کعبہ وہ کیسا تھا گل تمہیں کانٹا سا جسکی ہوا نے کیا

فریاد

جو سنا کہ دولتِ دیدِ بُت کسی کو وہ بانٹیں گے حشر تلک
نہ جبھی سے انکی گلی کا رخ کبھی بھول کے انکے گدا نے کیا

شبِ غم میں جو آئی زبان پہ مری مردم کو بھی ساتھ ہی لیکر گئی
مرے ساتھ گیا وہی آہ نے بھی جو چراغ کیساتھ ہوا نے کیا

ملی میری نظر سے نظر جو تری نہ رہی شان گہ آ گئی ہوش میں ہم
مرے پانچوں حواسوں پہ حد کا اثر اسی بادۂ ہوش ربا نے کیا

ادھر آنکھ پڑی مرے دل پہ تری ادھر آ گئی سر پہ اجل بھی مری
اُدھر اسکی سنان مرے دل پہ چلی ادھر اپنا سا کام قضا نے کیا

جو پھنسا یا دام میں اپنے تو پھر رہی گھٹکے اسی میں پھٹے بھی نہیں
نہ وہ نظمِ جہان قضا نے کیا جو تسلسلِ زلفِ رسا نے کیا

دیگر
بہ تبدیلِ قافیہ

یہ کیا نسبت ہے جس سے سنگ کو آہن ربا پایا
فلاطون نے بھی اس جا فہم اپنا نارسا پایا

کہے ہیں عرش جسکو اسکے دل کے دائرہ میں گل
جو دیکھا غور کر اک نقطۂ موہوم سا پایا

تمہارے آشنا کب خلق سے رکھتے ہیں آمیزش
انھیں تو آپ سے بھی ہم نے بیگانہ سوا پایا

ہر اک کو با نشان لیکن تجھی کو بے نشان پایا
مگر اس بے نشانی پر جہان ڈھونڈا وہان پایا

خبر کیسی ہی ہو دل نے سنی اور لب کو پہنچا دی
کسی کو بھی نہ اس بستی میں ہم نے رازدان پایا

گئے جس جس جگہ بسنے کو خواہانِ امان ہو کر
زمین قدمون کے نیچے سر کے اوپر آسمان پایا

راسخ

سرِ استعارہ دہر عبرت گاہِ قاتل ہے
یہ ہم نے طاق پر ایوانِ کسریٰ کے لکھا پایا

دلِ بلبل نہ تنہا چاک ہے اس عشق کے ہاتھون
یہ وہ ہے جس سے گل کے بھی گریبان کو قبا پایا

وہ بت آیا جو انکے پاس ایسا خوش ہوئے راسخ
انھون نے آپکو یون گم کیا گویا خدا پایا

فریاد

مدد کرتی ہی تو اس وقت جب چارہ نہین رہتا
زمانہ مین تجھی کو اے اجل اک مہربان پایا

اگر مرقد مین ہم قطع نظر اس جسم سے کر لین
کبھی پایا تو اس گوشہ مین فی الجملہ امان پایا

خدا جانے قوی کس طرح کے اسکے بنائے تھے
عروسِ دہر کو فرہاد جب دیکھا جوان پایا

دیگر

نگران کبھی نہ یہ جانب رخِ دلفریب پری رہی
مری چشم تا نگہ پسین تری محو جلوہ گری رہی

نہین ہوش والون پہ کچھ حسد مجھے رشک ہے تو انھون پہ ہے
جنھین تیرے جلوہ کے سامنے مری طرح بیخبری رہی

پسِ مرگ جسم زار کا لہو خشک ہو گیا سب دلے
وہی خون رہا دل خون شدہ وہی چشم تر کی تری رہی

تمہین گل کی جسنے بنایا بو کہا اسنے مجھکو صبا ہے تو
رہے تم تو پردہ نشین صدا ہمین ہائے در بدری رہی

جگر اور دل بھی رکھتے تھے وہ لے ہو سکا نہ کوئی طرف
ہدف اسکے ناوکِ ظلم کے مری طرح بے خبری رہی

مرے دل مین یار نہ تو رہا نہ تو تیری جلوہ گری رہی
یہ وہ نحس جا تھی کہ جس جگہ جو رہی تو پردہ دری رہی

مری چشم تر نے انڈیل دی کئی نہر اشکون کی اسپہ بھی
جو عدم سے لیکے ہم آئے تھے وہی آگ دل مین لگی رہی

کبھی بے ستون کبھی نجد مین کبھی دشت مین کبھی دیر مین
نہ تمام عمر نکلے قدم یون ہی ہم کو دربدری رہی

مرا دل تو مسکن ہجر تھا تھی جگہ بھی خوف کی یہ سدا
ہوا اصل مین بھی نہ مطمئن جو خوشی بھی آئی ڈری رہی

مرے دل کی سیج ہی بساط کیا کسی اور شے کی جگہ کہان
تھی جو آرزو تمہی ملنے کی وہی حسرت اس مین بھری رہی

فسیاد	راسخ
سر طور آئے کلیم کب ہوئے پھر سوال و جواب کیا	یہ جواب ہے، عاشقی کبھی ہوش ہی کبھی رفتگی
لسے ہم سے پوچھو دوستو کہ ہمین تو بے خبری رہی	نہ وہ گریہ دل شب رہا نہ وہ زاری سحری رہی
لَقَدْ الجمتُ لقدا دکیت و تھیأت تقتالہ	مجھے سونپ داغ فراق کے ہوئے ایسے جدا کہ نہ پھر ملے
یون ہی جنبش ظلم و نفاق کی مرے ساتھ کینہ وری رہی	مرے دل مین تا دم واپسین وہ امانت انکی دھری رہی
وہ ہی اپنے حال مین مبتلا پوچھو نہ کچھ فسیاد کو	نہ بھی چشم راسخ خستہ دل کبھی خالی اشک سے دوستان
عجب اک طرح کا سکوت ہے، نہ خبر نہ بے خبری رہی	شب و روز وجام پر آب کی روش آنسوؤں سے بھری رہی

واضح ہو کہ غزل مذکور بحر طویل مثمن سالم ہے، وزن اسکا آٹھ متفاعلن ہے، لیکن چونکہ بنا اس کے رکن کی جز و اول متفاعلن مرکب ہے، وتد مجموع سے اور فریاد مین سبب خفیف ہے، لہذا حسب قاعدہ بحر طویل مین زحاف لگا کر متفا بسکون تا، بتا کر رکن صحیح مستفعلن سے بدل دیا گیا، جیسے شیخ سعدی کے قطعہ مشہور کے چوتھے مصرع مین صلوا کو صلوا کر لیا، یہان بھی آخر مین دو مستفعلن لگا دیا، یعنی پوچھو نہ کچھ مستفعلن فریاد کو مستفعلن فافہم راسخ مرحوم، جب میر تقی مرحوم میر سے بغرض اصلاح لینے لکھنؤ گئے اور میر صاحب کی خدمت مین حاضر ہو کر اپنا دیوان پیش کیا، میر صاحب نے فرمایا کہ صاحب اس مین سے کوئی غزل پڑھو، صحیح روایت یہی ہے کہ شیخ صاحب نے ذیل کی غزل پڑھی، اسپر میر صاحب نے فرمایا، پلاؤ کی دیگ مین کا ایک ہی چاول ٹٹولا جاتا ہے، بھئی تمہاری اس غزل سے پتہ لگتا ہے کہ تمہارا مبلغ کہان تک ہے، شیخ صاحب نے اٹھ کر سلام کیا، غرض اس لکھنے سے یہ ہے کہ اس غزل کی جو حیثیت ہے، اس سے ظاہر ہے کہ شیخ صاحب نے میر صاحب کے سامنے اسی غزل کو مقدم کیا، اور میر صاحب نے بھی گویا اسی ایک غزل سے مبلغ شیخ صاحب کا دریافت کر لیا،

راسخ

تا خواب مرگ ذکر تھا ان کا زبان پر
نیند آگئی ہمین تو اسی داستان پر

کیون کر نہ ناز قلب شکستہ پہ مین کرون
ہو عرش کو حسد اسی ٹوٹے مکان پر

اپنا بھی ماجرائے دل اک مرثیہ سا ہے
بے اختیار روتے ہین لوگ اس بیان پر

بازاریانِ عشق کی ہے طرفہ رسم و راہ
وابستہ آہ سُود ہے اُن کا زیان پر

یکبار دل ہوائے دو عالم سے اٹھ گیا
بیٹھے ہین آن کر جو ترے آستان پر

شاید کبھی خیال مین جانان کے گذرین ہم
وابستہ اپنی زیست ہے اب اس گمان پر

جی مین ہنوز پھرتے ہین یاران رفتہ آہ
چشم دل اپنی باز ہے اس کاروان پر

کیا مصرف فلک ہے، قدم گہ کی اس کی خاک
نزدیک ہے کہ پہنچے زمین آسمان پر

حاصل تو اس کا لالہ ستان کی روش ہی داغ
مت کھول اپنی آنکھ تو اس گلستان پر

فریاد

مٹتی رہی ہے تیرے قدم کے نشان پر
کیون کر زمین کو فخر نہ ہو آسمان پر

گوشہ کلاہ ناز کا اُڑا ہے کان پر
کیون کر حسین پسین نہ تری آن بان پر

ہم تو اسی کو عاشقِ صادق بتائین گے
ٹھہرا ہے جو یار ترے امتحان پر

چھوئی شراب ساقیِ پیمان شکن جو دے
آبِ بقا کو پھر نہ دھرون مین زبان پر

جنت کا جام سمجھا ہے اپنے ہی جام کو
ہر بادہ خوار مست ہے اپنے گمان پر

اے پھول حال زار پہ بلبل کے گریہ کر
ہے جال مین نگاہ ہے مگر آشیان پر

ناکردگی جرم مری یاد آ گئی
کیون آپ تیغ رہ گئے مقتل مین تان کر

خاطر وہ کون تھی جو مہمان کی اوٹھ گئی
الزام لوگ دیتے ہین کیون میزبان پہ

جان عزیز اپنی تو کیا ہے جو بس چلے
دونون جہان نثار کرون تیری شان پہ

راسخ

راسخ یہ کیا ہے عشق کو بدنام مت کرو
عاشق ہوا اور مرتے ہو نام و نشان پر

فریاد

فریاد میرا حال ہے وحشت فزائے خلق
کتنون کی نیند اڑ گئی اس داستان پر

دیگر

کھینچین کیون کر اسکا دامن ہم توانائی نہین
ہاتھ مین جون پنجۂ تصویر گیرائی نہین

کچھ نہ پوچھو ان دنون دل کو شکیبائی نہین
رات بھر کس کس طرح چاہا پہ نیند آئی نہین

آئینہ ہون مین کہان ہین پرکھے جوہر شناس
بزم کوران ہر کوئی یان اہل بینائی نہین

منزل مقصود پر اللہ پہنچا دے مجھے
رات اندھیری راہ گم آنکھون مین بینائی نہین

خواب دشمن ہے مرا افسانہ عبرت فزا
جس نے یہ قصہ سنا نیند اس کو پھر آئی نہین

اب حیا آتی ہے لاشہ پر مرے آتے ہوئے
قتل جب کرتے تھے وہ آنکھ انکی شرمائی ہوئی

قافلے جاتے ہین کیا کیا شہر ہستی سے مدام
راہ لی ملک عدم کی خوف تنہائی نہین

لانکے

دیکھ کر مکتوب میرا یون دیا اس نے جواب
کہدے قاصد میرے اور تیرے شناسائی نہین

دیکھتے ہی دیکھتے کام اس نے اپنا کر لیا
ہمسے دل لینے کے وقت آنکھ اسکی شرمائی ہوئی

مین جو گھبرایا بہت کرتا ہون بعد امید کے
حسرتین کہتی ہین آکر اب تو تنہائی نہین

پھیل کر بیٹھا ہے تیرا داغ سینے مین مرے
ایسی اپنی جائے باتش اس نے کہین پائی نہین

جائے گی جب جب تو سیدھی آسمان پر آپ کے
یون سمجھ رکھیے کہ میری آہ ہرجائی نہین

تو ہے ایک نقش اخیر نقش کچ وا زجہان
پہلے جو شکل اس نے کھینچی وہ اسے بھائی نہین

کون الجھے بلبل آشفتہ سے حق تو یہ ہے
گل مین سب باتین بھلی ہین پر وہ رعنائی نہین

راسخ

پھرون راسخ پھرتے ہین گرد در و دیوار یار
کام مین اپنے ہین وے ہوشیار سودائی نہین

ہمین تحریک آہ سرد نے اکثر رلایا ہے
چلی ہے جب یہ ٹھنڈی باد تب منہ خوب آیا ہے
زہے وہ قطع پیوند اجل جسکو خوش آیا ہے
اسی رشتہ نے سر رشتہ علاقون کا بڑھایا ہے
ہوئے برسون کہ میخانے مین بگڑی اپنی ہی انکی
سر عریان کو دامان کا سایہ دیوار بھایا ہے
دل تنگ اپنا وسعت کتنی رکھتا ہے یہ کیا جانون
پر اتنا جانتا ہون مین کہ تو اس مین سمایا ہے
موئے ہم پر نہ کار امتحان ان کا ہوا آخر
ہماری خاک کو بازیچۂ باد اب بنایا ہے
درآکے دل مین بندے کے تم آنکھون کے ملاتے ہی
یہ اعجوبہ ہنر صاحب تمہین کس نے سکھایا ہے
خوشامد کی تو نوبت ہم کو ان سے یہانتلک پہنچی
کہ اک ٹھوکر کی خاطر پاؤن برسون ہی دبایا ہے

فریاد

حسرتین نکلین مرے سینہ سے یہ کہتی ہوئی
ایک دم جب بھی ہمنے رہنے کی جگہ پائی نہین
باتین جب جب یار سے کرتا ہے تب جا کر سنو
تم نے کیا سمجھا اسے فریاد سودائی نہین

گہر اشکون کا ساتھ آہون کے پلکون نے گرایا ہے
بہت برسے ہین اولے جب یہ طوفان غضب آیا ہے
تعلق ہی بلا انسان اسی دھوکہ مین آیا ہے
یہ وہ گل ہے کہ جسنے باغ سبز اس کو دکھایا ہے
گدائے میکدہ ہون مے کا کشتہ ساتھ رکھتا ہون
بھرا ہے اس مین جس دانائی جو کچھ ہم نے پایا ہے
وہ ہے گر دلبری مین طاق مین ہون جذب مین کامل
ادھر ہمنے ادھر اس چشم نے جادو جگایا ہے
عجب نافہم ہے بکتا ہے جو کچھ آگیا منہ مین
ذرا پوچھو تو ناصح سے کبھی دل بھی لگایا ہے
اجل جب گور مین لائی تو جسم اپنا پکارا اٹھا
مجھے اس دشمن جان نے کہان لاکر کھپایا ہے
چھری پر ہاتھ پڑتا تھا کبھی اور گاہ خنجر پر
کہین کیا ہم شب فرقت مین کیا کیا جی مین آیا ہے

راسخ

پڑی ہے چشم سوزن بھی نہ زخم تیغ پر اُن کی
اُسے ناصحو مون کی آنکھ سے ہم نے چھپایا ہے
مبارک ہو تمھین چاہت بہت ارمان تھا اسکا
سنا ہے ہمنے راسخ جی کہین تم نے لگایا ہے

فریاد

دیئے ہین جیسے جیسے اُسنے دھوکے کچھ نہ پوچھو تم
ہزارون بار ہمنے آسمان کو آزمایا ہے
نہ چھوٹے ساتھ ہر حالت مین اے فریاد رونے کا
یہی رونا تو ہر انسان عدم سے ساتھ لایا ہے

مرزا امان علی ذبیح مرحوم عظیم آبادی محلہ مغلپورہ کے ساکن، ایک مشاق نہایت سن رسیدہ باکمال شاعر تھے، راقم نے اپنے بچپن مین ان کو دیکھا تھا، وہ جاکر برسون لکھنؤ مین رہے، مصحفی مرحوم کے شاگرد تھے، ہمارے حضرت کے بھی ہم طرح رہے تھے، ان کے چند شعر اور حضرت کے مل گئے، معلوم ہوتا ہے کہ مشاہرہ کی غزل کے ہین نقل کرتا ہون،

ذبیح مرحوم

ہوش مین آنا بس اب مشکل نظر آیا مجھے
اشک کے ہر تار مین اک دل نظر آیا مجھے
قیس کہتا تھا نہ پوچھو اس گھڑی تم مجھ سے کچھ
ہوش کب رہتا ہے جب محمل نظر آیا مجھے
کب سے گردش کر رہا ہے ہاتھ مین کاسہ لیے
تیرے در کا آسمان سائل نظر آیا مجھے
چار جانب کیا برستی ہے وہان تیغون پہ تیغ
تیرے کوچہ مین ہر اک بسمل نظر آیا مجھے
وائے حسرت قدردان سارے سدھارے اے ذبیح
شعر کا کہنا بھی لاطائل نظر آیا مجھے

فریاد مرحوم

جس کو دیکھا وہ خطِ باطل نظر آیا مجھے
صرف دیوانہ ترا عاقل نظر آیا مجھے
ساربان سے کہتی تھی لیلیٰ کہ تو بھی مڑ کے دیکھ
کوئی دیوانہ پسِ محمل نظر آیا مجھے
اللہ اللہ مرجعِ عالم ہے تیری بارگاہ
شاہ بھی در پر ترے سائل نظر آیا مجھے
کھل گئی وہ زلف تحریکِ صبا سے جس گھڑی
اسکے ہر اک پیچ مین اک دل نظر آیا مجھے
عمر گذری پیرتے فریاد بحرِ عشق مین
پر نہ اس کا آج تک ساحل نظر آیا مجھے

ناسخ

میرا سینہ ہے مشرق آفتاب داغ ہجران کا
طلوع صبح محشر چاک ہے میرے گریبان کا
ازل سے دشمنی طاؤس و مار آپس مین رکھتے ہین،
دل پُر داغ کو کیونکر ہے عشق اس زلف پیچان کا

فریاد

نمونہ ہے مرا پر شور سینہ محشرستان کا
ہے خورشید قیامت جلوہ ہر اک داغ پنہان کا
خیال زلف کو دل مین جگہ دینے سے ڈر غافل
ہے لازم آدمی کو سر کچلنا مار پیچان کا
بنائی نوح نے کشتی آب پہنچا تا فلک بڑھ کر
یہ ادنیٰ سا نمونہ تھا مرے اشکون کے طوفان کا
طوالت روز محشر کی نہ ڈالے تجھکو دھوکہ مین
فقط اک پل سمجھنا اسکو بھی شبہائے ہجران کا

مندرجہ ذیل اشعار اسی غزل کے ہین جو دیوان مغصوبہ مین داخل تھی سنگی دالان والے مشاعرہ مین جب مطلع پڑھا گیا تو آغا محمد حسین خان مرحوم نے چند شعر اور بھی پڑھے تھے، بر سر مشاعرہ ٹوک کر کہا یہ غزل حضرت فریاد کی ہے،

کعبہ و دیر مین جلوہ ہے نمایان اون کا — دو گھرون کا ہے چراغ اک رخ تابان انکا
وعدۂ وصل بتون نے تو کیا ہے اکثر — آگے ان وعدون کو وہ جانین اور ایمان انکا
تیری منزل کے مسافر کا خدا حافظ ہے — صرف عصیان و خطا ہے سر و سامان انکا

ذیل کی دو غزلین مولانا محمد عبد الرؤف مرحوم وحید تخلص شاگرد حضرت کے خلاصۂ حالات مین چھاپی ہین،

صبح ازل سے دل کو غم ہجر یار تھا — مجکو طلوع نشۂ ہستی خمار تھا،
گرداب بحر عشق کی تاثیر کیا کہون — ڈوبا جو اس بھنور مین وہ دریا کے پار تھا

انسان کو چشم کم سے نہ دیکھو ہے گرچہ خاک
یہ ذرہ آفتاب کا آئینہ دار تھا

افتادگی کے ساتھ نہ پایا کسی کو یان
یہ قافلہ سمندِ ہوا پر سوار تھا

خون ہو کے دل عبث غمِ دوری سے بہ گیا
یہ آبلہ تو زیبِ کفِ پائے یار تھا

اس خالِ عنبرین نے بڑھایا جو داغِ دل
کافور میرے زخم کا مشکِ تتار تھا

فریاد حالِ زارِ شبِ ہجر کیا کہون
دل کو تپیدگی تھی جگر کو فشار تھا

دیگر

ہم رہون کے نقشِ پا کا ہم اثر پاتے نہین
آہ اپنے قافلہ کی کچھ خبر پاتے نہین

جلوۂ ظاہر سے رتبہ بے ہنر پاتے نہین
قطرۂ شبنم کو ہم سلکِ گہر پاتے نہین

صدمۂ اندوہ سے شاید کلیجہ پھٹ گیا
آج ہم وہ لذتِ دردِ جگر پاتے نہین

خاک مین بھی تیرے دکھ دیتے ہین اے غوغائے حشر
کیا مصیبت ہے کہ سونے نیند بھر پاتے نہین

بادیہ ہے ہولناک اور منزلِ مقصد ہے دور
کس سے جی بہلائین کوئی ہم سفر پاتے نہین

بیکسی اپنے شہیدِ ناز کی ہم سے نہ پوچھ
جس کے ماتم مین کسی کو نوحہ گر پاتے نہین

کیا کوئی پھل پائیگا فریاد نخلِ عشق سے
جز گلِ داغِ جگر جس کا ثمر پاتے نہین

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ چند تبرکات (حضرت کی غزلین اور متفرق اشعار) جو میرے پاس ہین اور مجھے یاد ہین ان کو بھی اسی جگہ درج کر دون،

غزل

کچھ اور نہین آکر زنجیر ہلا جاتے
اے کاش مری وحشت وہ اور بڑھا جاتے

اس ابر مین بھی ساقی دیتا نہ مجھے گر مے
بدلی کی طرح نالے میخانہ پہ چھا جاتے

ان کو مرے لاشہ پر آنا ہی مناسب تھا
مین یہ تو نہین کہتا آتے تو جلا جاتے

احسان تھا گر آتے وہ قبر پہ عاشق کی
باقی تھا نشان جتنا اسکو بھی مٹا جاتے

مانا کہ اثر کچھ بھی دل پر نہ ہوا ان کے
شرماتے ہو کیون نالو صورت تو دکھا جاتے

واعظ کی نہین سنتے فریاد کی مت پوچھو
گمراہ کے کہنے سے کیون راہ پہ آجاتے

دیگر

خود مرا دل مجھ سے خفا ہو گیا
بیٹھے بٹھائے اُسے کیا ہو گیا

ہاتھ دھرے دل پہ ہون ہنگام نزع
مرتے ہوئے درد سوا ہو گیا

اے صنم اللہ رے تری بدظنی
شکر کا کلمہ بھی گلا ہو گیا

ہم نہین پوچھین گے تو عمر بھر
ایک بھی وعدہ جو وفا ہو گیا

تفرقہ پرداز زمانہ کو دیکھ
دل سے مین دل مجھ سے جدا ہو گیا

کب کیا فریاد نے تیرا گلہ
تو تو عبث اس سے خفا ہو گیا

غزل

خواب مین آکر جو منہ دکھلا گئے
رات کو مجھ پر قیامت ڈھا گئے

کیا عدم کے قافلے رکھتے یہان
تھک گئے تھے کوئی دم ستا گئے

کچھ نہ سمجھے ماجرا اس بزم کا
لوگ اس مین آئے کیا اور کیا گئے

کچھ خبر لائی نسیم کوئے یار
داغ دل کے پھول جو مرجھا گئے

ایسے ویرانہ مین رہنے کون آئے
بیخودی مین ہم یہان تک آ گئے

کیا بلا برسے گی مجھ پر دیکھئے
دل پہ بادل حسرتون کے چھا گئے

روز و شب فریاد کی فریاد سے
لوگ ہمسایہ کے ہین گھبرا گئے

دیگر

ہین جسکی جستجو مین وہ لالہ رو کہان ہے
وہ زندگی نہین تو اے مرگ تو کہان ہے

جو رونق چمن تھا وہ لالہ رو کہان ہے
گلزار تو وہی ہے وہ رنگ و بو کہان ہے

ہم یار کی گلی کے رستہ کو ڈھونڈھتے ہین
فردوس کے چمن کی اب جستجو کہان ہے

دل اپنے پاس تھا جب کیا کیا نہ آرزو تھی
جب دلکو کھو کے بیٹھے پھر آرزو کہان ہے

قاتل نے چھان ڈالا تیرون سے میرے دل کو
اے بخیہ گر بتا تو جائے رفو کہان ہے

ہر بات مین رکھائی کس نے تمہین سکھائی
اگلی سی پیاری پیاری اب گفتگو کہان ہے

تو ڈھونڈھتا ہے جسکو بیٹھا ہے تیرے دل مین
کچھ سوچ اپنے دل مین فریاد تو کہان ہے

فردیات

کچھ ناز تو کچھ چشم مین ہے ان کی حیا بھی
کچھ کم نہین لانے مین مگر میری وفا بھی

یہ طرفہ تماشہ نہ ہو کیون قابل حیرت
نزدیک رگ جان بھی ہین اور ہے جدا بھی

دیگر

رئیس اہل باطن صدر ارباب وفا ہوتے
جو ضبط آہون کو ہم کرتے تو اے فریاد کیا ہوتے

بسکہ محوِ جلوۂ شمشیرِ قاتل ہوگیا　　طائرِ نظارہ ہم پرواز بسمل ہوگیا

دیگر

یہ داغ زندگی مین مٹے گا نہ دل اُٹھے　　فریاد حیف چھوٹ گئے ہمدمی سے ہم

دیگر

جو مسرت خانہ تھا افسوس غم خانہ ہوا　　دیکھتے ہی دیکھتے یہ شہر ویرانہ ہوا

دیگر

فریاد جب سے چھوٹ گئے اشکی و جمال　　تبلاؤ پھر مشاعرہ مین کیا مزہ رہا

دیگر

فریاد میر درد سے ہے سلسلہ مجھے　　کیونکر بھلا کلام مین میرے نہ درد ہو

دیگر

اے دل نہ تنگ کر مرے منہ سے نکل کہین　　افسردگی خدا کیلئے لیکے چل کہین،

دیگر

اب ہمدم کوئی اور نہ اب فریادرس کوئی　　عظیم آباد کو چھوڑ دو چلو فریاد صحرا کو

حضرت کا فارسی کلام

ارباب فن جانتے ہین کہ اصنافِ نظم مین بظاہر جس قدر غزل کا رتبہ پست ہے یہان تک کہ ہر عامی موزون طبع آسان سمجھ کر اسی پر ہاتھ ڈال دیتا ہے، اور چند بے سروپا غزلین کہہ کر اساتذۂ بلند نام سخنوران برتر مقام کا طرفِ مقابل خود کو سمجھنے لگتا ہے، یہی سبب ہے کہ یہ فن ہی مبتذل سمجھا جانے لگا، مگر حقیقت مین (جن پختہ کارون کو تجربہ ہے) وہ جانتے ہین کہ

اصنافِ نظم مین سب سے مشکل غزل گوئی ہے، اس کے لوازمات جہان تک ہین، سب پر حاوی ہونا حد درجہ دشوار ہے، پھر اس دشواری پر یہ دشواری اور ہے کہ جب شاعر نے ان لوازمات کو کسی قدر سمجھ لیا ہے تو باوجود لوازمات جتنے نامی گرامی اساتذہ غزل گو گزرے ہین علی الخصوص فارسی مین سب کا طرز روش جداگانہ ہے اسکا امتیاز جب تک کامل نہ ہووے مقصود پر پہنچنا بہت دشوار ہے، اواسط عہد کے شعرائے فارس مین اگر شیخ سعدی سے ابتدا کیجائے تو حضرت حافظ، بابا فغانی، کمال اسمٰعیل، ملا سیلی، ملا نظیری، ملا عرفی، وغیرہ وغیرہ سب ان کے عیال ہین، حالانکہ بادی النظر مین جتنا زمانہ بعد شیخ کے آتا گیا غزل کے مضامین و تکلفات شعریہ بڑھتے گئے افسوس ہے کہ یہ مقام وسعت بیان چاہتا ہے، اور بخوفِ طوالت مجبور رہے، با این ہمہ غزل کو بحیثیت غزل جو لوگ سمجھے ہوئے ہین، باوجود دشواری کے حتی الوسع شیخ کی پیروی کرتے اور اکثر کامیاب بھی ہوتے ہین، ہمارے حضرت مثنوی اور غزل مین شیخ ہی کی پیروی فرماتے تھے، البتہ بعض جگہ نظیری کے طرز پسندیدہ مین بھی غزلین کہی ہین، راقم بطور نمونہ کے ذیل مین چند غزلین درج کرتا ہے، صاحبانِ مذاق خود سمجھ لین،

غزل حضرت سعدی علیہ الرحمۃ	غزل حضرت فریاد علیہ الرحمۃ
برخیز تا یک تو نہیم این دلق ازرق فام را	تا چند بکشائی تبا گیسوئے عنبر فام را
بر باد قلاشی دہیم این کفر تقویٰ نام را	پنہان نماید از نظر صیاد دانا دام را
مے با جوانان خوردنم ہر دم تمنا می کند	باصد تمنا آمدم بر آستان پاک تو
تا کودکان در پی شوند این پیر دُرد آشام را	ساقی مران از پیش خود درویش دُرد آشام را
غافل مباش از عاقلی دریاب گر صاحبدلی	گر بد بگوی بد بگو ور قہر خواہی قہر کن
باشد کہ نتوان یافتن دیگر چنین ایام را	یک نیم خندت دلبرا باداش صد دشنام را

غزل حضرت سعدی علیہ الرحمۃ

دلبندم آن پیمان شکن منظور چشم آرام دل
نے سنے دل آرامش مگر کز دل برد آرام را
دنیا و دین و عقل و ہوش از من برفت اندر غمش
جائیکہ سلطان خیمہ زد غوغا نماند عام را
زین تنگنائے خلوتم خاطر بصحرا می کشد
کز بوستان خوش می دہد باد سحر پیغام را
سعدی کلامت نشنود دریا داین سواد درد
صوفی گران جانی مکن ساقی بیارد جام را

غزل حضرت فریاد علیہ الرحمۃ

فصل بہار آمد کنون بر یاد چشمش بادہ کش
گر عاقلی ضایع مکن بیہودہ این ایام را
اے چشم در آغاز عشق از گریہ ات پرہیز کن
در آب نندازد کسے جام سفال خام را
عشق آمد و ہر عضو من مامور فرمان ویست
بگرفت شہ چون ملک را جاری کند احکام را
شیخے کہ فتویٰ میدہد بر کفر مان ساغر کشان
بنما ز بیت اللہ برون آن دشمن اسلام را

علامہ ابو الفضل نے فیضی کی ذیل کی غزل کو سر دفتر غزلیات مانا ہے حقیقت مین یہ غزل ہے بھی اسی پایہ کی، ہمارے حضرت کی غزل بھی ایک اسی زمین مین ہی، دونون غزلون کے چند اشعار ذیل مین درج کئے جاتے ہین،

غزل فیضی

خیز و دریوزۂ اقبال کن از حضرت ما
کہ کم از ہیچ سپاہے نبود ہمت ما

مطلب یہ ہی کہ اوٹھ اور اقبال (جیسی نعمت) کو میری سرکار سے بھیک مانگ کیونکہ میری ہمت کسی فوج سے کم نہین ہے،

غزل حضرت فریادی،

داغ حرمان نہ برد ہیچ کس از ہمت ما
مغز عنقا بہ ہمای رسد از قسمت ما

حضرت فرماتے ہین کہ محرومی کا داغ کوئی شخص میری ہمت کے باوجود نہین لیجا سکتا (یعنی میری ایسی ہمت ہی کہ اس کے رہتے کوئی محروم نہین رہ سکتا) میری بخشش اور تقسیم ایسی کامل ہی کہ عنقا جو ایک ایسا جانور ہی جسکا میسر آنا ہی محال ہے

غزل فیضی

حاجبان در ما برہنہ تیغ اند ہمہ
آرزو کیست کہ ہنگامہ کند خلوت ما

مطلب میرے دروازہ کے نگہبان سب ننگی تلوار کھینچے ہین، آرزو کون ہوتی ہی کہ میری خلوت مین ہنگامہ مچائے،

سر فرو بردہ بجیب دو جہان می نگریم
عشق از تارِ نظر یافت مگر کسوت ما

مطلب جب جب جیب کے اندر سر جھکا لیتا ہون دونون جہان نظر آنے لگتے ہین، شاید عشق نے میرے کپڑے اپنے تارِ نظر سے بنے ہین،

فتح کونین زجولان گہ ما جوئے کہ ہست
عشق را دوش گران از علم دولت ما

مطلب۔ دونون جہان کو اگر فتح کیا چاہتا ہی تو میرے

غزل حضرت فریاد

۶ ایسے عدیم المثل جانور کے سر کا گودا ہما ایسے مبارک طائر کو مین پہنچا دیتا ہون، واضح ہو کہ ہما کی خوراک ہڈی ہی، شرح سکندر نامہ مین لکھا ہی کہ ہما صرف مغز کی لالچ سے ہڈیان کھاتا ہے، مصنف کی غرض یہ ہے کہ مین ایسا کامل بخشش والا ہون کہ جو جسکی خوراک ہی الطف درجہ مین وہی خوراک اس کو پہنچاتا ہون،

حاجبان در ما دست بہ خنجر دارند
راہ خبر عشق نیابد بدر خلوت ما

فرماتے ہین میرے دروازون کے نگہبانون کے ہاتھون مین خنجر ہین بجز عشق کے میرے دروازہ خلوت پر کسی کو رستہ نہین ملتا،

ملک آوردہ زعرش و بسرم تاج گذاشت
دوخت ادریس ز دیبائے جنان کسوت ما

فرماتے ہین، فرشتہ نے عرش سے تاج لاکر میرے سر پہ پہنایا، اور حضرت ادریسؑ نے بہشت کے دیبا جو قیمتی کپڑا ہے اسے میرا خلعت سیا،

گو فقیریم و لے گنج ز کشکول جوئے
بہرہ در مایۂ قارون بود از دولت ما

فرماتے ہین، اگرچہ فقیر ہون پھر بھی خزانہ میرے کشکول

غزل فیضی

میدان مین دوادوش مین آکر اس کی جستجو کرا در
یون سمجھ کہ عشق کا دوش بھی میرے ہی دولت کے
علم سے گران بار ہے،

دیدۂ ما بہ تماشائے حقیقت باز است
عقل کل رمد از کوکبۂ حیرت ما

مطلب۔ میری آنکھ حقیقت کے تماشے کرنے کو کھلی
ہوئی ہے، اور عقل کل میری حیرت کے دیدہ سے
بھاگ جاتی ہے،

فیضی سادہ ضمیریم گرت باور نیست
روئے معنی نگر از آئینۂ صورت ما

مطلب۔ مین کہ فیضی ہون، سادہ دل ہون اگر تکو
یقین نہیین تو آئینہ صورت سے معنی ظاہر ہین، سادگی
میرے چہرہ ہی سے ٹپکتی ہے،

غزل حضرت فریاد

کے اندر ڈھونڈھ کیونکہ قارون ایسی دولت کا
سرمایہ بھی میرے ہی دولت کی بدولت
ہے،

گو بہ ساقی کہ نگہدار خم بادۂ خود
آب را نشۂ زمی تیز دہد شربت ما

فرماتے ہین ساقی سے کہد کہ اپنی شراب کے خم کو اٹھا رکھ
(مجھ کو اسکی حاجت نہیین) خود میرے شربت مین یہ کرامت ہے
کہ پانی مین شراب سے بھی نشہ تیز تر پیدا کر دیتا ہے،

از ازل چون بہ تنم عمر ابد جا کردست
آب حیوان چو عرق می چکد از صورت ما

فرماتے ہین کہ ازل ہی کے دن سے عمر ابد نے
میرے جسم مین جگہ پکڑلی ہے، عرق کی طرح آب
حیات میری صورت سے ٹپکتا ہے،

پائے تکمیل سر عرش گذارم فریاد
بہ ز خورشید جہان گرد بود شہرت ما

فرماتے ہین کہ مین اپنے کمال کا پاؤن عرش کے
اوپر رکھتا ہون، آفتاب جہان گرد سے میری
شہرت زیادہ ہے،

غزل خواجه حسین ثنائی مشهدی

صبح روشن دلان بیان من است
تیغ صبح سخن بیان من است
ظاهر است از سخن که روح قدس
دایهٔ مریم بنان من است
بسکه معنی دقیق کرد مرا
نقطهٔ کلک من جهان من است
قصه کوتاه درین سرای هیچ
سخن است و سخن زآن من است
کس به محشر نه گیرد م دامن
جز هوس کو ز کشتگان من است

غزل حضرت فریاد عظیم آبادی

در بت خانه آستان من است
کعبه در سایهٔ مکان من است
این کرست و فتاده در کویم
چه ملامت کنی که شان من است
از دل خود کجا روم بیرون
که همین گوشه دو جهان من است
بس غنیمت شمر که روح قدس
چون نه بالد که هم زبان من است
روح خواجه حسین را فریاد
صد ثنا گو که هم زبان من است

قاسم کاهی

تا بفیلان میل دیدم دل ستان خویش را
صرف راه فیل کردم نقد جان خویش را
خاک بر سر میکنم چون فیل هر جا میرسم
گر نه بینم بر سر خود فیلبان خویش را

فریاد

تا به پشت پیل دیدم نوجوان خویش را
در رهش قربان نمودم نقد جان خویش را
می دوم آواره چون وحشی بصحرا و بدشت
فیل گم کردست گویا فیلبان خویش را

میرزا غالب دهلوی

وحشتے در سفر از برگ سفر داشته ایم
توشهٔ راه وے بود که بر داشته ایم

حضرت فریاد عظیم آبادی

ما غریبان که بدل شوق سفر داشته ایم
از ره آورد بجز مرگ چه بر داشته ایم

مرزا غالب دهلوی

داغ احسان قبولی گنجائش نیست
ناز بر خرمی بخت هنر داشته ایم

حضرت فریاد عظیم آبادی

العجب چون خبرش یافته غارت گر کبر
آن همه نیز نماند انچه هنر داشته ایم

غزل حضرت جامی

بنازم آن نگار نازنین را
که برد از من عنان عقل و دین را
مرا آن لطف ساعد کشت بے تیغ
چو بر زد بهر قتلم آستین را
چو نتوانم که بوسم نعل رخشش
بهر جا بگذرد بوسم زمین را
ز چین زلف چو بنمایدم رو
بیاد آرم نگارستان چین را

غزل حضرت فریاد

(مصرعہ اولی ندارد)
نمودم محو از سر عقل و دین را
بقتل ہچو من شمشیر برداشت
کشید از قهر بالا آستین را
(مصرعہ اولی ندارد)
به آرد لیلی محمل نشین را
بر آید از افق هر صبح خورشید
که او شاید ندید آن مه جبین را
ادب لازم ترا اے آه شب گیر
مجنبان پایهٔ عرش برین را
خوشا بر حال فریاد غزلخوان
ندارد خوش صدائے آفرین را

مندرجہ ذیل غزل ایک کتاب کی تقریظ کے سلسلہ مین ہے،

مژده اے دل که غم هجر بپایان آمد — صبح جان پرور وصل از شب هجران آمد
غمزدائے دل دانش گهران گشت نشاط — که تن دانش جان باخته را جان آمد

دہر امروز کہ با اہل ہنر می سازد — پیر چرخ از عمل خویش پشیمان آمد
دانش امروز دگر بار بعقل آمدہ ہست — خاتم گمشدہ در دست سلیمان آمد
شادکامی دلش را چہ بود پایانے — تشنہ کامے کہ بسر چشمۂ حیوان آمد
جہل را گشت پراگندہ بساطِ اسباب — علم را کار پراگندہ بسامان آمد
چہ بہارے بچمن زار جہان گل کردست — کہ ز رضوان بہ نثارش گل و ریحان آمد
گشت امروز بکام دل ارباب کمال — کارا بجو بہ ازین گنبد گردان آمد
باشد از زنگ نواز نقش و نگارِ مضمون — گل ریحانِ سخن را چمنستان آمد
مژدہ باد امریضِ مرض نادانی — نسخۂ دانش کامل پئے درمان آمد
دولت و علم بہم عہد مودت بستند — جہل و اقبال بہم دست و گریبان آمد
در یم موج زن فکر بسے غوطہ زدند — تا چنین گوہر یک دانہ بدامان آمد
باز بینا شدہ یعقوب ز روئے فرزند — تاج اقبال دگر بر سرِ سلطان آمد
باشد امروز کہ بالد ہنر ہیچ میرز — مژدۂ قدر سخن بہر سخندان آمد

مندرجہ ذیل دو غزلیات ظہوری و ملا نظیری و خانخانان و غالب و فریاد

ظہوری — بعشق قابل دیوانگی خردمند است — بہ بر ز جملہ کہ آزاد مرد این بند است

مطلب یہ ہو کہ عشق کی دیوانگی کے قابل تو عقل مند ہی ہے نہ کہ بے عقل، سب طرف سے قطع نظر کرو اور سمجھو کہ آزاد ہی (عقلمند) اس قید کا مرد ہے،

خانخانان — حدیث شوق ندانستہ ام کہ تا چند است — ہمین قدر کہ دلم سخت آرزومند است

مطلب یہ ہو کہ حدیث شوق کی کہاں تک اور کتنی ہو یہ تو نہیں معلوم ہے ہاں اسی قدر کہ میرا دل سخت آرزومند ہے،

غالب[1] چو صبح من ز سیاہی بشام مانند است — چہ گویم کہ ز شب چند رفت یا چند است

مطلب یہ ہے، کہ میری صبح بھی شام کی طرح سیاہ ہو تو مجھ سے کیا کہتا ہو کہ رات کتنی گذری، کتنی باقی ہے،

فریاد[1] ہمین قدر دل این بندہ آرزومند است — کہ ہر کہ بیند و گوید کہ با خداوند است

مطلب یہ ہے، کہ اسی قدر اس بندہ کی آرزو ہی کہ جو دیکھے وہی کہے کہ یہ بندہ اپنے مالک کے ساتھ ساتھ ہے،

ظہوری[2] بشکر دیدۂ تر تر زبانی دارم — کہ ز ہر گریہ طراوت دہ شکر خند است

مطلب یہ ہے، کہ مین اپنے دیدۂ تر کے شکریہ مین اتنا ہی تر زبان ہون کہ میرے رونے کی کڑواہٹ

اس (معشوق) کے شکر خند (مسکراہٹ) کو طراوت پہنچاتی ہے،

خانخانان[2] نہ دانہ دانم و نے دام این قدر دانم — کہ پائے تا بسرم آنچہ ہست در بند است

مطلب یہ ہے، کہ مین نہ دانہ جانتا ہون نہ دام اتنا جانتا ہون کہ سر سے پاؤن تک جو کچھ ہے جکڑ بند ہے،

غالب[2] نگاہ مہر بدل سر نہ دادہ چشمہ نوش — ہنوز عیش باندازۂ شکر خند است

مطلب یہ ہے کہ ابھی تک اسکی محبت بھری نگاہ نے سوت چشمہ گوارا کی میرے دل تک نہین پہنچائی

اس لیے میرا عیش بھی اسی اندازے سے ہے جتنا اس کا شکر خند ہے،

فریاد[2] عجب کہ غنچہ شود دل گرفتہ از شبنم — رسد چو تا بہ گل این گریہ اش شکر خند است

مطلب یہ ہے کہ تعجب ہے، کہ شبنم سے غنچہ دل گرفتہ ہو جائے، حالانکہ جب یہی آنسو اس کا پھول تک

پہنچتا ہے شکر خند ہو جاتا ہے،

ظہوری[3] مگر کہ رخصت بے طاقتی شود مرہم — کہ گوش دل شدگان ریش کشتہ پند است

مطلب یہ ہے کہ شاید اجازت فریاد مرہم بنجاتی کیونکہ پند و نصیحت سنتے سنتے کان عاشقون کے زخمی ہو گئے ہین

خانخانان[3] بکیش صدق و صفا حرف عہد انکار است — نگاہ اہل محبت ہزار سوگند است

مطلب یہ ہے کہ معشوق کا وعدہ اہل صدق و صفا کے نزدیک تو انکار ہی مگر اہل محبت کی نظر مین ہزارون قسم کے برابر ہے،

غالب ۳ نگفتۂ کہ بہ تلخی گزار و پند پذیر برو کہ بادۂ ما تلخ تر ازین پند است

مطلب یہ ہے کہ کیا تونے نہین کہا ہے کہ تلخی سے عمر گذار دے جا کر میری شراب تیری اس نصیحت سے کہین زیادہ تلخ ہے،

فریاد ۳ نگاہ دل بغلط نیز سوئے شان نکنم کہ پند گوئی اہل خرد مرا پند است

مطلب یہ ہے کہ مین جھوٹون بھی اہل خرد کی طرف سے نگاہ نہین کرتا کیونکہ انھین اہل خرد کی یہ نصیحت ہے کہ لا طائل باتون پر توجہ نہ کر،

ظہوری ۴ چہ غم کہ عہد گسل وارہ دت کشاکش ناز کہ ہر گسیختنی صد ہزار پیوند است

مطلب یہ ہے کہ تیرا ناز عہد شکنی کی طرف تجھکو کھینچتا ہے تو کیا غم ہے کیونکہ عشق مین ٹوٹنا پھٹنا ہزار پیوند کے برابر ہے،

خانخانان ۴ ادائے حق محبت عنایت از دوست وگرنہ خاطر عاشق بہ ہیچ خورسند است

مطلب یہ ہے کہ محبت کا حق ادا کرنا تو دوست کی عنایت ہے، ورنہ عاشق کا دل اگر کچھ بھی نہو تو بھی خوش ہے

غالب ۴ دراز دستی من چاکے ار فگند چہ غم زپیش دلق ورع با ہزار پیوند است

مطلب یہ ہے کہ میری دست درازی نے اگر ایک چاک ڈال دیا تو غم کیا زہد کی گدڑی مین تو پہلے ہی سے ہزارون پیوند ہین،

فریاد ۴ زچاک دامن اُمید چون بدر د آیم رسد چو دست جنونم ہزار پیوند است

مطلب یہ ہے کہ امید کے دامن کے چاک ہو جانے سے مین رنجیدہ کیون ہون کیونکہ میرا دست جنون جب پہنچ جائے گا تو ہزارون پیوند لگ جائین گے ،

ظہوری ۵ بگو حدیث وفا از تو باور ست بگو شوم فدائے دروغیکہ راست مانند است

مطلب یہ ہے کہ وفا کی باتین کہو کہو مین اس جھوٹ پر نثار جو سچ معلوم ہو،

خانخانان ۵ مرا فروخت محبت ولے ندانستم کہ مشتری چہ کس است و بہائے من چند است

مطلب یہ ہے کہ محبت نے مجھکو بیچ توڈالا مگر یہ نہ معلوم ہوا کہ خریدار کون ہے اور میری قیمت کیا ہے ،

غالب — زبیم آنکہ مبادا بمیرم از شادی — نگوید ار چہ بمرگ من آرزو مند است

مطلب یہ ہے کہ اگرچہ میری موت کا تو وہ آرزو مند ہے مگر تو بھی منہ سے اس خوف سے نہین کہتا کہ یہ سنکر کہین مین شادی مرگ نہ ہو جاؤن،

فرہاد — بد ا بحال کسے کو حیات من خواہد — زہے عدو کہ بمرگ من آرزو مند است

مطلب یہ ہے کہ اُس کی حالت پر افسوس جو میری زندگی چاہے مبارک وہ دشمن جو میری موت کا آرزو مند ہے

ظہوری — ز اہل مہر و محبت نشان ندادم کس — بہ مہر خویش و بہ بے مہری تو سوگند است

مطلب ہے کہ قسم ہے مجھکو تیری بے مہری اور اپنے مہر و محبت کی کہ اہل مہر و محبت کا نشان مجھکو کسی نے نہ بتایا،

خانخانان — ازان خوشم بہ سخنہائے آشنائے رحیم — کہ اندکے بہ اداہائے عشق مانند است

مطلب ہے، کہ اسی سبب سے مین خوش ہون رحیم کی آشنا باتون سے کہ عشق کے انداز کی تھوڑی سی بابت اس مین ہے،

غالب — وجود او ہمہ حسن است و ہستیم ہمہ عشق — بہ بخت دشمن و اقبال دوست سوگند است

مطلب یہ کہ اس کا وجود عین حسن اور میری ہستی سراپا عشق ہے دشمن کے بخت کی قسم اور دوست کے اقبال کی قسم

فرہاد — مراد خویش دگر بارہ آرزو نکنم — بنامرادی ارباب شوق سوگند است

مطلب یہ ہے کہ اپنی مراد بر آنے کی دوبارہ آرزو نہ کرونگا مجھکو صاحبان شوق ہی کی نامرادی کی قسم ہے

ظہوری — ز رہروان تو منزل شمار را کہ شمرد — غم از کسے کہ نمی داند اندہش چند است

مطلب یہ کہ تیرا رہرو جو منزلین گنکر چلتا ہے اس کا کیا شمار ہے غم تو اس کا ہے جو یہ بھی نہین جانتا کہ مصیبت اُس کی کتنی ہے،

غالب — بہ رنج از پئے راحت نگاہ داشتہ اند — ز حکمت است کہ پائے شکستہ در بند است

مطلب ہے کہ راحت پہنچانے کے خیال سے دکھ مین رکھا ہے یہی تو حکمت ہے کہ ٹوٹے ہوئے پاؤن کو باندھ دیتے ہین،

فرشاد بدستیاریِ کوشش گردے کوشی — کہ طبع او ہمہ آزاد و دست او بنداست

مطلب یہ ہے کہ اگر مدد کیا چاہتا ہی تو اسکی مدد کر جسکی طبیعت آزاد (صاحب کرم) ہو، مگر مفلس ہے،

ظہوری شود گسستہ بایام گرچہ زنجیر است — اسیر آنکہ تبارِ نگاہ در بند است

مطلب یہ ہے کہ زنجیر تو زمانہ گذرنے سے گھس جاتی ہو مگر قیدی وہ ہو جو تارِ نگاہ مین بندھا ہوا ہے،

غالب اگر نہ بہرِ من از بہرِ خود عزیزم دار — کہ بندہ خوبی او خوبی خداوند است

مطلب یہ ہے کہ میرے لیے نہین تو اپنے خیال سے مجھکو عزیز رکھ کہ بندہ کی خوبی آقا کی خوبی ہے،

فرشاد نگاہِ رحم بر آن بندہ کِش بدن لرزان — بسینہ دستِ ادب بر لبش خداوند است

مطلب یہ ہے کہ اس بندہ پر نگاہِ رحم چاہیئے کہ بدن تو اس کا کانپ رہا ہے اور دستِ ادب سینہ پر رکھے ہے اور اس کے لب پر خداوند خداوند ہے،

ظہوری زبندگان نہ سزد آرزو خدا ابکند — ہمین بس است کہ ما بندہ او خداوند است

مطلب تو یہ ہے کہ بندہ کو اور کچھ آرزو درکار نہین ہو، یہی بہت ہو کہ ہم بندہ ہین اس کے اور وہ خداوند ہے مگر خدا ابکند کے معنی نہ کھلے شاید کوئی اور لفظ ہے،

بندون کے لیے یہ سزاوار نہین ہے کہ خدا ان کی آرزو کرے، بلکہ ان کے لیے یہی شایان ہے کہ وہ کہین کہ ہم بندے ہین اور وہ میرا خداوند ہے،

غالب شمارِ کجروی دوست در نظر دارم — درین نوردندانم کہ آسمان چنداست

مطلب یہ ہے کہ معشوق کی کجرویون کا شمار (ٹیڑھی چال) میری نظر مین ہے اس ہرکہ مین مین نہین جانتا کہ (کجرفتار کتنے ہین) آسمان کتنے ہین،

فرشاد نثار طبع غنا پرورے کہ نشمارد — بہ کیسہ درہم و داغیکہ دارش چنداست

مطلب یہ کہ اس غنی دل والے پر مین نثار جو یہ نہین گنتا کہ میرے کیسہ مین درہم داغ کتنے ہین.

ظہوریؒ اسیرِ عشق ظہوری نشانہ دارد — نشانہ آنکہ بہ بیداد دوست خورسنداست

مطلب یہ ہے کہ ظہوری اسیرِ عشق ہے، ایک نشانی رکھتا ہے، وہ نشانی یہ ہے کہ دوست کی بیداد پر خوش ہے،

غالبؒ نہ آن بود کہ وفا خواہد از جہان غالب — بدین کہ پرسد و گویند ہست خورسنداست

مطلب یہ ہے کہ ایسی بات نہین ہے کہ اہل دنیا سے غالب وفا چاہتا ہے، مگر فقط اتنی کہ جب معشوق پوچھے تو کہہ دین کہ زندہ ہے، اسی مین خوش ہے،

فریادؒ دگر ز شوق امید وفا سگے نکنم — قسم بجان عدو یکہ دوست ماننداست

مطلب یہ ہے کہ اب مین شوق سے امیدِ وفا نہ رکھونگا، مجھکو اپنے اس عدو کی جان کی قسم جو دوست کے مانند ہے،

فریادؒ بطبع سادہ فریاد خندہ ام گیرد — بیک نگاہِ تبسم نمات خورسنداست

مطلب یہ کہ بھولی طبیعت دے فریاد پر مجھکو ہنسی آتی ہے کہ تیری تبسم نما ایک ہی نگاہ پر خوش ہے،

فریادؒ از سعادتِ دارین خواہ ای فریاد — بہ شعر کوشش و بہ تہذیبِ ذکہ فرزنداست

غزلہائے نظیری و غالب و فریاد عظیم آبادی،

نظیریؒ نظر بظاہر و صیاد در خفا خفتہ است — اجل گرفتہ چہ داند بلا کجا خفتہ است

مطلب یہ کہ نظر تو ظاہر کی طرف ہے اور صیاد چھپا ہوا سویا ہے بیچارہ اجل رسیدہ کیا جانتا ہے کہ بلا کہان سوئی ہوئی ہے.

غالبؒ بوادی کہ در آن خضر را عصا خفتہ است — بسینہ می سپرم راہ گرچہ پا خفتہ است

مطلب یہ ہے کہ اس صحرا مین جہان خضر کا بھی عصا سو گیا ہے مین اپنے سینہ سے راہ طے کر رہا ہون،

اگرچہ میرا پاؤن سوگیا ہے (عصا خفتن نامردی کے معنی ہین، اہل زبان بولتے ہین، اس لفظ پر اعتراض بھی ہوا تھا مگر یہ فروگذاشت قابلِ التفات نہین ہے،)

فریاد — نثارِ نشہء مستے کہ برملا خفتہ است ‌ ‌ بہ بیم آنکہ نہ بوسم کشیدہ پا خفتہ است

مطلب یہ کہ اس مست کے نشہ پر مین قربان جو برملا سویا ہوا ہے اور اس ڈر سے کہ مین کہین چوم نہ لون، پاؤن کو کھینچے سویا ہے،

نظیری ۲ — کجا ز عشوہء آن چشم نیم باز رہیم ‌ ‌ کہ فتنہ دیدہ کشا داست و پای ما خفتہ است

مطلب یہ ہے کہ اس چشم نیم باز کے عشوہ سے کہان بھاگون کیونکہ فتنہ نے آنکھین کھولی ہین (معشوق جاگ گیا ہے) مگر میرا پاؤن سوگیا ہے،

غالب ۲ — دگر ز ایمنیِ راہ و قربِ کعبہ چہ حظ ‌ ‌ مرا کہ ناقہ ز رفتار ماندہ پا خفتہ است

مطلب یہ کہ راہ کے پرامن اور قریب رہ جانے سے کعبہ کے مجھکو کیا نفع ہے، جب کہ میرا ناقہ تھک گیا اور پاؤن میرا سوگیا ہے،

فریاد ۲ — بگیر دست من ای شوق و سوئے منزل کش ‌ ‌ کہ بخت دیدہ کشا دست و پای ما خفتہ است

مطلب یہ کہ اے شوق میرا ہاتھ پکڑ کر منزل کی طرف کھینچ کہ بخت نے تو آنکھین کھولین مگر پاؤن میرا سو رہا ہے،

نظیری ۳ — کسے بہ قلبِ شبم ترکتازی آرد ‌ ‌ کہ بر فراشِ قصب پای در حنا خفتہ است

مطلب یہ کہ ایسا شخص آدھی رات کو مجھ پر دھاوا کرتا ہے کہ ریشمی گدے بستر پر پاؤن مین مہندی لگا کر سوتا ہے

غالب ۳ — غمش بہ شہر شبیخون زنان بہ بنگہ خلق ‌ ‌ عسس بخانہ و شہ در حرم سرا خفتہ است

مطلب یہ ہے کہ معشوق کا غم شہر مین شبخون مارتا ہے خلائق کے بنگاہ پر دران حالیکہ کوتوال اپنے گھر مین اور بادشاہ حرم سرا مین سویا ہوا ہے،

فریاد — خجستہ طالع خوابندۂ خوشا خوابش — کشیدہ بالش و در یادِ آشنا خفتہ است

مطلب یہ کہ کیا خجستہ بخت ہے وہ سونے والا اور کیا مبارک ہے خواب اس کا کہ تکیہ کھینچ کر اپنے آشنا کی یاد مین سو رہا ہے،

نظیری — شمیم مہر ز باغ وفا نمی آید — بہر چمن کہ تو بشگفتہ صبا خفتہ است

مطلب یہ کہ خوشبو محبت کی باغِ وفا سے نہین آتی ہے، جس چمن مین تو پھلا پھولا وہان کی بادِ صبا سوئی ہوئی ہے،

غالب — بہ بین ز دور و مجو قرب شہ کہ منظر را — دریچہ باز و بدر وازہ اژدہا خفتہ است

مطلب یہ کہ دور سے جھروکے دیکھ اور بادشاہ کا قرب نہ ڈھونڈھ کیونکہ کھڑکی کھلی تو ہے مگر دروازے پر اژدہا سو رہا ہے،

فریاد — صبا بیا مددے کن کہ آن شہ خوبی — ز بیم نالۂ من در حرم سرا خفتہ است

مطلب یہ کہ اے صبا آکر میری مدد کر کیونکہ وہ بادشاہ خوبان میرے نالہ کے ڈر سے حرم سرا مین جا کر سو یا ہے،

نظیری — طبیبِ عشق بہ برّد طمع ز بیمارے — کہ شب براحت ازین دردِ بے دوا خفتہ است

مطلب یہ کہ طبیبِ عشق اس بیمار کی صحت سے امید اٹھا لیتا ہے، جو رات کو اس دردِ لا دوا کی حالت مین راحت کے ساتھ سو گیا ہے،

غالب — بصبحِ حشر چنین خستہ رو سیہ خیزد — کہ در شکایتِ درد و غمِ دوا خفتہ است

مطلب یہ کہ صبحِ حشر کو ایسا بیمار روسیاہ اٹھے گا جو درد و غم و دوا کی شکایت مین مبتلا سو گیا ہے،

فریاد — زہے حذاقت و غمخواری کہ مرگ نبود — مریضِ ہجر درین دردِ بے دوا خفتہ است

مطلب یہ کہ کیا خوب علاج و غمخواری ہی جو موت نے کی کہ مریضِ ہجر اس درد مین بے دوا کے سو گیا ہے

نظیریؔ کس از معانقۂ روز وصل یابد ذوق — کہ چند شب ز ہم آغوش خود جدا خفتہ است

مطلب یہ ہے کہ وہ عاشق روز وصل کے گلے ملنے سے لطف اٹھائے گا جو چند راتون تک اپنے ہم آغوش سے جدا سویا ہے،

فریادؔ بہ عندلیب بگوئید بخت تو بیدار — بیا کہ مست خمار است گل صبا خفتہ است

مطلب یہ کہ عندلیب سے کہو کہ تیرا بخت بیدار ہے (جلد) آ کہ پھول خمار مین مست ہے اور باد صبا سو رہی ہے

نظیریؔ شب اُمید بہ از روز عید می گذرد — کہ آشنا بہ تمنائے آشنا خفتہ است

مطلب یہ کہ امید کی رات عید کے دن سے بھی بہتر گذرتی ہے کہ ایک آشنا دوسرے آشنا کی تمنا مین سو رہا ہے،

غالبؔ بدین نیاز کہ باتست نازمی سدم — گدا بسایۂ دیوار پادشا خفتہ است

مطلب یہ کہ اس نیازمندی پر کہ جو مجھکو تیرے ساتھ ہے ناز کرنا چاہیئے کہ گویا ایک فقیر بادشاہ کی دیوار کے سایہ مین سو رہا ہے،

فریادؔ ز شام وعدہ فراموش ما بہ بستر خواب — نہادہ دست بہ رخ پائے در حنا خفتہ است

مطلب یہ کہ شام ہی سے میرا وعدہ فراموش اپنے بستر خواب پر چہرہ پہ ہاتھ رکھے پاون مین مہندی لگائے سو رہا ہے،

نظیریؔ خروش حلقۂ رندان ز نازنین پسریست — کہ سر بہ زانوئے زاہد بہ بوریا خفتہ است

مطلب ہے کہ رندون کی جماعت مین کھل بلی اس نازک پسر کی بدولت ہے کہ سر زاہد کے زانو پر دھرے اس کے بوریے پر سو رہا ہے،

غالبؔ ہوا مخالف و شب تار و بحر طوفان خیز — گسستہ لنگر کشتی و ناخدا خفتہ است

مطلب یہ کہ ہوا برخلاف اور رات اندھیری سمندر طوفان برپا کرنیوالا لنگر کشتی کا ٹوٹا ہوا اور ناخدا سویا ہوا۔

فریاد — غریب مردہ و کشتی سوار در طوفان ۔۔۔ یقین نمودہ بغفلت کہ ناخدا خفتہ است

مطلب یہ کہ ناخدا غریب تو مرا ہوا پڑا مگر طوفان کی حالت مین اہل کشتی کی غفلت دیکھیے وہ سمجھ رہے ہین کہ ناخدا سو رہا ہے،

نظیری — دلم بہ سبحہ و سجادہ و ردا لرزد ۔۔۔ کہ دزد مرحلہ بیدار و پارسا خفتہ است

مطلب یہ کہ میرا دل تسبیح اور سجادہ اور ردا کو دیکھ کر کانپ رہا ہے کہ چور تو راہ مین بیدار ہے مگر خود پارسا سویا ہوا ہے،

غالب — براہ خفتن من ہر کہ بنگرد داند ۔۔۔ کہ میر قافلہ در کاروان سرا خفتہ است

مطلب یہ کہ مجھکو رستہ مین پڑا سوتا ہوا جو دیکھتا ہے وہ سمجھتا ہے کہ سردار قافلہ کاروان سرا مین سو رہا ہے،

فریاد — مگر کہ خود بسفر رفتہ اش کنم بیدار ۔۔۔ کہ بخت خفتہ دلان در عدم سرا خفتہ است

مطلب یہ کہ مین خود اب سفر جا کر اس کو بیدار کرون کیونکہ ہم خوابیدہ بختون کا بخت سرائے عدم مین سویا ہوا ہے،

نظیری — فسانہ صرف نظیری مکن کہ خواب کند ۔۔۔ شکستہ کہ بصد درد مبتلا خفتہ است

مطلب یہ کہ فسانہ نظیری کے سو رہنے کے خیال سے کہنا بیکار ہے نہ کہو شکستہ دل سیکڑون درد مین مبتلا سو رہا ہی (خود سو رہے گا)

غالب — بخواب چون خودم آسودہ دل مدان غالب ۔۔۔ کہ خستہ غرقہ بخون خفتہ است تا خفتہ است

مطلب یہ کہ خواب مین جب مین ہون تو مجھکو آسودہ دل نہ سمجھ کہ ایسا بیمار جب سوتا ہے تو خستہ اور خون مین غرق سوتا ہے،

فریاد — بحال خستہ فریاد خود ہمی نالم ۔۔۔ غریب دور زہمراہیان کجا خفتہ است

مطلب یہ ہے کہ مین اپنے خستہ دل فریاد کے حال پر روتا ہون، ساتھ والون سے دور غریب کیا جانے کہان سو رہا ہے ،

حضرت کی تین شعر اور ہین ،

۱۲ فریاد نثارِ مقدمِ آن سالکِ طریقِ صواب — کہ ہر کجا کہ نہد پائے اژدہا خفتہ است

قربان اس راہِ طریقت کے آنے والے کے جو قدم آگے بڑھائے جاتا ہے باوجودیکہ ہر قدم پر اس کے اژدہا سویا ہوا ہے، یعنی شیطان گھات مین ہے ،

۱۳ فریاد چرا ہمین بغلط راہ می رود کشتی — نہ تند موج نہ طوفان نہ ناخدا خفتہ است

وجہ کیا ہے کہ کشتی ٹھہری راہ جا رہی ہے جبکہ نہ ہوا تیز ہے نہ موج ہے اور ناخدا سو رہا ہے

فریاد ازین بغفلت حراسٹ پے توان بردن — کہ شحنہ خود بہ سرِ راہِ بادشا خفتہ است

حفاظت کرنیوالون کی غفلت کا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ کوتوال خود بادشاہ کے راستہ پر سویا ہے

غزل حضرت فریاد

گل تر پیشِ حسینان جہان چیزی نیست — مشت زر دارد و آن نیز چنان چیزے نیست
گل بوجد آید اگر از اثرش ساختہ دان — نغمۂ بلبل تر ولیدہ بیان چیزے نیست
عمرِ خود در طلبِ نفع نمودم بر باد — جز غم و درد نصیبم بجہان چیزے نیست
بارے از خود خبرے گو و مگو از دگران — کہ فلان کس ہمہ چیز است و فلان چیزے نیست
من چہ مخفی کنم از کس کہ ندارم رازے — آشکار است چو آئینہ نہان چیزے نیست
شیخِ ما در نظرِ خویش ملک ار باشد — ابلہے ہست بچشمِ دگران چیزے نیست
این جوابِ غزلِ حضرتِ جامی فریاد — حق ہمین است کہ در چشمِ کسان چیزے نیست

ولہ

من و فریاد و سخت جانی ها | یار و بیداد و سرگرانی ها
دل آن سنگدل بدرد آید | گر کند ناله ترجمانی ها
ماندانیم شادمانی چیست | یا چه چیز است کامرانی ها
ارنی از من و نیاز از من | ناز از تست و لن ترانی ها
خواهم از دل برآورم فریاد | نتوانم ز ناتوانی ها

گر نتیجه کامرانی

ولہ

گم کرده ام ز خویش ره جستجوی دل | چون گرد کاروان نرسیدم بکوی دل
جز رشته های ناله میسر نشد مرا | میخواستم ز تار نگاهت رفوی دل
از تیغ ناز سر نکشیدم که وقت ذبح | زین قبله انحراف نورزید روی دل
آنکس که در مجاز بفکر حقیقت است | گیرد سراغ باغ محبت ز بوی دل
فریاد را که روی نیازش نیاز تست | محراب ابروی تو بود در بروی دل

ولہ

خبر یار من ای پیک سحرگاه بگو | نازنینم بچه منزل زده خرگاه بگو
یار خوش کرده چه منزل که گذرگاهم نیست | تو که داری خبر از پیچ و خم راه بگو
یاد فریادگران جان بفدای یادش | یادش آرد خوش و ناخوش گه و بیگاه بگو

ولہ

چه توان کرد مشکل افتادست | که مرا کار با دل افتادست
گفت در کوی من چه افتادی | گفتم از دست من دل افتادست

شرحِ بیدادِ یار نتوان داد — که درین شیوه کامل افتادست
دل ز کویش چگونه بردارم — که مرا پاے در گل افتادست
جز غباری نه بینی از مجنون — که نگاهش بمحمل افتادست
دلِ پروانه هرچه داد بِرون — بر سرِ شمعِ محفل افتادست
کس بپرسے مباد چون فریاد — که بکوے تو بسمل افتادست

ولہ

بیا جانِ تنِ بیجان کجائی — ز تن جان میرود جانان کجائی
خمِ محرابِ ابرویت نه بینم — مرا دین و مرا ایمان کجائی
درِ یار است غوغا بر نتابد — ندانی ای دلِ نالان کجائی
نمی دانم نشانِ جلوه گاهت — ز چشمم تا شدی پنهان کجائی
چو برخیزم ز خاک آیم بفریاد — بیا جانان بیا جانان کجائی

ولہ

بہ فرزانگان فرزانه باشد — که در کار جهان دیوانه باشد
چه خوش مردن که وقتِ جان سپردن — نظر بر صورتِ جانانه باشد
اگر دردے ندارد آدمی زاد — ز جنسِ خویشتن بیگانه باشد
کجا یابم ترا جز در دلِ خود — بسا گنجیکه در ویرانه باشد
چه خوش وقتیکه یاد بر سر آید — چه بد روزے که بیجانانه باشد

ولہ

درین بازار با دل کار دارم — که جنس درد با دربار دارم

نه بندم دیده ها را بعدِ مردن　　　که در دل حسرتِ بسیار دارم
مپرس ای همنفس حالِ منِ دل　　　دلم بیمار و من بیمار دارم
ندارم جز نقودِ درد فریاد　　　اگر اندک و گر بسیار دارم

ولہ

دلبر برِ من باشد و دیدن نتوانم　　　منزل بدو گام است و رسیدن نتوانم
اندوهِ دلِ ماست که پایان نپذیرد　　　چون صبحِ شبِ هجر دمیدن نتوانم
زان روز که افتاد سرم بر قدمِ دوست　　　چون سایهٔ دنبال رسیدن نتوانم
همسایه زنالیدنِ من نالد و گوید　　　این ناله چه دارد که شنیدن نتوانم
آن کشتهٔ رازم که بحسرت درم بسمل　　　بینم رخِ جلاد و تپیدن نتوانم
باشد جرسِ قافله هر لحظه به فریاد　　　آیا بچه خواهم که شنیدن نتوانم

ولہ

چشمِ لیلی چراغِ محفلِ ماست　　　رم آهو سراغِ منزلِ ماست
عشق مفتاحِ بابِ مشکلِ ماست　　　در کفِ این محیط ساحلِ ماست
خطِ پیمانهٔ تو ای ساقی　　　ناخنِ عقده هائے مشکلِ ماست
ناله را نیست عذر گمراهی　　　ساربانِ تو جذبِ کاملِ ماست
خوشه بندو زنا امیدیها　　　دانهٔ عقل برقِ حاصلِ ماست
صفِ مژگانِ چشمِ او فریاد　　　رهزنِ کاروانِ غافلِ ماست

ولہ

ای از رخِ تو در نظرم لاله زارها　　　نظاره نورِ مطلعِ صبحِ بهارها

در دیده ام که تیر نگاه تو جا گرفت
گویا درونِ آبله بشکست خارها

از موج خیز عالم هستی زما مپرس
این سطر خوانده ایم بخطِ غبارها

خاری که فیض آبله از پائے من گرفت
بر سر زند چو غنچهٔ گل اعتبارها

ولہ

بدنیا جز عروس غم در آغوشم نمی آید
ازین محفل صدائے خنده در گوشم نمی آید

ندانم تا چه مے خوردم ز جام چشم مخمورش
که سودائے جنونم در سر و هوشم نمی آید

چراغان کرده ام از داغِ دل بهر تماشایش
چه شد امشب که یارِ خود فراموشم نمی آید

ندانم ناقهٔ لیلیٰ کجا رفت و چه شد مجنون
که آوازِ درا و ناله در گوشم نمی آید

ولہ

می دهم عرض تپیدن از لب پروانه ها
بر زبان شمع از سوزِ دلم افسانه ها

نارسا دستم بزلفِ تست ای واحسرتا
گوهر مطلب بکف دستِ رسائی شانه ها

در هوائے دام گیسوئے تو اے صیادِ خلق
طائرِ بے آشیانِ هوش سر فرزانه ها

تا ز رویت اکتسابِ نور وحدت کرده ام
میکنم روشن چراغِ کعبه و بتخانه ها

از تپ هجر تو اے شمعِ حریمِ دلبری
شعلهٔ فریادِ من شد آتشِ کاشانه ها

ولہ

دلم پروانهٔ شمعِ جمالِ آتشین روئے
سرِ شوریدهٔ سودائے زلفِ عنبرین موئے

بتے دارم وفا دشمن، ستمگارے دلآزارے
نگارے جان شکارے دلشکن یارے جفاجوئے

ولہ

بیا بام از رقیب اے جانِ عاشق دادِ غمازی
که مارا روبروئے داد بیاد آری بدشنامے

تو از من چند پرسی حالت فریاد آی واعظ　　　که باشد کهنه رندے لاابالیٔ دُرد آشامے

ولہ

با دوست هرچه دوست نبود اختیار داشت　　　دل کیست تا که شکوه نماید چه کار داشت

رشک آیدم که قیس بدنبال محملے　　　خوش می دوید دیده بسوے غبار داشت

صحرا پُر است جلوهٔ نخچیر ترک من　　　لیلیٰ بدشت نجد همین یک شکار داشت

از حال چشم خویش چه گویم ز من مپرس　　　تر آمدم که گریهٔ بے اختیار داشت

سوئے حباب یک نظرے چشم اشتیاق　　　تا هستیش وفا نبود انتظار داشت

ما بیکسان بگوشهٔ زندان فتاده ایم　　　در دشت رفت هر که هوائے بهار داشت

زین میکده تر آمده ام اے سبوکشان　　　مینا و جام و خم نه مئے خوشگوار داشت

تا آمدم که پائے امیدم فگار شد　　　این باغ جائے لاله و گل خارزار داشت

گویند بسملم چو نظر کرد خنده کرد　　　چشمم چو بند شد نگه شرمسار داشت

بهتر هزار بار خرابات مے کشان　　　زین صومعه که عابد شب زنده دار داشت

فریاد مُرد و رفت خدایش جزا دهد　　　عیشے همین که طبع محبت شعار داشت

ولہ

چراغ دودمان آفرینش　　　بهار بوستان آفرینش

وجودش را نباشد هیچ تعیین　　　مگر جان جهان آفرینش

بجز فهم رسایش در دو گیتی　　　که باشد نکته دان آفرینش

لب حرف آفرینش را چه گویم　　　که گوید داستان آفرینش

ز نقش پائے او اندیشه گیرد　　　سراغ کاروان آفرینش

زہے ہستیِ آن ہستی کہ فریاد — بہ ہستی نیست جانِ آفرینش

ولہ

بزمِ عشق است کہ از نشئہ بود پاک اینجا — موجِ مے می شکند شیشۂ افلاک اینجا
رہِ عشق است کہ افسون ودمد از خاک اینجا — دامنِ شعلہ کشد پنجۂ خاشاک اینجا
صیدگاہیست محبت کہ بصد جذبۂ دل — سیرِ صیاد بود زینت فتراک اینجا
عجبے نیست کہ علیم چو ہنر پندارند — پردہ پوش است خطا را نظرِ پاک اینجا
خبر از کوئے بتان باز مپرس اے زاہد — خس وخاشاک بود شانۂ ومسواک اینجا
محفلِ دُرد کشانست کہ از وسعت ظرف — دورِ پیمانہ بود از خمِ افلاک اینجا
ہر کجا غیرتِ عشق است بقیدِ ناموس — شانہ را سینہ خراشد جگرِ چاک اینجا
دانۂ اشک فشاندیم بہ مقتل از شوق — تاکہ روید بہ زمین پنجۂ سفاک اینجا
سوز داغم نہ رود از دمِ سردِ فریاد — شمع را نیست زباد سحری باک اینجا

ولہ

تازہ سحریست بلب آن بتِ ترسائی را — خندہ بر نطق زند لعلِ مسیحائی را
واچو شد بند قبا آن بتِ ہرجائی را — چاک زد غنچہ بہ تن جامۂ رعنائی را
تو کہ صبر از دل وآرام ربودی ز تنم — سر وسامان کہ دہد تابِ توانائی را
جز گلِ داغ زگلزار جمالت اے گل — نیست در جیب نظر چشم تماشائی را
بے بصیرت چہ برد راہ بباطن از علم — کور از سرمہ نہ بیند رُخِ بینائی را
شعلۂ آہ اگر در دلِ یوسف نہ زدے — شمع روشن نشدے بزم زلیخائی را
نہ قرارے بفراقت و نہ تسکین بوصال — مشکلے تازہ فتاد این دلِ شیدائی را

نسبت ماہی و آب ار تو نہ دانی فریاد | دربیابان نگری مردم دریائی را

ولہ

دی شب کہ از غم تو بسامان گریستم | ابر سفید بودم و طوفان گریستم
ابرے بہ بارش آمد و برقے بباغ زد | ہر گہ بیاد آن لب خندان گریستم
ہر جا بدور چشم تو از پاس آبرو | دستے برو کشیدم و پنہان گریستم
فریاد ہر کجا کہ نشستم ز درد دل | چون گریہ ہائے ابر پریشان گریستم

ولہ

من و غوغا کہ غوغائے اگر باشد ہمین باشد | سر و سودا کہ سودائے اگر باشد ہمین باشد
چگویم از فضائے دلربائے کوچۂ قاتل | بہ از خلد برین جائے اگر باشد ہمین باشد
فشانم جان شیرین بر در میخانہ اے ساقی | مرا در دل تمنائے اگر باشد ہمین باشد
بحسرت سوئے قاتل دیدن و رقصیدن بسمل | درین عالم تماشائے اگر باشد ہمین باشد
شراب عشق باشد کز دو عالم بے خبر سازد | درین میخانہ صہبائے اگر باشد ہمین باشد
چہ از کیفیت فریاد حرفے بر زبان آرم | کہ رند بادہ پیمائے اگر باشد ہمین باشد

ولہ

اثر جذب محبت اگر از دل ریزد | اشک بیتاب من از دیدۂ قاتل ریزد
باد برق نگہت صاعقہ بر دل ریزد | کاروان آتش وا ماندہ بہ منزل ریزد
نشتر شعلہ خورد شمع اگر از تف دل | خون دل از رگ پروانۂ محفل ریزد
دل پر داغ اگر جلوہ گہ دوست کنی | گل خورشید بجیب مہ کامل ریزد
اشک در دیدہ کہ از سینہ بر آید چہ عجب | آب اگر جوش زند از لب ساحل ریزد

نگہت آنچہ بمن کرد بہ خرمن نکند | برق سوزان کہ پئے غارت حاصل ریزد
لبِ فریاد بہ تنگ آمدہ اکنون فریاد | عنقریب است کہ از سینۂ من دل ریزد

فردیات

سعدی شیرازی

شبِ فراق نخواہم دواج زیبا را
کہ شب دراز بود خوابگاہ تنہا را

فیضی

پردہ ز روئے برفگن حسن جہان فروز را
رخنہ گر سپہر کن، برق ستارہ سوز را

(کیا عمدہ مطلع کہا ہے) یعنی رخ سے پردہ حسن جہان فروز کے دور کر (جلوہ حسن کو استعارہ برق سے کرکے کہتا ہے) کہ جلوہ برق ستارہ سوز کو رخنہ گر فلک کا کردے

فیضی

دورِ جہان تمام شد وعدہ ہنوز ناتمام
وہ چہ دراز کردۂ، سلسلۂ ہنوز را

کہتا ہے کہ زمانہ کا تمام بھی ہوگیا، مگر ابھی ابھی کے لفظ کیسا تھا جو تونے وعدہ کیا تھا، اس ابھی ابھی کے سلسلہ کو کس قدر دراز کیا ہے۔

فریاد عظیم آبادی

نقاب برکش و بنما جمال زیبا را
مجال گریہ مدہ چشم ناشکیبا را

فریاد

گر بنمائیمت بیا، داغِ زمانہ سوز را
خالِ رخ تو بشمری، مہر جہان فروز را

فرماتے ہیں اگر میں تجھ کو اپنا داغِ زمانہ سوز دکھادوں تو آفتاب کو تو اپنا خالِ رخ سمجھیگا، یعنی داغ کی روشنی کے آگے سورج ایسا کالا ہو جائیگا

فریاد

گیسوئے مشک سائے تو حاجب عارض تو شد
ز ابر سیہ برون بکن نیر جہان فروز را

فرماتے ہیں، اپنے چہرہ سے اپنے گیسوئے مشکین کو ہٹالے، دوسرا مصرعہ استعارہ ہے، یعنی ابر سیاہ میں سے دل کے روشن کرنے والے سورج کو نکال،

غالب

رفت و باز آمد ھما در دام ما
باز سر دادیم و عنقا خواستیم

کہتے ہین ہما میرے دام سے اڑگیا تھا پھر میرے دام مین خود آگیا مین نے پھر اس کو اڑا دیا، اور عنقا کی خواستگاری کی،

فریاد

عنقا کہ صید کردم و سر دادمش ازین است
تا خود بخود ہمائے درافتد بدام ما

فرماتے ہین، ہمنے عنقا کو شکار کرکے چھوڑدیا اور اس طرح پر کہ میری بے پروائی ہما دیکھے اور خود بخود دام مین چلا آئے یہ عجب مضمون ہے اکثر دنیا دار ہوشیار فقیر جو بعض دفعہ فتوحات کو بے پروائی سے قبول نہین کرتے ہین اس سے اسکا مقصود یہ ہوتا ہے اس ترکیب سے لوگ نیادہ [illegible]

غالب

خستگان را دل بہ پرسش ہائے پنہان بردۂ
با درستان گر نوازشہائے پیدا کردۂ

تونے توانائی و تندرستون پر ظاہر مین مہربانیان کی ہین تو عاجزون پر پوشیدہ پرسشین کرکے اپنا شیفتہ بنالیا

فریاد

ما نداریم اگر نعمت ظاہر غم نیست
ہر چہ پوشیدہ بما دادۂ آنہم کم نیست

مطلب وہی ہے یعنی اگر ہمارے پاس نعمت ظاہر مین نہین ہے تو افسوس نہین ہے کیونکہ جو نعمتین چھپا کر ہمکو دی ہین وہ بھی کم نہین ہین،

غالب

چشمہ نوش است از زہر عتابت نوشجان
تلخی مے در مذاق ما گوارا کردۂ

مطلب یہ ہے کہ تیرے عتاب کا زہر بھی میرے مذاق جان مین گوارائی کا چشمہ ہے کیونکہ شراب کی تلخی کو میرے مذاق مین تونے گوارا کردیا،

فریاد

اگر بد گفتیم نقلے ندارد بلکہ احسانت
کہ مے تلخ است اما در مذاق جان عسل آمد

یعنی اگر تونے مجھ کو بد کہا تو کوئی بات نہین بلکہ تیرا احسان ہے، کیونکہ شراب تلخ ہے، مگر مذاق والون کے لیے شہد ہے،

غالب

چارہ درسنگ وگیاہ ورنج با جان داربود
پیش ازین کین دررسد آنہا مہیا کردہ

یعنی پتھر گھانس جاندار سے پہلے پیدا کردیا کیونکہ جاندار کو اسکی حاجت تھی، اس شعر مین عبارت کا سخت الجھاؤ ہے،

غالب

دربغل دشنہ نہان ساختہ غالب امروز
مگذارید کہ ماتم زدہ تنہا ماند

مطلب یہ ہے کہ آج غالب اپنی بغل مین خنجر چھپائے ہے اس ماتم زدہ کو تنہا نہ چھوڑو،

غالب

شعلہ چکد غم کرا گل شگفد مزد کو
شمع شبستانیم باد سحر گاہیم

یعنی مین نے شعلے ٹپکائے تو اس کا غم کسے یا پھول کھلے تو اجرت کہان، میری مثال شمع کی یا باد سحر کی ہے،

فیضی

ہیچ زسر بردن نشد عشق ہوس پرست ما

فریاد

آنکہ دردم را دوا پیش آفرید از دردھا
می توان کردن مہیا بہر من ساقی شراب

یعنی جس نے میرے دکھ کے پہلے دکھ کی دوا پیدا کردی، وہ اے ساقی میرے لیے شراب مہیا کرسکتا ہے،

فریاد

صحبت موعظ و کارد بدست فریاد
مگذارید کہ ہم مست وہم آشفتہ سراست

مطلب یہ ہے کہ وعظ کی صحبت ہو فریاد کے ہاتھ مین چھری ہے اسکو آنے مت دو کہ مست بھی ہے اور غصہ مین بھرا ہے

فریاد

زندہ کردم نفس غنچہ و رفتم چو صبا
کس نہ پرسید کہ در باغ چرا آمدہ

بے پروائی زمانہ کو کہتے ہین کہ ہم نے غنچہ کی روح کو زندہ کیا اور صبا کی طرح چلے بھی گئے، مگر باغ مین کسی نے نہ پوچھا کہ کیون آئے،

فریاد

تا کہ شنیدہ ام کہ یار جام بدست غیر دارد

بسکہ بسر زدیم دست آبلہ کرد دست ما
یعنی عشق ایسا میرے سر مین سمایا کہ سر مین نے اس قدر پیٹا کہ ہتیلی مین آبلہ آگیا،

دست چنان بسر زدیم آبلہ گشت زخم شد
فرماتے ہین جب مین نے یہ سنا کہ یار نے جام شراب کا غیر کو دیدیا مین نے اتنا سر پیٹا کہ آبلہ ہو کر زخم ہو گیا،

نظیری نیشاپوری

چنان برہم زدی سودائے بازار قیامت را
کہ طومار شفاعت از کف پیغمبران گم شد
تونے بازار قیامت کے سودے مین ایسی برہمی و پریشانی ڈال دی کہ شفاعت خلق کے جو طومار پیغمبرون کے ہاتھ مین تھے کھو گئے،

فریاد عظیم آبادی

بہ اندازے چنان برداشتی از رخ نقاب خود
کہ نطق مرسلان دوزید در محشر دہان شان
فرماتے ہین، تونے ایسے اندازسے اپنے چہرہ سے نقاب اٹھائی کہ قیامت مین پیغمبرون کے منہ سی دیے گئے آواز نہ نکلی،

عرفی شیرازی

صبحدم چون درد مدد دل صور شیون زائے من
آسمان صحن قیامت گردد از غوغائے من
مطلب یہ ہے اگر صبحکو میرا دل (اپنی آہ) کا شیون و ماتم پیدا کرنیوالا صور پھونکے تو آسمان میرے غوغا سے قیامت کا صحن یعنی میدان قیامت بنجائے

فریاد عظیم آبادی

گر ز جور آسمان نالم بہ صبح داوری
رعشہ در دست سرافیل افگندہ غوغائے من
ظاہر ہے کہ حضرت کا مضمون کسقدر بلند ہے عرفی نے تو بس یہی کہا ہے کہ اگر اسکے غوغا کا صور پھنکے تو آسمان پر قیامت برپا ہو جائے اور حضرت فرماتے ہین کہ ان کے نالون کے غوغا سے اسرافیل ؑ کے ہاتھ مین رعشہ ہو جائیگا جسکا نتیجہ یہ ہوگا کہ صور پھنک نہ سکیگا، اور جب صور نہ پھنکیگا تو قیامت بھی برپا نہ ہوگی مختصر یہ کہ ہمارے نالون کی آواز قیامت برپا نہ ہونے دیگی،

عرفی شیرازی	فریاد عظیم آبادی
کسیکہ محرم باد صباست میداند	کشودہ بود چو او زلف بر جنازہ من
کہ باوجود خزان بوئے یاسمن باقیست	ہنوز در کفنم بوئے یاسمن باقی است
یعنی جو باد صبا کا محرم ہے وہی جانتا ہے کہ باوجود موسم خزان آجانے کے چمبیلی کی خوشبو باقی ہے،	یعنی میرے جنازہ پر جو اسکی زلف کھلی ہوئی تھی تو اسکی خوشبو سے میرا کفن اس قدر بس گیا کہ چمبیلی کی خوشبو میرے کفن میں اب تک باقی ہے، درحقیقت اس مضمون کی نزاکت عرفی کے شعر سے کہیں بڑھ گئی ہے،

خاقانی	فریاد
ہمسایہ شنید نالہ ام گفت	شب دوری سپاہی داد فریاد
خاقانی را دگر شب آمد	خدا آسان کند این مشکل من

ان دونوں اشعار کے بظاہر معنی جداگانہ ہیں، لیکن حالت وخیال و مذاق کے اعتبار سے دگر شب آمد کے الفاظ سے جو بات خاقانی نے پیدا کی ہے، وہی ہمارے حضرت نے این مشکل من کے الفاظ سے ظاہر فرمائی ہے،

فریاد	فریاد
نباشد قطرۂ خون بر کنار چشم گریانم	مرا آخر ہلاک غمزۂ خونخوار خود کردی
کہ بہر دیدنت از گوشۂ دل کرد سر بیرون	بافسون و فریبم داشتی تا کار خود کردی

فریاد	فریاد
شناختیم چہ وزدانہ میروی اے شوخ	بار واز زلف کسی مشک تتاری امشب
توئی توئی کہ دل از کف ربودۂ مارا	کہ غزالانہ جہد باد بہاری امشب

فریاد

پیش ازین تاب غمِ عشق نداری فریاد
سینه بشگاف و دلِ خون شده را وا رانداز

فریاد

چنان فریاد نهان کرد رازِ دین و ایمانش
که هندو هندوش گفت و مسلمانان مسلمانش

سعدی

شب فراق چه داند که تا سحر چند است
مگر کسی که به زندانِ عشق دربند است

فریاد

همین قدر دل این بنده آرزومند است
که هر که بیند و گوید که با خدا و ند است

قصیدہ

دو صدی ہجری تک فارسی زبان مین قصائد کا نام تک باقی نہ تھا، شہر مرو کو جب مسلمانون نے فتح کیا، اور خلیفہ مامون الرشید مشتاق ہوکر اس شہر کو دیکھنے گیا، تو وہان کے شعرا نے خلیفہ کے خیر مقدم کے لیے اپنے طور پر اشعار مدحیہ نظم کیے، مگر سب سے بہتر عباس مرو اس کا وہ سات شعر کا قصیدہ ہے، جو پہلی دفعہ فارسی مین لکھا گیا، اور جس کو خلیفہ نے بہت پسند کرکے صلہ بھی دل کھول کر دیا، اس کے بعد سے شعرائے فارس قصیدہ گوئی پر ٹوٹ پڑے، اور باعتبار مضامین کے بہت ترقی کی علی الخصوص قصیدون کی تمہید مین جسکو تشبیب کہتے ہین، بہت کچھ زور طبیعت دکھانا شروع کیا تشبیب ہی وہ چیز ہے جسمین انواعِ مضامین کے پیدا کرنے کی گنجایش ہی، اگر قصیدون سے نکلجائے تو قصیدون مین بجز مدح یا قدح کے معمولی مضمون کے رہتا ہی کیا ہے، قدما نے قصیدہ کے شعرون کی تعداد کم سے کم سات شعر اور زیادہ سے زیادہ اٹھارہ رکھی ہے، مگر متاخرین نے بڑھاتے بڑھاتے ایکسو شعر کر دیئے، یہ تو ظاہر ہے کہ قصیدہ مدحِ ممدوح پر مستقل رہتا ہے، (اس وقت مین قصیدہ کے اقسام سے بحث نہین کرتا) رفتہ رفتہ مدحیہ اشعار مین مبالغہ کثرت سے ہونے لگا، اور غلو کی نوبت آگئی، مبالغہ کی یہانتک حد ہوگئی کہ عرفی شیرازی گھوڑے کی تعریف مین کہتا ہے،

برغنچہ سبک روی بدانسان ۔۔۔ کش خندہ فزایدا ز تبسم

مطلب یہ ہے کہ اے گھوڑے تو پھول کی کلی پر اس آہستگی سے دوڑ جاتا ہے کہ اس کا ہنسنے والا دہن زیادہ نہین پھیلتا، بلکہ مسکرا کر رہجاتا ہے،

دوسرا شعر سنئے،

از گام شمرده خط نگاری
بر نقطۂ نوک نیش کژدم

یعنی اپنے قدم گن گن کر بچھو کے نیش کی نوک کے نقطہ پر تو اپنے اسی قدم سے اے گھوڑے خط لکھ دیتا ہے،
ایسے اکثر شعر ہین، جسمین بے حد مبالغہ و غلو کیا ہے، ناظرین غور کرین، کبھی بچھو کا نیش، کبھی گھوڑے کا اپنے قدم سے خط لکھنا!! ایسے مضامین کا حاصل کیا، جو شعرا غور و تمیز سے کام نہین لیتے تو پہلے ممدوح کو منتخب نہین کر لیتے اسلیے انتخاب مین سخت غلطی ہوا کرتی ہے، ناقابل ممدوح کی شان مین جو قصیدے لکھے گئے تو تمیز دارون نے اسکا نام ہی رکھدیا، جن باکمالون کو اپنے کمال کی تمیز اور اپنی قدر آپ کرنیکا مادہ خدا نے عطا کیا ہے، وہ کبھی اپنے فن کو بے جگہ صرف کرکے اس کو بدنام نہین کرتے، حمد و نعت و منقبت مین جو مضامین بظاہر مبالغہ آمیز معلوم ہون مگر مادح اپنے ممدوح کی شان کو اپنے مبالغہ کی نسبت اعلیٰ تر سمجھ رہا ہے، نہ فقط خود مادح بلکہ وہ سامعین جو اسی اعتقاد کے ہوا کرتے ہین، ان کی خواہش بھی یہی ہوتی ہے، کہ جہان تک ممکن ہو، نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز، قصیدہ گوئی کا کمال تمہید و تشبیب و (تشبیب کے معنی حالتِ شباب کی نموداری چونکہ اہل عرب اکثر قصیدون کو ایام شباب کے ذکر سے بیشتر شروع کرتے تھے، تمہید کو باین معنی تشبیب کہنے لگے چاہے وہ تمہیدی مضامین یاس و حسرت سے شروع کئے جائین یا اور کسی قصد سے) مخلص (یعنی ممدوح کی مدح کا ایک لطف خاص کے ساتھ شروع کرنا کہ تشبیب کے مضامین سے مدح کے مضامین بے جوڑ نہ معلوم ہون) وہ گریز سے زیادہ کھلا کرتا ہے، اور روشن ہوتا ہے، چنانچہ مشہور ہے کہ انوری سا قصیدہ گو جس کے سیکڑون قصیدے ہین، مگر مخلص اس کے قابل پسند صرف سات ہین گو خاقانی بہ نسبت عرفی کے زیادہ دقت پسند اور انواع تشبیہات و استعارات سے اپنی تشبیب کو زینت دیتا ہے، مگر اہل فن بمقابلہ انوری کی صاف اور سلیس بندشون اور اعلیٰ مضامین کے

خاقانی کے ابہام کو زیادہ پسند نہین کرتے ہین، اسکا سبب یہ ہے ترک نژاد ہے، خاقانی الفاظ غریب استعمال کرنے کا شایق ہے، دوسری بری بات اس مین یہ ہے کہ ایک تمہید شروع کرتا ہے، ہنوز وہ ناتمام ہے کہ اسکو چھوڑکر دوسری طرف رجوع کرلیتا ہے، گویا ایک تیز رفتار گھوڑا ہے کہ ایک میدان مین اپنی جولانی دکھارہا ہے، دیکھنے والون کی نظرین اس طرف گڑی ہوئی ہین کہ دفعۃً دوسرے میدان مین جاپڑا، وہان جولانی دکھانے لگا، اور اگلے میدان والے منھ دیکھ کر رہ گئے،

الفاظ غریب کے زیادہ استعمال کرنے کا سبب بعض سخن شناس اہل فارس نے یہ بتایا ہے کہ خاقانی کا مولد و مسکن شیروان ہے، جہان عجمی ترکی زبان مادری زبان کی طرح بولی جاتی ہے، بعض معاصرین نے ذوق کے تذکرہ مین یہ لکھا ہے کہ ذوق کے قصیدون مین دو باتون کی اشد ضرورت ہے، ایک تو شوکت الفاظ کی، دوسرے علمی اصطلاحون کی، مین شوکت الفاظ کو نہ سمجھا کہ در اصل اس سے کیا غرض ہے، شاید یہ مطلب ہو کہ برجستہ حسب موقع و مقام الفاظ مناسب لائے جائین، رہے اصطلاحات علمیہ اگر اس سے یہ غرض رکھی جائے کہ مسائل علمیہ کے نام گنوا دیئے جائین، جیسا کہ ایک نامی شاعر نے اپنے ایک قصیدہ کی تمہید مین چند اصطلاحین منطق کی صرف کی ہین مگر ان سے مبلغ کمال پر روشنی نہین پڑتی ہے، البتہ نعمت خان عالی کی مشہور ہجو کا مگار خان مین جو قطعہ اصطلاحات علمیہ سے تمام و کمال معمور ہے، اس سے خان ممدوح کا تبحر علمیہ صاف ظاہر ہوتا ہے، اور معلوم ہوتا ہے کہ ان کا شماران ناواقف شاعرون مین نہین ہے، جو اصطلاحات علمیہ کے صرف نام گنوانے والے ہوا کرتے ہین، یہ امر ظاہر ہے کہ جو شعرا غزل سرائی مین کامل ہین اور اسکا صحیح مذاق رکھتے ہین، اکثر ان کی مثنویان بھی ہر طرح لائق تعریف و توصیف ہوتی ہین، طرز بیان مین صفائی بہت کچھ ہوا کرتی ہے، لیکن ایسے با کمالون کے قصائد اس درجہ کے نہین ہوتے

جیسی ان کی غزلین اور مثنویان ہوتی ہین اور جو باکمال قصائد مین عبور رکھتے ہین، عموماً ان کی غزلین اور مثنویان بہ نسبت قصائد کے پھیکی ہوتی ہین، مرزا حبیب قاآنی ظاہر ہے کہ کس درجہ کا قصیدہ گو ہے، مگر اسکی غزلین حد درجہ پھیکی ہین، اور ان مین بے نتیجہ معمولی باتین ہی باتین ہین، ایسے شعرا جنکے قصائد اور غزلین اور مثنویان سب ایک ہی رنگ مین رنگی ہوئی اور ایک ہی سانچہ مین ڈھلی ہوئی ہون، شاذ اور گنتی کے ہین، مثلاً ظہیر فاریابی جنکے قصاید غرا مشہور و معروف ہین اور جسکہ نئی ترکیبین، نئے اصطلاحات اور دلچسپ طرز ادا سے اپنے قصیدون کو آراستہ کیا اور زینت دی ہے، اس کے بعد کے شعرا قصائد مین اس کے عیال و متبع ہین، ساتھ ہی اس کے اسکی غزلین بھی اپنے پایہ مین کچھ کم نہین ہین، چنانچہ بعض سخن سنجون نے غزلون کے بارہ مین یہانتک غلو کیا ہے کہ یون کہدیا

دیوان ظہیر فاریابی — درکعبہ بدزد اگر بیابی

عجب اتفاق ہے کہ ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے جب قصائد دیکھے جاتے ہین تو یہ معلوم نہین ہوتا کہ ایسا شخص جسکی فکر مین ایسی بلند پروازی ہو اور استعارات و تشبیہات سے اپنے کلام کو ایسا سجانے والا ہو وہ غزلون اور مثنویون مین ایسی سادگی و دلچسپی و سلاست برتے گا کہان تو حضرت کے ایک قصیدہ کا یہ مطلع،

صبحدم چون سرکشد فریاد رعد آسائے من — لرزہ انداز د بہ طاق آسمان آوائے من

پھر حضرت کی ایک غزل کا یہ مطلع

بادوست انچہ دوست نمود اختیار داشت — دل کیست تا کہ شکوہ نماید چہ کار داشت

ایک اور غزل کا یہ مطلع

چہ توان کرد مشکل افتاد است — کہ مرا کار با دل افتاد است

ایک غزل کا مطلع ہے،

شب دوری سیاہی داد فریاد   خدا آسان کند این مشکل من ،

مین حضرت کے زمانۂ قیام کلکتہ کے حالات مین لکھ آیا ہون، کہ اخبار آئینۂ گیتی نما سلطان الاخبار و دوربین مین برابر سالہا سال حضرت کے مضامین نظم و نثر چھپا کرتے تھے، نظم مین زیادہ تر قصائد ہوتے تھے، اس وقت کے جن سخن شناسون کی نظرون سے حضرت کے قصائد گذرتے تھے، ان مین سے ناخدائے شیرازی بھی تھے،

ایک دفعہ کلکتہ کی ایک صحبت مین جہان چند اعیان عجم بھی بیٹھے ہوئے تھے مجھ سے ناخدا صاحب کہنے لگے "استاد شما در قصیدہ گوئی ید طولیٰ دارد، من بسیارے را در روزنامہ دوربین خواندہ ام" مجھ کو ضرورت جواب دینے کی نہ ہوئی کہ چند چیز فہمون نے فوراً کہا، "نہ آغا در ہمہ اقسام این فن ید طولیٰ دارد و منحصر بر قصائد نیست" اس کے بعد مین نے حضرت کی غزلون کے متفرق اشعار پڑھے، تعجب سے کہنے لگے "آفرین آفرین، در غزلیات ہم دستے کامل دارد" مجھکو سخت افسوس اسکا ہے کہ ان تمام قصاید مین سے چند ہی قصیدے مجھ کو ملے، جنکو مین نقل کر کے بعض مشاہیر قصیدہ گو باکمالون کے اشعار بھی نقل کر دیتا ہون، میرے دل مین تھا کہ بعض معاصرین کی طرح اپنے استاد کے اشعارِ قصیدہ نامی قصیدہ گو شعرا کے اشعار کے ساتھ ٹکرا دون اور موازنہ کر کے دکھاؤن لیکن اس طرف سے دل ہٹ گیا، کیونکہ فن معنی و بیان و فصاحت و بلاغت جسکے رو سے کسی کلام کی تعلی اور کسی کلام کا نقص ثابت کیا جاتا ہے اسکی حالت بعینہ قانون سیاست ملک کی ہے، قانون ایک ہوتا ہے، مگر وکیل اپنے موکّل کے حسب مطلب تاویل کر کے معنی نکالیتے ہین، دوسری جانب مخالف اسی قانون کے رو سے اُس تاویل کو باطل ٹھہراتا ہے، لامحالہ دو متخاصم مین ایک حق پر ہوتا ہے، اگر صحیح و ماغ مجسٹریٹ نہ ہو تو لامحالہ اس تاویل کے الجھاؤ مین پڑ کر حق کا ناحق کر دیا کرے، طبائع مختلف ہوا کرتی ہین اور علیٰ ہذا القیاس مذاق

بھی مختلف ہوتے ہین انصاف یہی ہے کہ دونون کلام ناظرین کے پیش نظر کر دیے جائین،
وہ اپنے اپنے طور پر خود موازنہ کرلین گے، یہ سوچکر مین نے عرفی شیرازی کا ایک قصیدۂ غرّا
(جسکی شان مین عبدالرحیم خانخانان ایسے نقّاد نے یہ جملہ کہا تھا، اگر عرفی کا یہی ایک قصیدہ
ہوتا اور اقسامِ نظم مین سے ایک شعر بھی نہ کہا ہوتا، تو اس کو کامل سمجھنے کے لیے کافی تھا) انتخاب کیا
مین چونکہ فارسی زبان کے سمجھنے والے ہندوستان مین بہت قدر قلیل ہین، اس لیے اس کی
ضرورت پڑی کہ دونون کے اشعار کے اردو ترجمے بھی صاف صاف ہر شعر کے نیچے لکھدیئے
جائین، اگرچہ خوب معلوم ہے کہ نقاد جب تک فارسی زبان پر عبور رکھنے والا نہ ہوگا، پورے
طور پر تصفیہ نہ کرسکے گا، خاصکر طریقۂ بندش تسلسلِ الفاظ پر بھی دستگاہ نہ ہوگی، مگر دونون کے
مضمون کو بشرطیکہ سخن سنج ہو پرکھ سکے گا،

مندرجہ ذیل قصیدون کی زمین وطرز پر بعض اور اساتذہ کے قصائد بھی ہین، لیکن عرفی
شیرازی کا قصیدہ مشہور ہے اور اس کے قصائد مین بہترین سمجھا جاتا ہے،

فریاد عظیم آبادی	عرفی شیرازی
صبحدم چون سرکشد فریا در رعد آسائے من	صبحدم چون دردمد دل صورِ شیون زائے من
لرزہ اندازد بطاق آسمان آوائے من	آسمان صحن قیامت گردد از غوغائے من
یعنی اگر صبحدم رعد کی طرح (گرجتی ہوتی) میری فریاد	کہتا ہے کہ اگر صبحکو میرا دل (اپنی آہ) کا شیون
آسمان کی طرف سر کھینچے تو طاق آسمان بھر مین لرزہ	وماتم پیدا کرنے والا صور پھونکے تو آسمان میرے
ڈالدے دکانپنے لگے)	غوغا سے قیامت کا صحن (میدان) ہوجائے،
خشمم باشد ہجوم لشکر اندوہ درد	گوش اہلِ آسمان و حلقۂ ماتم کی است
محشر انگیزد چو صور آوازۂ کرنائے من	شیونم تا برکشد آہنگ ہایا ہائے من

کہتا ہے کہ جب سر ہائے ہائے کا میرا شیون (ماتم)
پہنچتا ہے تو حلقۂ ماتم اور اہل آسمان کے کان دو نون
ایک ہو جاتے ہین (یعنی جسطرح حلقۂ ماتم مین شیون
کی صدا گونجتی ہے، اس طرح ملائکہ کے کان مین بھی
یہ صدا گونجنے لگتی ہے،

یعنی میری حشمت (وشان وشکوہ) غم و درد کا
لشکر ہے، میرے کرنا کا آوازہ (شہرت) مثل
صور کے قیامت برپا کر دیتا ہے،

. . . .

. . . .

عرفی شیرازی

مصر ویران کرد و رو در وادی ایمن نہاد
رود نیل شوق یعنی گریۂ موسائے من

کہتا ہے کہ میرا رود نیل شوق (شوق کا دریا)
مصر کو تو برباد کر چکا اب وادی ایمن کی طرف
اس کا رخ ہے، واضح ہو کہ یہان (موسیٰ کا استعارہ
اپنے طرف ہے) اور تلازمہ مصر رود نیل وادی ایمن کا ظاہر ہے

زان دل شوریدہ را برتارک خود می نہم
کاشیانہ مرغ مجنون شد دل شیدائے من

کہتا ہے کہ اپنے دل شوریدہ کو (اب) مین اپنے سر پر
جگہ دیتا ہون کیونکہ وہی دل مرغ مجنون (یعنی
جنون کا) آشیانہ ہو گیا ہے،

زان ملائک چون مگس جوشیدم ہر سو کہ ہست
چشمۂ لذت کشائے موئے غم پالائے من

فریاد عظیم آبادی

گر ز جور آسمان نالم بصبح داوری
رعشہ در دست سرافیل افگند غوغائے من

یعنی اگر عدالت اور فیصلہ کی صبح کو (صبح حشر) کو مین
آسمان کے جور وجفا سے نالہ کرون (یعنی شکوہ
کردن) تو اسرافیل (فرشتہ) کے ہاتھ مین
(جو صور پھونکنے والا ہے) تھرتھری پڑ جائے،

از غبار تیرہ بختی ہا سپہر کور دل
توتیا می ریزد اندر دیدۂ بینائے من

یعنی آسمان کور دل تیرہ بختی (بدبختی) کے غبار کا
سرمہ میرے دیدۂ بینا مین ڈالتا ہے (مطلب
یہ کہ آسمان کوئی اچھا کام مجھے کرنے نہین دیتا)

جوہر کافور در کامم بریزد روزگار
گر دمے تسکین پذیرد حدت صفرائے من

کہتا ہے کہ فرشتہ کلیون کی طرح ہر طرف سے کیون کمالِ جوش سے مجھ سے لپٹتے ہین، اس لیے کہ میرا ہر موئے غم آلودہ ایک لذت کشا چشمہ ہے،

عرفی شیرازی

کام جان را تازہ کردی اے غم لذت سرشت
نے غلط گفتم چہ غم اے من و اے سلوائے من

کہتا ہے کہ اے غم لذت سرشت تونے میری جان کو تازہ کر دیا، نہین نہین غم کیسا یہ تو میرے لیے من و سلوا ہے،

در خمار احتیاجم زانکہ ایزد دور داشت
بادۂ کام دو کون از جام استغنائے من

کہتا ہے کہ مین اس لیے خمارِ احتیاج مین مبتلا ہون کہ خداوند کریم نے دونون جہان کی شراب مقصود کو میرے استغنا کے جام سے دور رکھا ہے

آسمان دریوزہ گر دو آفتابش کردہ نام
لعلے از آویزۂ گوشِ شبِ یلدائے من

کہتا ہے کہ جسکا نام آفتاب ہے وہ دراصل میری شب یلدا کے کان کے آویزہ کا ایک لعل ہے جسکو بھیک مانگ کر آسمان نے لے لیا، اور آفتاب نام رکھدیا،

یعنی ذرا بھی تمدد تشنگی مین میرے تسکین دیکھتا ہے تو رشد سے آسمان میرے حلق مین جوہر کافور ڈال دیتا ہے، واضح ہو کہ مزاج کافور کا چوتھے درجہ مین بارد و یابس ہے اور جوہر اسکا تو کشندہ ہے،

شاد عظیم آبادی

ہمچو کاہ ناتوان لرزد بخود کوہِ گران
خم قد نہ آسمان از بار محنت ہائے من

یعنی میری محنتون کا ایسا بوجھ ہے کہ نو آسمانون کا قد اسکے بوجھ سے جھک گیا ہے، کاہ ناتوان کی طرح (یہ حالت دیکھکر) پہاڑ تک کانپ جاتے ہین،

شمعِ آہ دنقلِ درد و بزم من ماتم سرائے
چشمِ پرخون ساغر و خونِ جگر صہبائے من

کہتا ہے کہ میری بزم ماتم سرا ہے، یہان آہ کی شمع اور چشم پرخون کا ساغر اور خون جگر کی شراب ہے،

در دم واکردن یک عقد از بند گیاہ
سنگ بر سر می زند دندان آہن خائے من

یعنی یہ حال اپنی بدنصیبی کا ہے کہ باوجودیکہ میرے دانت لوہا چباڈالنے والے ہین مگر اب یہ حالت ہے کہ ایک گھانس کی گانٹھ کھولتے وقت اپنے سر پر پتھر مارتے ہین،

نیلگون گردید دوش آفتاب از تکیه ام
بسکه هر موگشته کوهستانی از غمهاے من،

کہتا ہے کہ آفتاب میرا تکیہ ہے اور دوش آفتاب کنایہ آسمان سے ہے پس معنی یہ ہوے کہ ہمارے تکیہ لگانے کے بوجھ سے دوش آفتاب نیل گون ہوگیا، میرا ہر موے تن غم کے بارسے برابر ایک کوہستان کے ہے،

منت بازیچهٔ عیسیٰ نکشّم بہر حیات
از کشش مردن بپرس از نفس مرگ آراے من

مطلب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ کا معجزہ (احیاے اموات) اس کا احسان نہ اٹھا، قدر وقیمت مرنے کی میرے نفس مرگ آرا سے پوچھو، ماحصل یہ ہے کہ زندگی فانی اور موت حیات باقی ہے احیات فانی کے لیے حضرت عیسیٰ ؑ کے کھیل (معجزہ) کا احسان نہ لے،

خورد هر دم صد شکست از فوج قدس آشوب حسن
شوق بے هنگام ناز مست ناپرواے من

کہتا ہے کہ فرشتون مین آشوب ڈال دینے والی فوج جس سے میری ناز مست بے پرواکے شوق بے وقت نے سو شکستین کھائی ہین،

شاعر شروان بنداست از مجلس شروان به تنگ
عرصهٔ گیتی بود زندان جان فرساے من

یعنی شاعر شروانی (خاقانی) اپنے وطن شیروان سے تنگ آگیا تھا اور اسکو قید خانہ سمجھ لیا تھا (خاقانی نے ایک قصیدہ مین شروان کو اپنے لیے مجلس سمجھا ہے) اور یہان یہ حال ہو کہ ساری دنیا میرے لیے قید خانہ ہے،

دارو ے درد دل پر درد من ناید ز کس
دست جالینوس بندد چارهٔ سوداے من

یعنی میرے درد دل کا علاج کسی سے ممکن نہین، یہانتک کہ جالینوس سے مشہور طبیب کا بھی میرے علاج کرنے مین ہاتھ بندھ جاتا ہے، یعنی عاجز آجاتا ہے

میرسد صافی دلان را هر سحر در گوش جان
نالهٔ کروبیان از یارب شبهاے من

یعنی مین جو ہر سحر کو یارب نالہ کھینچا کرتا ہون یہ نالہ کروبیون کے (فرشتون کے) گوش جان مین پہنچ جاتا ہے، کان اور کروبیون کی مناسبت ظاہر ہے،

عرفی شیرازی

منکہ مستی کردن از خونِ جگر آموختم
ننگ ہوشم باد گر جز خون بود صہبائے من

کہتا ہے کہ مین نے تو مستی کرنا اپنے خونِ جگر سے سیکھا ہے اگر میری شراب بجز خون کے ہو تو میرے ہوش کے لیے ننگ ہے،

. . . . . .

شاہدِ عصمت تلاش صحبت من کے کند
خون حیض دختر رز جوشد از لبہائے من

کہتا ہے کہ معشوق عصمت میری صحبت کی تلاش کبتک کرسکتی ہے، جبکہ دختر رز کا خون حیض میرے ہونٹون سے جوش زن ہے، مطلب یہ ہے کہ ہر وقت میرے ہونٹ سے شراب لگی رہتی ہے، تقوی و طہارت میری صحبت کیونکر ڈھونڈھے،

منکہ از دل تا دماغم چیدہ خمہائے شراب
کے شوم مخمور و کے خالی بود مینائے من

کہتا ہے کہ مین وہ ہون کہ دل سے میرے دماغ تک شراب کے خم برابر چنے ہوئے ہین، مجھ کو خمار کیونکر ہو سکتا ہے، اور میرا مینا کب خالی ہو سکتا ہے،

فریاد عظیم آبادی

حالتے دارم ز درد دل کہ بر حالم ز درد
سہل باشد گر بدرد آید دل اعدائے من

یعنی حالت میری دردِ دل سے اب یہان تک پہنچ گئی ہو کہ یہ بات بہت سہل اور خفیف ہو کہ باوجودیکہ دشمن میرا، میرے درد دل کو دیکھ کر خوش ہو جاتا ہے مگر وہ بھی دکھ جاتا ہے،

دور نبود گر فرو ریزد درین باغِ طلسم
شبنم خونابہ رنگ از نرگس شہلائے من

یعنی کچھ دور نہین ہے کہ اس باغِ طلسم (دنیا) مین میری نرگسِ شہلا (آنکھون) سے شبنم (اشک) برنگ خون ٹپکے،

. . . .

. . . .

در شکستِ خاطرِ پر جوہرم گردون چراست
زخم سفتن بر نتابد گوہر یکتائے من

یعنی میری خاطر پر جوہر کی شکست مین آسمان کیون کوشان ہے، کیونکہ میرا گوہر یکتا بیدھنے کے زخم کا بھی متحمل نہین،

عرفی شیرازی

مریم من فیض جبریل از مزاج خود گرفت
مریمے را برد بالا ذہن عیسیٰ زائے من

کہتا ہے کہ (مریم ذہن) جبریل کا فیض یعنی نفخِ روح خود اپنے ہی ذہن سے پایا ہے، اور میرے ذہن نے مریم کو یعنی خود بخود بغیر باپ کے بچے پیدا کرنا بالاتر پہنچا دیا،

آن بہشت معنیم کز بعد معزولی ہنوز
خدمت طوبیٰ بود تنگ چمن پیرائے من

کہتا ہے کہ مین وہ بہشتِ معنی ہون کہ معزولی کے بعد مین (یعنی آدم بہشت سے نکالے گئے) ہین اس پر بھی درخت طوبی کی خدمت کرنا میرے چمن پیرا (یعنی طبع معنی آفرین) کے لیے تنگ ہے،

مرحبا اے بادۂ کیفیت روح القدس
کامدی چون عشق در رستی ز سر تا پائے من

کہتا ہے کہ تجھکو اے کیفیت روح القدس کی شراب مرحبا ہے کہ عشق کی طرح اگر میرے سر سے پاؤن تک دوڑ گئی،

من قیامت زارِ عشقم دیدۂ کو تا بنگرد
صد بہشت و دوزخ از ہر گوشۂ صحرائے من

فریاد عظیم آبادی

دور نبود جائے من باشد اگر صدر کمال
جوہر فضل است اصل گوہر آبائے من

یعنی دور نہین ہے اگر میری جگہ صدر کمال مین ہو کیونکہ میرے بزرگون کا اصل گوہر جوہرِ فضل ہے،

در ہوایم چون نسیم آمد برون از باغِ خلد
یکدمے گر بو کند رضوان دم بو یائے من

یعنی میری تلاش مین نسیم کی طرح باغِ خلد سے باہر نکلے اگر دم بھر رضوان میری سانس کی خوشبو سونگھے،

گردنم از بہر طوق تا کسان کے خم شود
چون بفرمانم بود طبعِ عمل فرمائے من

در ہوائے قدسیان گر پر زند از قاف طبع
عقدہا ریزد قضا بر شہپرِ عنقائے من

کہتا ہے کہ مین سراپا قیامت زارِ عشق ہون اگر وہ
انکھین کہان کہ مجھکو دیکھ سکین، سو سو بہشت و دوزخ
میرے صحرا کے ہر گوشہ مین پڑے ہین،

عرفی شیرازی

نفخِ صور آمد بجائے لحنِ داؤدی ہنوز
رقصِ معنی میکند طبعِ سہی بالائے من

لکھتا ہے کہ بجائے لحنِ داؤدی (کہ اعلیٰ درجہ رکھتا ہے)
اب نفخِ صور (جو لحنِ داؤدی سے تفاوت تمام
رکھتا ہے) بدل گیا تاہم میری طبعِ سہی بالا اب تک
رقصِ معنی ہی مین مشغول ہے،

من مطیعِ ملکِ استغنا و لے رانند حکم
دودمانہائے ہوس در ملکِ استغنائے من

لکھتا ہے کہ ہر چند مین مطیعِ ملکِ استغنا ہون مگر حالت
یہ ہے کہ دودمانِ ہوس یعنی ہوس کی جماعت ہمارے
ملکِ استغنا مین حکم جاری کر رہے ہین، حاصل یہ کہ
مین تو دل سے استغنا کا مطیع ہون مگر ہوس نا کی
پھر بھی اپنا حکم جاری کرتی ہے،

دامنِ تر کردہ طوفانی کہ در معنی یکیست
موجۂ دریا و موجِ حلۂ خارائے من

فیاض عظیم آبادی

چون کلیم اندر سخن اعجاز من بر من گواہ
کلکِ من ثعبان و دیوانم ید بیضائے من

یعنی حضرت کلیم اللہ کی طرح میرا اعجازِ سخن اس کا گواہ
ہے، میرا قلم (حضرت موسیٰؑ) کا ثعبان (سانپ) ہے
اور میرا دیوان ید بیضا ہے، یعنی یہی دونون حضرت
موسیٰؑ کے معجزے تھے،

چار بازارِ جہان را گو خریدارے مباش
در دو گیتی کم نہ گردد ارزش کالائے من

یعنی زمانہ کے چار بازار ہین، ہر چند کوئی خریدار
نہ ہو اس فقدانِ خریدار پر بھی میری جنس کی
قیمت کم نہ ہو گی،

. . . .

. . . .

بابِ رحمت بر رخم در ظلمتِ غم باز گشت
قدر دارد لیلۃ القدر شبِ یلدائے من

عرفی شیرازی

کہتا ہے کہ میرے دامن کو ایسے طوفان نے تر کیا ہے
جسکے نزدیک موجِ دریا اور موجِ حلہ خارا ایک
ہے، واضح ہو کہ خارا ایک قسم کا کپڑا ہوتا ہے موجدار
اسی مناسبت سے موجۂ دریا کے ساتھ مذکور کیا ہے،

نور ظلمت را بود یک مایہ در تابندگی
آن ز روئے آفتاب واین یک از سیمائے من

کہتا ہے کہ نور ظلمت کا تو ایک ہی مایہ یا مادہ ہے
چمک مین مگر اس کا نور (نور کا مرکز) آفتاب ہے
اور ظلمت کا مرکز میری پیشانی ہے،

بسکہ در معنی و طفلی بازمی گردم ملک
در حساب بے شمار و غفلتِ فردائے من

کہتا ہے کہ بسکہ حقیقت مین (جون جون میری عمر
بڑھتی ہے) مین عالم طفلی کی طرف کو کھنچا جاتا ہون،
اس لیے میری غفلت روز فردا کو بھی فرشتہ اسی مین شمار کرتا ہے،

آیتِ لا تقنطوا من رحمۃ اللہ شد گرد
مرزبان جبرئیل از شرم عصیانہائے من

کہتا ہو کہ آیتِ لا تقنطوا (نا امید نہ ہو) حضرت جبرئیل کے (لب پہ)
یون ہی رہگئی میری گناہون کی شرم سے،

فریاد عظیم آبادی

یعنی تاریکی غم مین دروازۂ رحمت مجھ پر کھل گیا
میری لیلۃ القدر شب یلدا قابلِ قدر ہے،

. . . . .

. . . . . .

از قصور ہمت اندر کنج تاریکم بہ بند
قدسیان ہمسایہ و عرش برین ماوائے من

یعنی ہمت کی کمی کے سبب سے گوشۂ تاریک مین
قید ہون، مگر فرشتے میرے ہمسائے ہین، اور میرا
گھر عرش برین پر ہے،

دامنِ مقصود را از جذب دل آرم بچنگ
نالۂ من سارباںِ ناقۂ لیلائے من

تا ندارم جائے خود اندر دلِ ارباب جاہ
ہر کجا در بزم گیتی تنگ باشد جائے من

یعنی چونکہ مین ارباب جاہ و ثروت کے دل مین جگہ نہ رکھون اس لیے
دنیا کی بزم مین ہر جگہ میری جگہ تنگ ہے،

چند اشعار ایک قصیدہ کے جو حضرت نے کسی کتاب کی تعریف کے متعلق نظم فرمایا تھا،

قصیدہ

آمد بخندہ غنچۂ مضمون دہن دہن — گل کرد نوبہار معانی چمن چمن
در وصف این حدیقۂ نو جستۂ کمال — دارد کشادہ غنچۂ رنگین دہن دہن
چون کشتِ زعفران چمنش انبساط خیز — بینندہ را برد ز دل پر محن محن
سطرِ مسلسل آمدہ دام نظارہ ہا — مانند زلف سلسلہ مویان شکن شکن
مانند زمین صفحۂ این نامہ لعل خیز — لعلے چہ لعل لعلِ سخنہا یمن یمن
دارد ورق بجدولِ زر زیور زرین — چون دلبران سادہ رخ سیمتن بتن
ہر صفحہ از فروغ مضامین دلفروز — در جلوہ ہمچنان کہ زخال ذقن ذقن
ہر نکتہ اش کہ آمدہ خالِ رخ کمال — دارد ہوائے نافۂ مشکین ختن ختن
آزادہ را بہ بندش نو آورد بہ بند — بندد بیا زوئے کہ بود بے رسن رسن
شمعی است دلفروز کہ بینشوران ازو — روشن کنند شمع معانی لگن لگن
گفتم کنم نثار خیالات نازکش — گوہر کہ لعل نطق صدا ازد سمن سمن
این گونہ کارنامۂ نو طرز راند ید — در سال گرچہ آمدہ چرخ کہن کہن
گفتم زچیزہا بچہ دل خوش کنم بدہر — آمد سخن بگفتن و گفتا بمن بمن
گفتم بعقل کز ہمہ دانش چہ خوشتر است — حرفی بیا مدازد ہنش جز سخن سخن
گفتم زحسن و قبح چگوئی درین سخن — بگرفت نکتہ بر من و گفتا حسن حسن
یابد حلاوتِ سخنش درسخن کہ یافت — از نہر شہد شہد وز نہر لبن لبن

در نامه تا نیافت سخن جائی خویشتن | می جست همچنانکه غریب الوطن وطن
این نامه را بمغز سخن گر نمی رسی | بیهوده از کمال سخن دم مزن مزن
تا از کمین وکین سخن سنج دور باش | خود را بر آتشی که بود شعله زن مزن
این نکته های نغز بر نکته دان بخوان | شکر به پیش طوطی شکر شکن شکن
بی کاد کاو فکر نیابی چو گنج گاو | تا می توان زمین سخن را بکن بکن

مندرجہ ذیل قصیدہ سلمان ساوجی کے ایک قصیدہ کے جواب مین تبدیل قافیہ حضرت نے نظم فرمایا تھا پچیس تیس سال قبل سلمان والا قصیدہ میری نظر سے گذرا تھا جسکا ایک مصرعہ

از پر روحانیان گویا که املا کرده اند

مجھے یاد رہ گیا وہ قصیدہ مین نے اپنی کتابون مین تلاش کیا، نہ ملا ورنہ اس کے اشعار بھی لکھدیتا۔

قصیدہ

نامه را از معنیِ رنگین گلستان کرده اند | دیده را از باغ دانش گل بدامان کرده اند
صفحه از پیشانیِ روشن جبینان گر بود | سطرها از دام زلفِ مشکمویان کرده اند
صفحه را افزوده حسنی از سوادِ سطرها | بر رخ یوسف سیه گیسو پریشان کرده اند
نور معنی شد پدید از ظلمتِ اندیشه ها | روشن از شام این صبح بدخشان کرده اند
نکته هایش دانش آموزد بار بابِ خرد | تا فراهم نکته های نکته دانان کرده اند
برده اند از صاحبِ جهلِ مرکب عیب جهل | این مریض بد مرض را اینک درمان کرده اند
تا دماغِ دیده را رنگین و عطرآگین کنند | نامه را گلدستهٔ دستِ سخن دان کرده اند
از بیاضِ صفحهٔ روشن سوادِ این کتاب | صبحِ خندان را ز خندیدن پشیمان کرده اند

طوطیانِ باغِ دانش تا بکام خود رسند
نامہ را از حرف شیرین شکرستان کردہ اند

شیوۂ شیوا زبانی را روائی دادہ اند
نو زبانان را بحرف نو زباندان کردہ اند

رایتِ کشور کشائی خامہ را بر داشتند
ملک معمورِ سخن را زیر فرمان کردہ اند

پردہ ہاشس نغمہ سنج پردۂ دلہا بود
تارِ این سازِ حقیقت اندگِ جان کردہ اند

تا جہانی بہرہ بردار د بقدر حظ خویش
خامہ را از درفشانی ابر نیسان کردہ اند

خطۂ بیدانشی از دیر باز آباد بود
تا بقربِ تیغ کلک امروز ویران کردہ اند

نوکِ ریزِ خامۂ دانشوران شد ناجہا
تا ز انجم صفحۂ گردون زر افشان کردہ اند

تا جہائے نعز در ہر داشتے آراستند
با یداسبابے کہ سامان گردسان کردہ اند

قصیدہ

پیش تازان راپس افگندند در میدانِ نثر
تا کہ شبدیزِ قلم را گرم جولان کردہ اند

لیکن این نو طرز دانش نامہ نزد اہل فضل
در نگاہ مصریان چون ماہ کنعان کردہ اند

کردہ بیرون چون صدائے گنبد از گنجِ درون
دیگران را زیکہ چون گنجینہ پنہان کردہ اند

دامن بیدانشی در پنجۂ دانش فتاد
آب و آتش را بہم دست و گریبان کردہ اند

نزل خوران ہنر را چون خلیل از ردے فضل
بر سر دستار خوانِ فضل مہمان کردہ اند

کے دو انسان نمائی بہرہ از دانش برد
کز پئے انسان بنائے این دبستان کردہ اند

نیست جز انسان کہ باشد گنج اسرار نہان
ذرہ را گنجینہ دار مہرتابان کردہ اند

نامۂ ما را بذکر شاہ شاہان خوش کند
پای مورے نذر درگاہِ سلیمان کردہ اند

قصیده در مدح مولای دو جهان امیر مؤمنان علیه السلام المسمی به سبحة المؤمنین

قصیده

سرعت طبع روان جلوهٔ یکران من … وسعت کون و مکان عرصهٔ جولان من
ملک سخن دانمم مالک طبل و علم … طبع عطارد رقم صاحب دیوان من
دبدبهٔ خسروی کوکبهٔ کسروی … یافته از سرنوی خاص بدوران من
صبح سعادت سطوع طالع دولت طلوع … مطلع دانش طلوع اختر تابان من
کوکبهٔ من به بین نور ظفر بر جبین … آیهٔ فتح المبین آمده در شان من
خصم کر بر خود تند لاف شجاعت زند … تیغ و سپر افگند در صف میدان من
نعرهٔ من در مصاف و شکن کوه قاف … سینه گردون شگاف ناوک افغان من
خصم من دلفگار گر بود اسفندیار … خامهٔ خنجر گذار رستم دستان من
راز طلسم فسون واد دل من برون … خندهٔ صبح جنون چاک گریبان من
نسخهٔ آزادگی خوانده ام از سادگی … دانش دلدادگی درس دبستان من
دفتر فرزانگی ابتر مستانگی … کشور دیوانگی خطهٔ یونان من
جاده به رقص آورد ناقه بمنزل برد … پردهٔ محمل درد بانگ حدی خوان من
سوز دل آتشین سوخته جان حزین … کورهٔ حداد بین سینهٔ سوزان من
طعنه بعمان زند خنده به نیسان زند … پنجه بطوفان زند دیدهٔ گریان من
گوهر یکدانهٔ جوهر شاهانهٔ … زیور جانانهٔ قطرهٔ نیسان من
تا بجواب الست آمده ام چیره دست … فکر سخن داده است دست به پیمان من

از گهر من خرد جوهر دانش جزد | باد مسیحا خورد نکهت بستان من

دانش[10] یونانیان حکمت ایمانیان | دولت ساسانیان مایه همیان من

مرغ همایون بدام بادهٔ گلگون بجام | گردش گردون بکام بزم حریفان من

کیست[11] مکین و مکان چیست زمین و زمان | نیست بدین و بدان روی مریدان من

هست مرا سینه سینهٔ بی کینه | سینه چه آئینه صورت جانان من

رنگ[12] کدورت ربود آئینهٔ دل زدود | صورت معنی نمود صیقل برهان من

خط[13] وجود و عدم دائره سرمدم | نقطه نمای قدم سطح امکان من

طائر سدره آشیان ریخته بال توان | دیده برون از مکان اوج طیران من

طبع[14] که نقاد ماست گنج معانی مراست | معدلت لفظهاست کفهٔ میزان من

گرچه[15] پدر بر پدر هست بیگی شمر | پایه فضل و هنر منصب شایان من

مرجع شاهان بدند ملک پناهان بدند | فیض نگاهان بدند جمله نیاگان من

لیک ازین فخر و ناز کرد مرا بی نیاز | ذرهٔ سوز و گداز گنج فراوان من

بکر سخن از نخست صحبت طبعم بجست | شوخی مضمون چیست جلوهٔ جانان من

تیغ[16] و ترنج آورد پردهٔ عالم درد | تا کف یوسف برد ترک ستمران من

دوری آن ماهرو درد دل مهر جو | وصل دلارای او نسخهٔ درمان من

زهرهٔ هاروت فن یوسف عیسی دهن | خندهٔ او بی سخن برق نیستان من

گر بچمن بگذرد رونق گلشن برد | پیرهن گل درد نوگل خندان من

گلشن طبعم از او یافته این رنگ و بو | طلعت زیبای او صبح بهاران من

دست ندارم از او دست و من جیب او | در کف آن فتنه جو گوشهٔ دامان من

معنی سربستهٔ غیرت گلدستهٔ   مصرع برجستهٔ سرو خرامان من
صفحهٔ من یکقلم غیرت باغ ارم   صرف وخط خم بخم سنبل وریحان من
[17] بزم دوگیتی بدان انجم رانشان   گنبد نه آسمان سرو چراغان من
[18] بیخ زمین برکنم پشت فلک بشکنم   بندهٔ حیدرستم فدیهٔ او جان من
شاه ولایت مآب درکف او فتحیاب   یافت ازو آب وتاب جوهر عرفان من
[19] مهرهٔ دارم ز گل مهر ومه از وی خجل   گوهر نایاب دل حاصل عمان من
[20] نفی مرادمن ست نقد دو عالم بدست   نفس زبون راشکست فتح نمایان من
[21] ناقهٔ زمن منفصل یار بمن متصل   بدرقه جذب دل خضر بیابان من
در نظر حق پرست نیست جز او هرچه هست   گرد دوئی کی نشست بر رخ جانان من
نفس که چون اژدهاست درکف دستم عصاست   طبع که فرمان رواست بندهٔ فرمان من
سیل مرادجهان چون خس وخاشاک دان   زورق نه آسمان غرقهٔ طوفان من
سیف سخن پروران درصف کند آوران   گوی سر سروران درخم چوگان من
[22] ازدم صبح ظهور تا سر شام نشور   محو تجلی طور موسی عمران من
نقش ونگار ارم نادره کار ارم   رنگ بهار ارم صرف گلستان من
[23] پیکرم از سوز دل شمع صفت مشتعل   نیست ازین آب وگل طینت انسان من
[24] دم ز تجلی زند رنگ سحر بشکند   صبح وطن گل کند شام غریبان من
[25] زینت بزم سخن رونق بازار فن   رفت ازین انجمن همره یاران من
ناله زار آورد گریه بکار آورد   گر بشمار آورد داغ عزیزان من
گاه به جیحون رود گاه به هامون دود   گاه به گردون شود فکر پریشان من

گر زتپش دم زند برق بعالم زند　　　　عالمے برہم زند خاطر نالان من

قیصر جم احتشام خسروِ کسری غلام　　　　جن و ملک را امام باب امامان من

اختر برج را شرف گوہر جان را صدف　　　　شاہ سریر نجف سرورِ دوران من

حضرت کا قصیدہ بالا بہت طویل ہے، مین نے بلا انتخاب مختصر سے شعر یہان لکھدیئے ہین، مجھ کو خیال ہے کہ حضرت نے یہ قصیدہ بجواب سلمان ساوجی کے لکھا تھا، لیکن افسوس ہے کہ میرے پاس جو قصائد سلمان کے ہین، ان مین یہ قصیدہ بھی نہ مل سکا، ورنہ اس کے ساتھ تقابل کیا جاتا: بظاہر یہ قصیدہ حضرت کا فخریہ معلوم ہوتا ہے، اس مین آسمان و زمین کے قلابے ملائے گئے ہین، لیکن چونکہ یہ قصیدہ منقبت مین ہے، یہ جتنے اشعار فخریہ دکھائی دیتے ہین، اس سے اپنے ممدوح کی شان دکھانا ہے، جیسا کہ اشعار فخریہ کہتے کہتے ۱۸ کے شعر مین آپ نے فرمایا ہے کہ بندۂ حیدر منم، الخ، اور اگر یہ خیال کیجئے تو اس شعر کو مخلص بھی سمجھ سکتے ہین، گو کہ اس کے بعد کے اشعار بھی بظاہر اپنی شان مین معلوم ہوتے ہین، اگرچہ سارا قصیدہ بے انتہا فصیح و بلیغ واقع ہوا ہے، لیکن ان شعرون کا جنپر مین نے نمبر دے دیئے ہین، جواب ہی نہین ہے،

شعرے چند از قصیدۂ غرا انجناب در نعت سرورِ کائنات

زمین دیر سیت دیرین آسمان پیر سیت ویرانی　　　　ازین دیر و زویرانی نہ بینی جز پریشانی

بود آب و گل این خانۂ دل تنگی و ناکامی　　　　کہ ہست این خاکدان زندان و ہستیم زندانی

زناہنجاری این سفلہ پرورکے شگفت آید　　　　اگر دیوے در انگشت آورد مہر سلیمانی

بامیدِ ثمر چیدن نہ بندد دل بدو عاقل　　　　ندارد نخل گیتی برگ و بارے جز پشیمانی

بہارِ باغِ نیرنگش ندانم تا چہ گل کردہ است　　　　کہ شد آئینۂ گردون سراپا چشم حیرانی

بپابندِ خیالِ گیسوے ماند گرفتارش — کہ چون زلف پریشان نیست کارش جز پریشانی
بگیرد کاسۂ سر در بہائے ساغر آبے — بہ نانے جانِ جہانے طمع دارد بہ مہمانی
اثر پے گم کند در وادیِ دردِ دل آزارش — زمین با آسمان دوزد مسیحا گر بہ درمانی
ازین مے خانہ مدہوشے کہ خواہد جام خود کامے — بکامش خونِ دل ریزد بجائے راح ریحانی
بگارے عقدہ گر افگند نکشاید کز و بستی — کہ بیکار است اینجا ناخن تدبیر انسانی
شناسے بحر پر شورش نیارد بازوئے دانش — کہ اینجا کشتی عقل فلاطون ست طوفانی
نہ بند دل بہ بعد از شکستن صورت بستن — ازان دو ریکہ بشکستند قفل گنج پنہانی
کشود عقدۂ نیرنگ عالم از خرد تا بد — کہ حرفے از کتابش بر نتابد فہمِ انسانی
چنان از پا در اندازد کہ دیگر سر نہ برداری — دہد کن درد بے درمان کہ از ہر چارہ درمانی
بدانش در نیابد فلسفی ماہیتِ عالم — کہ دید این مرغ را صید عقاب عقل انسانی
دلِ آزادہ را بارِ تعلق سرگران دارد — نیابد از سبک روحان چو بوئے گل گران جانی
رموزِ حکمت واجب نداند کس بدانائی — کہ این دانش برونست از حدِ امکان امکانی

مذکور الصدر قصیدہ کے ساٹھ ستر شعر ہین، اس قصیدہ کے مطلع پر خیال کرنا چاہئے کہ کس قدر فصیح و بلیغ ہے جسکا ترجمہ یہ ہے، کہ زمین ایک بہت پرانا دیر ہے (دیر بر وزن غیر اس عبادت گاہ کو کہتے ہین کہ تارکِ دنیا نصاری صحرا مین عبادت گاہ بنا کر تاعمر قیام کرتے تھے،) اس دیر سے بجز پشیمانی کے کچھ حاصل نہین ہو سکتا جن لوگون کو فارسی زبان کا مذاق ہے اس مطلع کی سلاست اور نمک کچھ وہی صاحبانِ مذاق سمجھ سکتے ہین، دوسرے شعر مین یہ بتایا گیا ہے کہ اس دیر کی آب و گل کی بنیاد دل تنگی اور ناکامی پر رکھی گئی ہے، یہ دیر ایک قید خانہ ہے، اور ہم لوگ اس مین قیدی ہین،

چند شعر مندرجۂ ذیل اس قصیدہ کے ہین جسکو لارڈ ہارڈنگ سابق گورنر جنرل ہند کی شان مین حضرت نے نظم فرمایا تھا، اور لارڈ صاحب کے پہلے دربار عام مین پڑھکر سنایا تھا جسپر حاجی آغا مرزا صاحب شیرازی نے جو بڑے نقاد سخن اور اپنے وقت مین ملک التجار تھے جنکے فرزند حاجی مرزا عبدالکریم اپنے عہد کے مشہور و معروف اور بڑے ذی عزت تاجر کلکتہ مین تھے، کھڑے ہوکر سر دربار یہ کلمہ فرمایا تھا کہ جس زبان مین یہ خیر مقدم اس وقت سنایا گیا ہے اسکی لذت کوئی اہل عجم کے دل سے پوچھے،

واضح ہو کہ یہ لارڈ ہارڈنگ پدر بزرگوار تھے ان لارڈ ہارڈنگ کے جو ۱۹۱۱ء سے ۱۹۱۵ء تک ویسرائے ہند رہے،

روزے کہ پا نہاد برادرنگ و بار داد ۔۔۔ گردون صلائے خرّمی روزگار داد
در فصل برگ ریز حوادث بجائے یاس ۔۔۔ نخل امید حسرتیان برگ و بار داد
جان را بکام لذت جان بخش آب خضر ۔۔۔ دل را نشاط خندۂ صبح بہار داد
در چشم بخت خطہ بمیل نگاہ تند ۔۔۔ ہر چند سرمہ داد و لے از غبار داد
روزیکہ بہر داد و بدلہا ز عیش نقد ۔۔۔ اندوہ را برات بروز شمار داد
ایثار دوستان دہن خندہ ریز کرد ۔۔۔ چشم حسود را مژۂ اشکبار داد
صبحے کہ با مبارکی مقدمش دمید ۔۔۔ دل را بدیدہ جلوۂ روئے نگار داد
از فیض نکہت نفس مشک بار اوست ۔۔۔ سنبل کہ بوے کاکل مشکین بار داد
زانوئے چرخ فوج بلا بر زمین بریخت ۔۔۔ تا سرحد ممالک خود را قرار داد
باید بشکر آن گہر جان نثار کرد
بیدار دولتی کہ ہما کردگار داد

قصیدهٔ بر نهج تقریظ کتاب امیر نامه مصنفهٔ وزیر السلطان فخر الملک نواب سید امیر علیخان مرحوم

کو نسیمی که دهد رونق بازار سخن — مژدهٔ فصل گل آرد بچمن زار سخن

که برد غنچگی از لب که زند خنده چو گل — تا زنم از گل تر طره بدستار سخن

چیست دستار سخن طره ثنائی یزدان — که بود سرورق دفتر گفتار سخن

چه نسیمی که نسیمی ز ریاض توفیق — تا کشایم بسپاسی لب اظهار سخن

اندرین روز که از نکته وران نیست کسی — که زند حرف بوصف کم و بسیار سخن

طرفه زیبا رقمی در نظرم جلوه نمود — که پدید آمده زو رونق بازار سخن

نوک ریز قلم صاحب دیوان که کشود — بهر ارباب سخن دست بایثار سخن

خامه از نامه زر دست فشار است بدست — طبع از فکر درست آمده معیار سخن

از لب شاه مخاطب بوزیر السلطان — که بمدحش ورقی آمده طومار سخن

رونق نظم سخن حسن بیانش افزود — معنیش آمده گلگونهٔ رخسار سخن

دلکشا نامه که هر گونه سخن گرد آورد — هست گویا صدف گوهر شهوار سخن

گرمی تشنهٔ ادراک رساند بدماغ — که ازین باده کشد ساغر سرشار سخن

صفحه ها خاور خورشید معانی بلند — ورق نامه بود مطلع انوار سخن

صیقل فکر صحیحی که بدستش دادند — زنگ بر دست ز آئینهٔ زنگار سخن

رسد البته بکیفیت ذوق ثمرش — که خورد از شجر طبع رسا بار سخن

پئے ایثار که بر نکته وران افشاند — باز کرد دست در گنج گهر بار سخن

دانش معرفتِ عیب و صواب آموزد — برد از بوالهوسان بیهده پندارِ سخن
حرفهای کجِ آن نامه بناخن ماند — که ز دل باز کند عقدهٔ دشوارِ سخن
نقطه ماند بسویدای دلِ روشن ماه — که بود مردمِ چشم اولی الابصارِ سخن
کی بتعریفِ سخن بند زبان گردد باز — که ندارد سخنِ وصف سزاوارِ سخن
بحریفان تهی مایه ز نقصانِ کمال — نقد دانش دهد این صنعتِ پرکارِ سخن
آبگون تیغ که زخمش بعدا و انرسد — چه زند دم بدمِ خنجرِ خونخوارِ سخن
سهل و دشوار بسے کار که رو بنماید — هیچ کارے بنود صعب تر از کارِ سخن
نکتهٔ هر هنرے نکته ورے می طلبد — هست از ان روی سخن سوئے طلبگارِ سخن
نام شاهان که گذشتند بذکرست بلند — مگر این کاخ برافراختهٔ معمارِ سخن
نکته سنجان که ز هستی بعدم رخت کشند — جاودان زنده بمانند بتذکارِ سخن
از خرد نیست که گویند دو گیتی ارزش — هست این جنس گرانمایه که در بارِ سخن
پنج گنجینهٔ بخشش پرکاهی باشد — هر که دارد بکف اندر زرِ دیدارِ سخن
آب آبِ خضر و باد بود بادِ مسیح — از پیِ تربیتِ نخلِ ثمر دارِ سخن
بنجو و افتد بتجلیِ جمالِ معنی — چشم بینا که دهد دیده بدیدارِ سخن
بمثل فاصلهٔ شبه بود تا بگهر — از خریدار گهر تا بخریدارِ سخن
سست نظم از چه نهد پای بجولانگهِ لاف — مرد این عرصه بود فارس مضمارِ سخن
از حریفانِ سخن دان که ز ندلاف کمال — سر بسیار شد اندر سرِ انکارِ سخن
نکهت روضهٔ فردوس رساند بدماغ — نفحهٔ نافه نثارِ گلِ بنجارِ سخن
عاقبت ز کوشیدن بیصرفه چه سود — تا گرا یار شود دولت بیدارِ سخن

چند حرفے کہ بوصف سخن آمد بلبسم | داند آنکس کہ زند دست بطومار سخن
نکہت روضۂ فردوس بنوید رضوان | نفحہ گیرد اگر از طبلۂ عطار سخن
من کہ باشم کہ لب وصف سخن باز کنم | کس نیارد کہ زند لاف بمقدار سخن
پیشتر تاختمے لیک سر نظم دگر | دست برزد بعنان گیری رہوار سخن

اشعارِ مناجات بدرگاہ قاضی الحاجات

آن سیہ رویم کہ با آئینہ چون گردم دوچار | از سواد عکس من آئینہ گردد پر غبار
از کدامین لفظ خواہم عذر تقصیر ای خدائے | رویم از روئے حروف نامہ آمد شرمسار
نامہ یعنی نامۂ کردار ناہنجار من | آنکہ در میزان نہی آن نامہ را در روز بار
گر فتد عکس تن لرزان عصیان زای من | تن بلرزیدن دہد آئینہ ہا سیماب وار
پائے رفتار من اندر وادئ گم گشتگی | گشتیم در چار موج بحر عصیان بیقرار
دارو ئے این درد بے درمان ندانم چون کنم | بادعصیان میگزد دل را چو مار شاخدار
نالہ ہمدم با دلے پر داغ چون نکہت بگل | اشک خون با چشم چون شبنم بنرگس ہمکنار
وائے غفلت ہمرہ من رہزن و من خفتہ پائے | در شب تاریک افتادم بدست غول زار
دست من بے زاد راہ و منزل مقصود دور | در گذرگاہ جہان چون من نباشد رہگذار
یا الٰہی رحمتی بر زار نالیہائے من | بندۂ چون من نباشد شرمسار و سوگوار
ہر نفس دامن زند بر آتش حرص ہوا | تا زبانش در من افتد چون شرر در پنبہ زار
سایۂ ابر کرم گر از تو افتد بر سرم | میرد این آتش مگر از آب چشم اشکبار
وصف آمرزید نت آمد ز عصیان در ظہور | اے جمال رحمتت را جرم من آئینہ دار

مشت خاکی بوده ام در ودیعۂ جان پاک — گنج اسرارم سپردی ساختی گنجینه دار

برنگردد کس بنا امیدی ز درگاہ کریم — من چرا محروم گردم از در پروردگار

ناکسم را کس نمودی پست را کردی بلند — خوار را کردی عزیز و گل دمانیدی زخار

کار من لغزیدن و کار تو بخشیدن بود — بندہ عاصی من و تو خواجۂ آمرزگار

سینۂ ما را کنی از فضل داغستان عشق — اینکه آتش را براہیم کردی لاله زار

اے توانا ده بدست ناتوانم نیروے — تا بدان نیرو دہم این نفس سرکش را فشار

جرعۂ میخواہم از خمخانۂ فیضان تو — تا زنم ہوی که در مستی در آید ہوشیار

اخگری از مجمر سوز محبت بر فروز — تا زنم آتش که خاکستر شود این پنبه زار

در ریاض زندگانی نخل نادانی من — جز پشیمانی نیاورد و نیارد ہیچ بار

کشتۂ کردارہائے من ندارد حاصلی — فکرہا در کار خود چندانکه می آرم بکار

گر ننالم پیش تو پیش که نالم خود بگو — تو خداوند من و من بندۂ ناکرده کار

شوق دیدارت چنان از من برد صبر و شکیب — کز نوید وصل گردد جان عاشق بیقرار

لوح ترکیبم بپردازی ز نقش ماسوا — بر زبان ذکر تو و در دل فکر تو گیرد قرار

جامۂ جاوید ہستی تا به بخشی در برم — این قبائے مستعار من بگردان تار تار

خاک ناپاک مرا کن پاک اے یزدان پاک — کوه گردانی زکاه و نور گردانی زنار

تا در فضل و کرم را باز گردانیده — بر نه گردید و نگردد نا امید امیدوار

بر مس خاک وجودم طرح کن اکسیر فضل — تا زرم زین بوته بیرون آورد کامل عیار

مر ترا ایک بندۂ چون من نباشد پر گناه — بندہ را چون تو نباشد خواجۂ آمرزگار

کے رسد پایم بسر منزل بپا مردی خویش — گر نباشد خضر توفیق تو مارا دستیار

ذکرِ پاکان وردِ من کن در تنم تا جان بود　　خاکپائے مقبلان کن چون تنم گرد و غبار

با فروغِ عشقِ تو از ظلمتِ عصیان چه باک　　برق باشد در شبِ یلدا دلیلِ رہگذار

دستم از شرم گنہ کوتہ ز دامان شفیع

ہیبت عصیان گلوگیرم ز حرف زینہار

مثنوی

ازجملہ اقسام نظم مثنوی بھی ایک قسم ہے پختہ کار شاعر کی معیار کمال کی یہی تین قسمین نظم کی ہین، غزلین، قصیدے، مثنوی، مثنوی کے دونون مصرعے بطور مطلع غزل وقصائد کے ہونے ضرور ہین کہ دونون مصرعون مین اعانت قافیہ کی ملحوظ رہے مثنوی کا ہر شعر گویا مطلع ہے، مثنوی کے شعر کم سے کم دو ہونے چاہئین، اور زیادہ کے لیے کوئی حد مقرر نہین ہے اور نہ کسی بحر کی قید ہے لیکن اکثر اساتذہ نے مثنوی کی بحر مسدس رکھی ہے، اور بحر رمل یا بحر ہزج وغیرہ مین نامی مثنویان چونکہ لکھی گئی ہین اسلیے مشہور ہو گیا، کہ مثنوی کے لیے بھی بحرین مخصوص ہین، حالانکہ ایسا نہین ہے، یہ ایک قطعہ مشہور ہے،

در شعر سہ تن پیمبرانند　　　قومے است کہ جملگی برانند

ہر چند کہ لانبی بعدی　　　فردوسی و انوری و سعدی

یعنی تین باکمال پیغمبر سخن ہین، سب کا اس پر اتفاق ہے، ہر چند کہ حدیث ہے لانبی بعدی یعنی میرے بعد کوئی اور پیغمبر نہ ہوگا، وہ تینون پیغمبران سخن، فردوسی، انوری اور سعدی ہین، کسی نے کہنے والے سے کہا کہ نظامی گنجوی کو تم نے کیون چھوڑ دیا، اس نے جواب دیا کہ پیغمبر کا تو دوسرا درجہ ہے اور وہ تو خدائے سخن ہے، شیخ نظامی کی دیگر اصناف نظم یعنی قصیدہ وغزل وقطعہ وغیرہ بھی اپنے مرتبہ مین کچھ کم نہین ہین، مگر خدائے سخن ہونیکا رتبہ صرف ان پانچون مثنویون کی بدولت جنکو لقب بنظر ان مثنویون کے بلند مرتبہ ہونے کے پنج گنج (پانچ خزانہ) کا ملا شیخ نظامی کی طرح امیر خسرو نے بھی پانچ مثنویان نظم کین، چنانچہ ان مثنویون کو بھی لقب پنج گنج کا

نقادانِ فن نے دیا اور حق یون ہے کہ باوجود اس تبحر کے جو امیر کو اس فن مین حاصل تھا اور باوجود اس کثرت و افراط اقسامِ نظم کے اگر امیر خسرو یہ مثنویان تصنیف نہ کرتے تو اہل زبان ایرانی اساتذہ امیر کو ایسا بلند مرتبہ نہ جانتے اور اپنے ایرانی اساتذہ پر ترجیح نہ دیتے، شیخ نظامی اور امیر خسرو کی ریس پر اکثر باکمالون نے پنج گنج لکھنے پر کمرِ ہمت باندھی بعض نے تمام بھی کیا، مگر وہ درجہ حاصل نہ کر سکے، البتہ جس طریقہ کے ساتھ ملک الشعرا فیضی فیاضی نے اس کا قصد کیا تھا، جنمین کی ایک مثنوی نلدمن ہے، اور جیسا کہ ابوالفضل نے اور اور نام بھی گنوائے ہین، اگر یہ مثنویان بھی پوری ہوجاتین تو ضرور شہرت پاکر پنج گنج کا لقب پاتین، پنج گنج لکھنے پر ملا ہاتفی نے بھی بڑے شد و مد سے کمر باندھی بلکہ جہان تک میری نظر سے گذری مثنوی لیلی مجنون ضرور ہر اعتبار کرکے اچھی لکھی، کہہ سکتے ہین کہ امیر خسرو والی مثنوی کے ٹکر کی ہے، یہ غریب عنوانِ مثنوی مذکور مین اس بات کا رونا رویا ہے کہ امیر خسرو جب اپنی مثنویان تصنیف کرنے بیٹھے تھے تو باہمہ دولت وجاہ و حشم دو سوہِ ہند وانکی راحت و آرام ہی کے لئے ہر وقت کمربستہ تھے، مگر جب مین یہ مثنوی لکھنے بیٹھا تو دولت وجاہ و حشم کجا اکثر راتون کو چراغ کا تیل تک میسر نہ ہوتا تھا تاہم چونکہ دل نہ مانتا تھا، سیکڑون شعر ایسے موقع مین راتون کو کہتا تھا اور دن کو بھول جاتا تھا، اگر یہ افلاس دامنگیر نہ ہوتا تو کچھ شک نہین کہ مین بھی پنج گنج تمام کرتا، بعض اساتذۂ شعرا نے باوجود پنج گنج تمام نہ کرنے کے بھی ایک ہی دو مثنویان لکھکر ویسی ہی شہرت پائی جیسی کہ شیخ نظامی نے، بلکہ کہہ سکتا ہون کہ فردوسی نے شاہ نامہ کی بدولت اس قدر عالمگیر شہرہ حاصل کیا کہ شاید شیخ نظامی سے بھی بڑھ گیا، حقیقت مین کام بھی ایسا ہی کیا ہے، شاہ نامہ مین خدا جانے کس کثرت سے مختلف لڑائیان اور مختلف اس کے سامان ہین، لیکن سب مضامین کے پیرائے الگ الگ ہین، غالبًا اسی بناپر کسی نے شیخ سعدی کی مثنوی بوستان

کے اشعار سنکر اک گونہ سچا اعتراض کیا تھا جس پر حضرت بہت جھلا گئے ہین، اس اعتراض کو نظم کرکے ضمیمہ مثنوی مین کیا ہے، چونکہ انھین کی زبان سے یہ اعتراض لطیف معلوم ہوتا ہے مین اسکی نقل درج کرتا ہون، ؎

شبے زیت فکرت ہمی سوختم — چراغ بلاغت برافروختم
پراگندہ گوئے حدیثم شنید — جز احسنت گفتن طریقے ندید
ہم از خبث نوعی دران درج کرد — کہ ناچار فریاد خیزد ز درد
کہ فکر بلیغ است ورایش بلند — درین شیوۂ زہد وطامات وپند
نہ در خشت وگوپال وگرز گران — کہ این شیوہ ختم است بر دیگران

جھلا کر کہتے ہین ؎

نداند کہ مارا سر جنگ نیست — وگرنہ مجال سخن تنگ نیست
توانم کہ تیغ زبان بر کشم — جہان سخن را قلم در کشم
بیا تا درین شیوہ چالش کنم — سر خصم بر سنگ مالش کنم

اس لکھنے سے غرض یہ ہے کہ شیخ سعدی ایسے ذی اخلاق بزرگ بھی اپنے برخلاف بات سنکر (ہرچند کہنے والے نے جھوٹ نہین کہا تھا) ناراض ہوگئے لیکن تدارک اس کا معقول نہ کرسکے،

الحاصل مثنوی کا پایہ بھی اصناف نظم مین مہتم بالشان ہے، یون مثنوی بہت لوگون نے کہی مگر بجز چیدہ مثنویون کے کسی مثنوی نے چندان شہرت نہ پکڑی، سبب اس کا یہی ہے کہ اگر اور ادر خارجی اسباب مانع شہرت نہ ہوئے ہونگے تو خود مصنف نے مثنوی کے پورے حق ادا نہ کئے ہونگے، اصناف نظم مین مثنوی ہی وہ صنف ہے کہ شاعر اگر عمر بھر

مثنوی کے کوئی دوسری صنف اختیار نہ کرے تو اسکی شہرت کمال کے لیے وہی کافی ہے، اگر یہ بات کسی اور قسم نظم کو میسر ہے تو وہ غزلون کو حاصل ہے، مثنوی مین نہایت ضرورت اسکی ہے کہ سلجھی ہوئی زبان اور سلیس عبارت، دل پسند محاورے اور قافیے چست ہون، یہ وہ باتین ہین کہ اگر مضمون سست بھی ہو تو نبھ جا سکتی اگر یہ نہین تو چاہے مضمون کیسا ہی اعلیٰ درجہ کا ہو مگر مٹی ہو جاتا ہے، اسمین بھی کل اہل فارس کامیاب نہین ہوئے ہین، باوجودیکہ سب کی کوشش یہی رہی کہ سلاست و فصاحت و برجستگی ہاتھ سے جانے نہ پائے،

فیضی فیاضی کس پایہ کا شاعر ہندوستان مین گذرا ہے کہ تذکرہ نویسان فارس بھی یہی کہتے ہین کہ

"در فارسی دانیش شکے نتوان کرد"

واقعہ بھی یہی ہے کہ یہ شخص اسی پایہ کا تھا، مثنوی نل دمن اسکی دیگر مثنویون کی نسبت بہت بلند پایہ ہے، بعض شعر تو ایسے برجستہ ہین کہ اساتذۂ اہل فارس سے کم نہین ہین، چنانچہ کہتا ہے،

نل گفت کہ اے طبیب نادان رنجم مفزائے با مداوان

آگاہ نۂ تپ درون را نشتر چہ زنی رگ جنون را

لیکن اگر ساری مثنوی ٹٹولی جائے تو بعض ایسے شعر بھی نکلین گے کہ ہندوستان کے کایستون کی فارسی کا نمونہ بنجاتے ہین، مثنوی کی پرکھ صرف تین چار سو شعرون سے نہین ہوتی ہے، کم سے کم دو ہزار اشعار تو ہر قسم کے مضامین کے ہون، حمد و نعت سے لیکر خاتمہ تک کوئی فرق نہ پایا جائے، یہی معلوم ہو کہ ایک ہی قلم اور ایک غور کا نتیجہ ہین، فی الحقیقت مثنوی ایسی نازک اور مشکل چیز ہے، کہ جب ملا ہاتفی نے بجواب خمسۂ حضرت امیر خسرو خمسہ کہنے کا ارادہ کیا تو اپنے کہنہ مشاق ماموں ملا عبدالرحمن جامی سے اجازت چاہی، ملا نے تامل کرکے کہا کہ اگر فردوسی کے ہجویہ اشعار کے قطعہ کا جواب کہہ لاؤ، تو مین اجازت دون، وہ قطعہ یہ ہے

درختے کہ تلخ است وے را سرشت — گرش بر نشانی بہ باغ بہشت
در از جوئے خلدش بہنگام آب — بہ بیخ انگبین ریزی و شہد ناب
سر انجام گوہر بکار آورد — ہمان میوۂ تلخ بار آورد

اب دیکھنا یہ ہے کہ اس بوڑھے پختہ کار نے اس قطعہ مین کونسی بات ایسی پائی تھی جسکے جواب نظم کرنے پر خمسہ ایسی چیز کے نظم کرنے کو منحصر کر دیا، فردوسی نے تو یہ دکھایا ہے کہ جس درخت کی سرشت مین تلخی ہے، اگر وہ درخت باغِ بہشت مین بھی لگایا جائے، اور آب نہرِ جنت اور شہد خالص سے بھی سینچا جائے، لیکن پھل اس کے تلخ ہی ہونگے اور اپنی خصلت اصلی ظاہر کرینگے ظاہر ہے کہ ملا ہاتفی نے جواب لکھنے مین کتنی کوشش کی ہوگی، آخر نو شعر کا ایک قطعہ کہا تو سہی، مگر جب اسکو پڑھئے تو فوراً فردوسی کے اس قطعہ پر نظر دوڑ جاتی ہے، اور معلوم ہو جاتا ہے کہ اسکی تقلید کی ہے، اور گو کہ اپنی جگہ عمدہ ہے، مگر بمقابلہ پھیکا پڑ جاتا ہے، افسوس کہ ملا ہاتفی کی مثنوی لیلی مجنون کی شرح میرے پاس اس وقت نہین ہے، جسمین پوری نقل درج ہے، پہلا شعر یاد رہ گیا ہے،

اگر بیضۂ زاغ ظلمت سرشت — نہی زیر طاؤس باغ بہشت

پھر اس درخت اور آشیانہ کے تنکون کے اوصاف بیان کئے ہین، نوین شعر مین نتیجہ نکالا ہے کہ آخر اس انڈے سے کوّے ہی کا بچہ نکلیگا، ایک قباحت بھی ہو گئی ہے کہ ہر شعر مین انڈا لائے ہین، جامی نے کہا اگر چہ در ہر بیت بیضہ نہادہ مگر اجازت ہست، ملّا جامی اسی بات کے متلاشی تھے کہ دیکھون اس جوان کی پرزور طبیعت اسکو راہ پر رہنے دیتی ہے یا بھکا دیتی ہے،
چنانچہ جو سوچا تھا اسکا ظہور ہوا،

غرض مثنوی نہایت ہی مشکل صنف ہے، ہم کہہ سکتے ہین کہ ہمارے حضرت نے جس کثرت

سے مثنویاں کہیں شاید اتنی اور کوئی قسم نہ کہی ہوگی، فرض کرو دل دمن ملاحظہ کرنے لگے تو اسی انداز مین دو چار سو شعر کہکر دریا بہا دیا، اگرچہ لگ گیا تو پوری کر کے چھوڑی ورنہ کسی اور مثنوی مثلاً سبحۃ الابرار، یوسف زلیخا، مثنوی ہاتفی وغیرہ وہ کونسی مثنوی ہے جس طریقہ مین یکڑون شعر کہے ہون، البتہ اس مثنویان پوری اور رحیم و مکمل ہوئین جنمین سے یہی چند مثنویان باقی ہین جنمین کے تھوڑے تھوڑے اشعار مین ذیل مین نقل کرتا ہون،

"این مثنوی ایست کہ مشتمل است بہ قصہ ہائے عدالت گستری پیشین سلاطین وآغازش از مدح مسٹر ہنری ٹارنس ایجنٹ نظامت عالیہ مرشدآباد کردہ"

گوہر تاج سر نام آوری	جلوۂ خورشید بلند اختری
صولت او زہرہ شگاف یلان	ہیبت او دل شکن پُر دلان
جان حلاوت نمک خوان او	شاہ گدا بندۂ احسان او
گرز کفش رنگ نبردی سحاب	رنگ شکستے بہ رخش آفتاب
ناطقہ را تازہ بیانی ازو	تازگی باغ معانی ازو
چرخ یکے توسن چالاک او	مہر یکے سرمہ کش خاک او
منتظر گوشۂ چشمش امید	بر در او دیدۂ حسرت سفید
ذرہ کہ منظور نگاہش بود	ہمسر خورشید کلاہش بود
در نظر او ہمہ ہشیار و مست	آئینۂ حیرت وصفش بدست
بلبل گفتار بگفتن ازو	غنچۂ لبہا بہ شگفتن ازو
تا کہ برآید بہ سریر وجود	پایہ کہ صدر امارت فزود
دیدۂ اقبال ازو سرمہ بست	دولت ازو نقد سعادت بدست

آئینهٔ فکر صفائی گرفت　　رشتهٔ اندیشه رسائی گرفت

آئینه صورت همه وصّاف او　　حیرتیان در دم اوصاف او

نور جهان بین جهان روی اوست　　نکهت گلزار جنان خوی اوست

منکه زدم سکّه به ملک سخن ،　　یک نظر تربیت از وی بمن

شعرے چند از مثنوی که بحسب فرمائش مولوی احمد کبیر مرحوم سابق امین مدرسه عالیه کلکته نوک ریز خامه حضرت استاد مغفور گشته همدران مثنوی شعرے چند بتوصیف آن فاضل جلیل فرموده

قبلهٔ ارباب ایمان کوی او　　کعبهٔ اهل بصیرت روی او

نکته‌های عقل را روشن کتاب　　آسمان مکرمت را آفتاب

تا نیامد گوهر پاکش پدید　　کس ملک بر صورت انسان ندید

کوکب دانش از و تابان بود　　اصل پاکش جوهر ایمان بود

زیر دام خلق پاکش بنگرند　　وحشی رم خوردهٔ دلها به بند

روی دل با صد تمنا سوی او　　سوی دلهای تمنا روی او

علم او دلدادهٔ حسن عمل　　شرع با عرفان او دست و بغل

عهد ایمان تازه از پیمان او　　حق پرستی آیتی در شان او

تابش از حرف گفتن رنگ بست　　دعوی گفتار بر کرسی نشست

نکته پیرایان دم عرض سخن　　از زبان انگشت حیرت در دهن

سینهٔ دلدادگان گلشن از و　　دیدهٔ صاحبدلان روشن از و

سینهٔ گنجینهٔ اسرارها　　دیدهٔ آئینهٔ انوارها

در صفاتش کی توانم فکر کرد　　وصف احمد کس نیارد ذکر کرد

بیتے چند در تعریف سخن از مثنوی گنجینۂ معانی،

سخن از ہر چہ گویم برتر آمد
سخن با جوہرِ جان ہمسر آمد

سخن باشد ہمائے عرش پیمائے
سخن را باشد اندر لامکان جائے

در آن منزل کہ ممکن را فنا بود
سخن بود و نبی بود و خدا بود

سخن با مصطفٰے دم ساز آمد
سخن سر دفتر اعجاز آمد

نوازد پردہ سنجی ساز این راز
کہ قانونِ قدم آرد در آواز

سخن رازے بود لیکن چہ رازے
کہ نکشاید بعقلِ نکتہ بازے

سخن از ماہ باشد تا بماہی
بود گنجینۂ رازِ الٰہی

سخن رمزیست گفتن را نشاید
چہ گویم انچہ در گفتن نیاید

در گنجینۂ اسرار باشد
کلیدِ دولتِ بیدار باشد

زلب صوتے بر آید با صدائے
نباشد بیش از موج ہوائے

سخن ہر چند جز موج ہوا نیست
مگر دست خرد ورے رسا نیست

مجرد شکلِ جان آن گوہر پاک
ز باد و آتش و از آب و از خاک

مگر پیدا نشئے دانا نمائے
کہ رہ تا بردہ دانش را بجائے

بتعریف سخن ہمت گمارد
کہ در ماہیتش دفتر نگارد

ازجملۂ چندین مثنوی ہاست یکے در بحر مخزن اسرار شیخ نظامی کہ محتوی سہ صد ابیات است، چند شعر ازان نذر ناظرین است،

مایۂ این دانش سنگین بہائے
نیست بہر دست ز شاہ و گدائے

جنس سخن بین کہ درین چار سوئے
از ہمہ جنس است فزون آبروئے

عالمی دل دادهٔ سودای اوست | حیرتی حسن دل آرای اوست
دیدهٔ و نادیده و هوشیار و مست | طالب این جنس گران مایه هست
خفته و بیدار کشا دست دست | لیک بهر دست نداوست دست
بار کشان گرچه کشیدند بار | لیک کشا دست یکی از هزار
نکته ورانی که ازین تنگنای | رخت کشیدند بدیگر سرای
مرحلهٔ سخت بسی کرده طی | برده بسر منزل مقصود پی
رهرو بسیار که بی رهنمای | گم شد و گم کرد ز خود دست و پای
پای درین راه کشاید بسی | لیک بمنزل گذرد کم کسی
راحله و زاد ره و رهنمای | با همه در راه درآید ز پای
بخت گر اورا نبود سازگار | رخت بمنزل نه برد ره گزار
گاه شود کوه زیاری بخت | بگذرد از مرحلهٔ سست و سخت

چند اشعار از یک مثنوی که در بحر متقارب است در شکایت روزگار ناهنجار می طرازد

درین روز بازار نامردمی | که گردون کند با هنر کژدمی
نماند امتیازی به عیب و هنر | چه سنگ سیاه و چه روشن گهر
هنر دشمن آمد چنان پیر دهر | که تریاق پوشید و بنمود زهر
چو حرف از هنر باز گوید کسی | گران بگذرد بر مزاجش بسی
اگر اندرین گنبد گرد گرد | هنرمند دل خستهٔ پر ز درد
ز ناکامرانی حکایت کند | ز ناقدردانی شکایت کند
بکوشش ندارد چو این حرف جای | بپاسخ ازو برنخیزد صدای

اگر چند نامی برین کنده گوش — ز بے مہری خود نیارد بگوش
دہد باز ہر گنبدے ہر صدائے — ندارد از و بازگشت این نوائے
ز پیشینیان دارم افسانہ ہا — ازین بادہ لبریز پیمانہ ہا
در آن روز گیتی بُدی چون بہشت — درین روز ماند بویران کنشت
ز پیشین زمان تا باین روزگار — تفاوت بود شکل لیل و نہار
ازان جانفزا گلشنے تازہ روے — کس امروز رنگے نہ بیند نہ بوے
چہ گیتی کہ آشوب گاہے بود — پر از کژدم و مار چاہے بود
نہ طوطی نہ بلبل کہ گوید بہ باغ — مقام زغن گشت و ماوای زاغ
بر آن خندہ رو باغ بیداد رفت — کہ باغے چو فردوس بر باد رفت
بود دہر دون مادر فتنہ زاے — کہ زاید از و فتنۂ جان گزاے
چو دیو ہنر دشمن عیب دوست — بصورت چو مغز و بمعنی چو پوست
ہنرمند را دل بدرد آورد — ز دل بر لبش آہ سرد آورد
ازان کس کہ آرد سخن را بگوش — سخنور کشد بار منت بدوش

ازانجملہ مثنوی است در بحر خفیف مقطوع بروزن مثنوی باغ ارم شاہی شعرے چند ازان می طرازم،

شب امید را سحر گل کرد — ثمر آرزو ثمر گل کرد
غنچۂ خاطر فسردہ شگفت — ہر رقم جلوہ داد راز نہفت
دولتے را کہ طالبش بودند — در طلب پائے سعی فرسودند
اندرین روزگار بے بصری — بے ہنر پروری و بے ہنری

کس بپرسِ آمده قماشِ عزیز	کور و کر گشته چشم و گوشِ تیز
به تماشائے این چنین روزے	وه چه روزے چو صبحِ نوروزے
خجل سیمائے مهرخان همه نور	چون شبِ وصلِ عاشقِ مهجور
شبِ وصلے که جان بیفزاید	صبحِ عیدے که دل فروزاید
همه تن دیده ها تمنائی	تا کشد توتیائے بینائی
دلِ آزادگان گرفتارش	با هزار آرزو خریدارش
در سرِ این جمالِ دیده فروز	تا چه شب هائے غم رساند بروز
تا به بیند رخِ دل آرایش	دیده دوزدیده روئے زیبایش
با کمالِ جمالِ لاریبی	رخ نمود این لطیفهٔ غیبی
که بود نامهٔ خرد افزائے	دیدهٔ دل کشائے معنی زائے

مثنوی در بحرِ رمل که بر سبکِ شیخ نظامی ارشاد کرده چند شعرے ازان ناظره دیدنیست در صفتِ کتاب،

مشیرے دل پذیرے نکته زائے	کتابے جانفزائے دلکشائے
برآمد نغمهٔ از پردهٔ راز	که آرد سازِ دانش را در آواز
زبان بنود وے دارد صدائے	ندارد پرده و سنجد نوائے
ز دانش نامه ها روشن کتابے	ز دیوان شاه بیت انتخابے
چه بحرِ موج خیزِ نکته دانی	چه مصرے یوسفستانِ معانی
جهانے کز پئے دفعِ گزندش	تو گوئی لفظ ها آمد سپندش
به گلزارِ فصاحت نو بهارے	به بستانِ بلاغت لاله زارے

مشیرے تازہ مضمونے رقم کرد — سہ دانش از عمل در وے بہم کرد
بہ نظم او را جمالے دیگر افزود — رخ تابندہ را نورے برافزود
دو دانش باسہ دانش یافت پیوند — نہاد این پنج گنج از دانشے چند
چہ مضمون شاہد زیبا پرندے — غزال عقل را مشکین کمندے
سزد گر کس بگوید پنج گنجش — نسنجد جز بعقل نکتہ سنجش

حقیقت حال یہ ہے کہ حضرت نے ایک کتاب کی تقریظ میں یہ اشعار شروع کئے تھے، وہ بڑھتے بڑھتے بہت بڑھ گئے تو آپنے اسپر کئی سو شعر زیادہ کرکے سات سو شعر دن کی مستقل مثنوی کر دی اور چند شعر تقریظ کے لیے دے دیئے،

مثنوی برطرز و وزن نہ سپہر امیر خسرو و سبحۃ الابرار ملا جامی صورتش حسب ذیل است،

دارم امید ز درگاہ خدائے — از دل بستہ دلان عقدہ کشائے
غرض عرض ندارم جز این — زین گزین تر نبود ہیچ گزین
مگر این نامہ کہ آگاہی — دانش اندوز ہزار آگاہی
نسخہ منتخب دانش و داد — تازہ گنجے ز معاش و ز معاد
عالمے آید از و فیض پذیر — شکل گیتی بہ ضو مہر منیر
کاملان را بکمال افزاید — ناقصان را بہ کمال آراید
صبح اقبال دمیدن گیرد — باد آمال وزیدن گیرد
ساز راحت بنوازندہ نیاز — ساز بے زخمہ نیارد آواز
مطلبے ہست پئے ہر طلبے — کہ مسبب نبود بے سببے
برفزاید سخنے را ہنرش — کہ نگارندہ بخون جگرش

گر مقابل بتو چیزی برون — ندهد آئینه عکسے بیرون
سبب نخلِ نشاندن ثمر است — ثمرش گر نبود بے ثمر است
مایه بے سود بود بے سودے — که ز سود است ازو بهبودے
زده کلکش کف آبی زمداد — چشم این دولت بیدار کشاد
نور دانش بدماغ افروزد — در نهان خانه چراغ افروزد
سرمهٔ دیدهٔ حق بینان باد — پردهٔ چشم سخن چینان باد

مثنوی در بحرِ رمل مستوی

خوش نواسنجان عهد باستان — پرده ها سنجیده انداز راستان
در بیان خوب و زشتِ روزگار — نو بنو افسانه هائے تازه کار
نوک ریزِ خامهٔ خود کرده اند — درج نامی نامهٔ خود کرده اند
نکته هائے گوهر افشان دیده ام — خود عیارِ نکته ها سنجیده ام
اے خوشا فرخنده ایامے که بود — از جبند آن نامهٔ نامے که بود
تا بنام خسروان شد نامه ها — نام شاهان را رقم زد خامه ها
از طفیل نامه ها نام شهان — زندهٔ جاوید مانده در جهان
نامور گشتند گم نامان بسے — یافت سامان بے سر و سامان بسے
با سخنداران احتیاجِ سروران — بیشتر باشد بدان اے نکته دان
اے بسا فرمان دهانِ سبز بخت — کز گذرگاهِ جهان بردند رخت
ناز بردار هنرور بوده اند — قدردان نکته پرور بوده اند
از جهان رفتند با نام نکوے — از نکوئی در جهان بردند گوے

خود گذشتند و نشان بگذاشتند | نام نیک اندر جهان بگذاشتند
غرق بحر رحمت رحمان شدند | رہ گرائے روضۂ رضوان شدند

مثنوی دیگر کہ بہ کمال متانت نوشتہ

فرازندۂ گنبد نہ سپہر | فروزندۂ مشعل ماہ و مہر
نمود این کہن دیر تاریک و تنگ | چو گلزار مینو پر از آب و رنگ
طلسمی بگیتی ز حکمت ببست | کہ عقل نخستین نیارد شکست
دران دم کہ بر تخت فرماندہی | برآمد بہ فیروزی و فرہی
بزرگان درگاہ با زیب و فر | بخدمت ببستند زرین کمر
یکے را بکف خنجر آبگون | یکے نغمہ سنج و بچنگ ارغنون
یکے را بسر تاج زرین نہاد | یکے را بکف کلک مشکین نہاد
یکے را پئے داوری برگزید | کہ آسائش آرد بگیتی پدید
یکے جامۂ شحنگی دربرش | برآئین پیکان یکے بر درش
غرض ہر یکے را دران بارگاہ | باندازہ اش پایہ بخشید و جاہ
چہ خوب و چہ زشت و چہ صاف و چہ درد | ازان انجمن ہر یکے بہرہ برد
نیارد کسے گفتن از راز او | کہ نامد بہ ہستی کس انباز او
بہ تیمور اورنگ خانی دہد | نیادر کلاہ کیانی دہد
یکے را کلید کشائش بدست | یکے را سر از تیغ با خاک پست
یکے را کلہ گوشہ بر آسمان | یکے را سر عجز بر آستان
یکے را بہ تخت شہی جائے داد | یکے را بدریوزگی پائے داد

گهی گرز و خنجر کند آهنی گهی ز آهنی مغفر و جوشنی
ز بک آب صد رنگ ریزد بدهر گهر در صدف در سر مار زهر
بگیرد ز ساسانیان تاج و تخت نهد بر سر تازیان تاج بخت
به تدبیر او حرف گیری کراست کند هرچه خواهد که فرمان رواست
در آن دم که بارد بلا ز آسمان پر از باد بیداد گردد جهان
که با فر و فیروزی و آب و جاه ز شاهان بدست آورد تاج و گاه
رساند بگردون سر سروری زند در جهان کوس اسکندری
به نیروی سر پنجهٔ رستمی ستم را گلو بر فشار و همین
جهان را بباید از عدل و داد دهد جور و بیداد و سرا بباد
جهان را کشاید ز لشکر کشی، کشد ز آب تیغ آتش سرکشی
به پایان که در خویشتن بنگرد ره جور و بیداد را بسپرد
رخ بخت و اختر بگردد ازو نه اختر که داور بگردد ازو
بپاداش کردار ناخوب زشت به پاسا رسد زود آن بد سرشت
سرش زیر پای ستوران نهند تنش را بتاراج موران دهند
خداوند بخشندهٔ تاج و گاه که آسایش بنده دارد نگاه
بیارد یکی را پس از دیگرے نماند جهان بے جهان داورے
خدایا تو دانی که خود کیستی چه گوییم که چون هستی و چیستی
چو یکتا بود ذات یکتای تو نباشد بجز تو شناسای تو
ز اندازهٔ دانش بخردان نشانت برون آمد اے بے نشان

زخود رفته ام تا چه خوانم ترا — چو خود را ندانم چه دانم ترا

دریکے مثنوی ها به نعت سراید

شه خورشید چتر انجم سپاهے — شفاعت منصبے رحمت پناهے
بنام ایزد چه نام روح پرور — زبان و گوش را گیرد بگوهر
در اقلیم رسالت شهریارے — بگلزار نبوت نوبهارے
خرد از کار راو شوریده رائے — فلک در راه او خوابیده پائے
همایون اختر برج شهامت — فروزان گوهر درج کرامت
دم عیسیٰ هوادار شمیمش — ارم را تر دماغی از نسیمش
کلامش نوبهار باغ گفتن — پیامش گوهر گوش شنفتن
ز مضمون کمندش نامه پیچد — صریر اندر گلوئے خامه پیچد
ندزم او اگر افسانه خوانے — سراید نکته از داستانے
چنان خوابے بچشم خصم ریزد — که تا صبح قیامت برنخیزد
چه گویم پایهٔ بالا نشینش — ز ماهی تا به مه زیر نگینش
ازو روشن چراغ رهنمائی — بدو گلشن دماغ جانفزائی
ز بویش غنچه گر خندد بباغے — دل فردوسیان سوزد بداغے
حریم دل فروغستان ز رویش — دماغ جان عبیر آگین ز بویش
زمینش را شکوه آسمانها — غبارش توتیائے چشم جانها
بمیدانے که با دشمن ستیزد — غبار از سودهٔ الماس خیزد
الم ها داغ بر دل از جمالش — ستم ها خاک بر سر از جلالش

اگر تیغش نبودے پرتو انداز | کسے از کفر و دین نشناختے باز
نسیم خلق او صرف دمیدن | نهال لطف محو سر کشیدن
سحاب رحمتش تا کله بسته است | گنه طرف کلاه خود شکسته است
علی سرچشمهٔ فیض الهی | که فیض اوست از مه تا بماهی
سپهر علم را تابنده خورشید | سر و سرکردهٔ ارباب توحید
ولایت را چمن پیرا بهارے | شجاعت را حسام آبدارے
چراغ افروز ایوان امامت | علم افراز میدان کرامت
ز یک روئی تیغ دو زبانش | دو رویان یک زبان اندر زبانش
اگر آب دم تیغش نبودے | گل ایمان کجا خنده نمودے

چند اشعار از مثنوی درد دل بر طرز مثنوی شاه ناصر علی سرهندی

الهی درد دل در پیکرم ریز | مے مینا شکن در ساغرم ریز
زند برق تجلی در دل من | بر آید خاورستان از گل من
برافروزی دل تابنده داغی | حریم کعبه را روشن چراغی
کرامت کن دلے با درد همراز | بسی مانای نے با ناله دمساز
دلے سنگین بآہے ریزه دا زهم | چکیدن گل کند خارا چو شبنم
من و شور و جنون در سر بهوئے | مے و میخانه و مستی بهوئے
پر پرواز خواهم از پر تیر | دهد آب حیاتم جوئے شمشیر
لب سوفار بوسم چون لب یار | ندانم زهر مارا ز شکر مار
چو نخچیرے که باشد زیب فتراک | عنانم ده بدست یار بیباک

ز قاتل سایهٔ تیغ و سر من　　دم شمشیر و چاک پیکر من
ز مژگانم چکد خونابهٔ دل　　رگ جانم تپد چون نبض بسمل
یکی خواب گران در دیده ریزم　　که در غوغای محشر بر نخیزم
ز نائی هر بن مو ناله خیزد　　لب هر زخم دل تبخاله ریزد
دلم دلدادهٔ بیداد باشد　　زبان لب بر لب فریاد باشد
بلب ذکر و بدل فکر و بجان سوز　　ندانم صبح از شام و شب از روز

ابیات چند از مثنوی است که ارکانش مربع بر وزن مفتعلن فاعلن چهار بار،

خسرو ملک سخن　　قلعهٔ معنی شکن　　تیغ قلم برگرفت　　ملک سخن درگرفت
گنج گهربار یافت　　دولت بیدار یافت　　مغز سخن تازه کرد　　روی بیان غازه کرد
جان جهان کمال　　جوهر جان کمال　　نکته وران جهان　　در صفتش بی زبان
خامه عصای کلیم　　نامه چو باغ نعیم　　تا که بگردش فتاد　　چرخ ندارد بیاد
نامه نگاری چو او　　نادره کاری چو او　　نامه از و گرم ناز　　خامه از و سرفراز
تازه بیانی از و　　سحر زبانی از و　　گنج معانی کشود　　نقد مضامین ربود
نقش بقا برنشاند　　زندهٔ جاوید ماند　　حرف کمند ار زند　　عقل به بند افگند
در دم ذکر مصاف　　تیغ اجل بی غلاف　　در صفت تیغ تیز　　روی زمین لاله خیز
بزمی ایوان بزم　　رزمی میدان رزم　　در صفت زور دست　　کار یلان درشکست
کیسهٔ جرات تهی　　شیر کند روبهی　　تازه عبارات او　　طرفه اشارات او
گرچه ستائش گران　　در صفت سروران　　داد زبان آوری　　داده بمدحت گری
پایهٔ ممدوح خویش　　از همه بردند بیش　　لیک ز تحریر او　　از لب تقریر او

راقم کا خیال ہے کہ حضرت استاد مغفور کو ایسے تکلفاتِ زائد سے کوئی علاقہ نہ تھا، مگر حضرت نے مثنوی مذکور الصدر کہی، کہ درحقیقت اگران چارون ارکان مین رعایت قافیہ کی ملحوظ نہ ہو تو بمنزلہ ایک ہی مصرعہ کے سمجھا جائے ایسی حالت مین دونون مصرعے ملاکر آٹھ ارکان کی خاصی مثمن بحر ہوگی، قافیون کی رعایت نے ترکیب عبارت کی درست نہ رکھی، راقم کو خیال آتا ہے کہ قدیم شاعر کی پچاس ساٹھ شعرون کی ایک مثنوی اسی ترکیب کی ہے، شاعر مذکور نے اس طرح کی ترکیب پر اظہارِ فخر کیا ہے، گویا اس کے نزدیک اس کا جواب دشوار ہے، چنانچہ وہ کہتا ہے،

ہر کہ بگوید جواب نیمچہ آفتاب بندہ طبعش شوم بہر طوافش روم

وغیرہ، معلوم ہوتا ہے کہ حضرت کو بھی جوش ہوا، اور سو شعرون کی مثنوی لکھ ڈالی جس کے چند اشعار اوپر لکھے گئے ہین،

ظاہر ہے کہ جلال الدین اکبر بادشاہ کا کیسا مبارک زمانہ تھا، خاص کرکے باکمالون کے لیے، اگر دن عید اور رات شب برات کہئے تو کچھ بیجا نہین ہے، اس پر فیضی فیاضی سا بحرِ کمال، مزید برآن بادشاہ سلامت کی فرمایش سے ہیر رانجھا کی داستان کا کوشش و کاوش بلیغ سے نظم کرنا پھر کیسے کیسے نقادانِ سخن و استادانِ اہل زبان و زباندان کی نظر ثانی و ثالث کے بعد بادشاہ کے سامنے پیش ہونا، معتدبہ جائزہ کے پانے کا یقین اگر ایسی مثنوی شہرۂ آفاق و مستند و معیار ذی کمالی کے پایہ بپایہ بھی کسی کے اشعار پہنچ جائین تو لائقِ فخر و مباہات ہے،

ذیل مین فیضی کی مشہور مثنوی نل دمن کے کچھ اشعار درج کرتا ہون، اور ساتھ ہی ان اشعار کے حضرت کی ایک مثنوی کے چند اشعار بھی لکھتا ہون،

فیضی فیاضی

اے در تگ و پوے تو ز آغاز
عنقائے نظر بلند پرواز
فکر تو بدل خیال بگداخت
اوج تو ز مرغ بال بگداخت
دانا که سخن بکهنه او بست
بر کنگر شعله تار مو بست
این ره که حریف او قدم نیست
در نیروے نازک قلم نیست
این مرحله گرچه دل نشین است
هشدار که یادش آتشین است
توحید تو نیست بر قلم چیست
ایوان به بزرگی و ستون شست
این باغ سخن بیاد ارزان
دارم قلمے چو بید لرزان
آتش زنم این بهار امید
تا میوه طمع ندارد از بید
پروانه خس و هوا شرر باه
پروانه چه گل کند درین گاه

فریاد

تا صرف که از وجود دم زد
طومار جهان قضا رقم زد
هنگامه حرف و صوت شد گرم
گه سخت بر آمد و گهی نرم
نقدی که خزانه اش دل آمد
تیرے که نشانه اش دل آمد
بر زخمه زدن بے برنجید
این پرده بے صدا نسنجید
این نائی دم از نوا ندارد
چون ساز قضا صدا ندارد
ماهیت روح هر که داند
در وصف سخن بر اند
از نظم دهند تا نظامش
ریزندے دگر بجامش
آن می نبود مگر معانی
موقوف وقوف نکته دانی
از دیده وران دانش آرای
آنها که بدند نکته پیرای

فیضی فیاضی

هیهات چگونه سر کشد کس
ره بر دم تیغ و پائے از خس
هم پاشنه ریش و هم کف آماس
چون پائے نهم بدشت الماس
چون گام زند قلم بره چون
کاورد بپائے رشته بیرون
این ره بقدم سپرد نتوان
گامش بقلم سپرد نتوان
توحید تو هر که راند بر قیل
بر مورچه زد عماری فیل
دانم چه رقم زند نشانه
کلک دو زبان ازین یگانه
بس مشکل و سخت ماجرائے
ره کوه قلم برهنه پائی

حضرت فریاد

مرغان سخن بدام کردند
آہوئے رمیدہ رام کردند
ہر کس بہوس کشاد پائی
تا دست طلب رسد بجائی
گر صید بلند بود گر پست
ہر کس بشکار خویش دل بست
گرد آنچہ بہ حیلہ کرد صیاد
ہم دانہ فشاند و دام بنہاد
صیدی نگر او فتد بدامش
گردش کند آسمان بکامش
داند کہ بہر کسے شکاری
شاد آمدہ ہر کسے بکاری
ہر رہ گذری فتد براہی
دارد پئے خود فرود گاہی

واضح ہو کہ بظاہر فیضی و فریاد کی نظم کے مضامین الگ الگ ہین، فیضی توحید باری تعالیٰ کو ادا کرتا ہے اور فریاد نے کلام کی تعریف مین شعر کہے ہین، چونکہ توریت مین بھی خدا کو اور کلام کو ایک کہا گیا ہے، بلکہ اکثر اساتذہ نے ماہیت سخن و حقیقت ذات باری تعالیٰ کو ایک ہی فصل مین مخلوط کر کے بیان کیا ہے، اس لیے دونون کے

کلام کو ایک ہی جگہ آمنے سامنے لکھنا بے جوڑ نہین ہے، افسوس اسکا ہے کہ مجھکو مثنوی کی بحث ایسے موقع پر آکر لکھنی ہوئی کہ موتیابند کا عارضہ زوروں پر اور کوئی ایسا معاون جو اس کام مین حسب خواہ مدد پہنچا سکے میسر نہ آیا، لہذا انھین اشعار پر قناعت کرکے زیادہ ٹٹولنے کی زحمت نہ کی، ناظرین مضمون سے قطع نظر کرکے دونون کی بندش اور پختگی نظم کو ملاحظہ فرماوین،

مثنوی دبستانِ اخلاق حضرت کی ایک طویل حجیم مثنوی ہے، ہمارے حضرت کو یون تو سب متقدمین اساتذہ سے حسن اعتقاد تھا، مگر سب سے زیادہ شیخ سعدی علیہ الرحمہ سے رسوخ اوران کے کلام سے خاص الفت تھی، یہ مثنوی بوستانِ سعدی کے تتبع مین حضرت نے لکھی ہے اور کم سے کم چار پانچ برس مین اسکو ختم کیا، اس کے یہ معنی نہین کہ بدشواری و بدقت تمام لکھی گئی، بلکہ یہ اتفاق ہوا کہ ابتدا مین دو تین سو شعر کہکر چھوڑ دیا، پھر اور تصنیفون یعنی مختلف بحر کی مثنوی یا قصیدہ مین مشغول ہوگئے، مہینون بلکہ برسون کے بعد جب نظر پڑی پھر کئی سو شعر تصنیف کئے، اس طرح دفعہ دفعہ کرکے یہ حجیم مثنوی جو بوستانِ سعدی سے حجم مین کم نہین ہے مرتب ہوئی اور ۱۲۹۳ھ مین چھپی،

مثنوی دبستانِ اخلاق کی فارسی زبان، اسکی سلاست و شیرینی کسی طرح بوستانِ سعدی سے کم نہین ہے، چھ ہزار سے زیادہ اشعار ہین، اور یہ تو مین یقین دلاتا ہون، کہ اگر دبستان و بوستان دونون کے معتدبہ اشعار مخلوط کردیے جائین تو اورون پر کیا موقوف ہے، خود نقادانِ عجم تک نہ بتا سکین گے کہ کون شعر کس مثنوی کا ہے، مین بلا انتخاب دونون کے کافی تعداد اشعار معہ دونون کے معنی کے ذیل مین درج کرتا ہون،

بوستان

درحمد

بنام خداوند جان آفرین

ابتدا کرتا ہون نام سے اوسکے جسنے جان کو پیدا کیا،

حکیم سخن بر زبان آفرین

وہ ایسا حکیم ہے جسنے زبان پر باتین پیدا کر دین

خداوند بخشندہ دستگیر

ایسا سردار ہے کہ گناہون کو بخشدیتا ہے

کریم خطابخش و پوزش پذیر

خطاؤن کو بخشدیتا ہے، عذر کرنیوالون کے عذر سن لیتا ہے

عزیزیکہ از درگہش سر بتافت

جس شخص نے اوسکے در سے سر اپنا پھرا یا

بہر درکہ شد ہیچ عزت نیافت

پھر جسکے در پر گیا، کچھ عزت نہ پائی

سر پادشاہان گردن فراز

بڑے بڑے بلند گردن کرنے والے بادشاہون کے سر

بدرگاہ او بر زمین نیاز

اسکے دروازے کی زمین پر عاجزی کے ساتھ جھکے

ہوئے ہین،

[illegible]

دبستان اخلاق

درحمد

بنام خدائے جہان آفرین

ابتدا کرتا ہون خدائے جہان آفرین کے نام

خدیو زمین و زمان آفرین

وہی بادشاہ ہے زمین و زمانہ کا پیدا کرنیوالا ہے

حکیمے کہ کون و مکان آفرید

وہ ایسا حکیم ہے جس نے کون و مکان کو پیدا کر دیا

بیک حرف کن دو جہان آفرید

صرف ایک حرف کن سے دونون جہان بنادیے

میان عقول و نفوس و طباع

درمیان عقل و نفس طبیعت کے

بہم داد ربط و نمو و اجتماع

ربط دے کر سب کو اکٹھا کر دیا

صفاتش نیاید بگفت و شنید

اسکی صفت نہ کہنے مین آتی ہے، نہ سننے مین

ز دانش نیاید بہ کنہش رسید

اسکی کنہ حقیقت تک عقل کے وسیلہ سے ہم نہین

پہنچ سکتا۔

بوستان

در حمل

نہ گردن کشان را بگیرد بفور
نہ فوراً اگر گردن بلند کرنیوالون کی گردن پکڑتا ہے
نہ عذر آوران را براند بجور
نہ عذر کرنیوالون کو ظلم کے ساتھ نکال دیتا ہے
وگر خشم گیرد بکردار زشت
اور اگر بری حرکت پر غصہ بھی ہوتا ہے
چو باز آمدی ماجرا در نوشت
جب پھر اسکے ڈر آیا تو جو کچھ برائی اس نے کی تھی اسکو مٹا دیتا ہے،
اگر ترک خدمت کند لشکری
اگر سپاہی خدمت کو ترک کر دیتا ہے تو
شود شاہ لشکر کش از وی بری
پادشاہ اسکے وظیفہ مقررہ سے الگ ہو جاتا ہے
ولیکن خداوند بالا و پست
مگر خداوند بالا و پست ....
بعصیان در رزق بر کس نہ بست
کسی گناہ کے عوض رزق کا دروازہ بند
نہین کرتا،

دبستانِ اخلاق

در حمل

بہ ترکیب خاص و بہ نظم غریب
ایک خاص ترکیب اور عجیب انتظام کیساتھ
باضداد بخشید ربط عجیب
ضدین کو ربط دیکر عجیب ربط دے دیا
بہ تربیت نفس نیرنگ دون
نفس جو نئے نئے رنگ لاتا ہے وہ بدکردار ہے
ز تہذیب اخلاق شد رہ نمون
اسکو تہذیب اخلاق کا رستہ دکھایا،
ازان پس کہ این راہ دانش کشود
جب عقل کا یہ رستہ کھول دیا تو تدبیر
دلالت بہ تدبیر منزل نمود
منزل تو خانہ داری کی طرف دلالت کی
رموز سیاست نمود آشکار
پھر ملک داری کو ظاہر کیا،
کہ آید بہ نظم ریاست بکار
تاکہ انتظام ریاست مین کام
دے،

بوستان	دبستانِ اخلاق
ادیمِ زمین سفرۂ عام اوست	خرد را درین کارگاہ وجود
روئے زمین عام دسترخوان اوسکا ہے	عقل کو اس کارخانۂ ہستی مین ادب
برین خوان یغما چہ دشمن چہ دوست	ادیب دبستانِ دانش نمود
اس لُٹس والے خوان پر کیا دشمن کیا دوست	دینے والا مکتبِ دانش کا بنا دیا،

واضح ہو کہ یہ مثنوی چونکہ بیان حکمت اخلاق مین ہے، اسلیے حمد کے اشعار مین بصورت براعۃ استہلال اقسام حکمت کا ذکر کیا، جیساکہ میبذی کے آغاز مین بھی حکمت کی یہی تقسیم بتائی گئی ہے

بری ذاتش از تہمت ضد وجنس	زماہیت جوہر روح پاک
اسکی ذات ضد اور جنس کی تہمت سے بری ہے	حقیقت روح کی یہ مشت خاک
غنی ملکش از طاقت جن و انس	ندارد خبر گوہر مشت خاک
اس کا ملک جن و انس سے غنی اور بے پروا ہے	(انسان) خبردار نہین ہے
پرستار امرش ہمہ چیز و کس	بہ کُنہ کمالش کجا پے برد
اس کے حکم کے بجالانے والے سب چیزین و آدمی	اسکے رازِ کمال کو کون پہونچ سکتا ہے
بنی آدم و مرغ و مور و مگس	عدم سوئے موجود رہ کے برد
انسان بنی آدم جانور چیونٹی اور مکھیان ہین	کیونکہ معدوم موجود کو کیونکر پہچان سکتا ہے،
چنان پہن خوانِ کرم گسترد	بحکمت دہد نظم بست و کشاد
اپنا خوان کرم ایسا لمبا چوڑا بچھاتا ہے کہ	کھلنے اور بند ہونے کا انتظام کرتا ہے
کہ سیمرغ در قاف قسمت خورد	کہ خود نیک داند صلاح و فساد
کہ سیمرغ کوہ قاف مین روزی پاتا ہے	وہ خود اچھی طرح بھلائی برائی کی صلاح سمجھتا ہے،

بوستان

لطیف کرم گستر کارساز

مہربانی کرتا کرم گستر اور کارساز ہے

که دارای خلق است و دانای راز

کہ رکھنے والا خلق کا ہے اور جاننے والا راز کا ہے

مر او را رسد کبریا و منی

اسی کو کبر اور خودی سزاوار ہے،

که ملکش قدیم است و ذاتش غنی

کہ ملک اسکا ہمیشہ ہے اور ذات اسکی غنی ہے،

یکے را بسر بر نہد تاج بخت

ایک کے سر پر تو خوش بختی کا تاج رکھتا ہے،

یکے را بخاک اندر آرد ز تخت

دوسرے کو تخت سے اتار کر خاک پر سلا دیتا ہے،

کلاہ سعادت یکے بر سرش

نیک بختی کی ٹوپی ایک کے سر پر ہے

گلیم شقاوت یکے در برش

برائیون کا کمبل ایک کی بغل مین ہے

گلستان کند آتشے بر خلیل

حضرت خلیل اللہ کی آگ کو باغ بنا دیتا ہے

دبستان اخلاق

نزیبد کسے را ازو باز خواست

کسی کو یہ زیبا نہین ہے کہ اس سے یہ پوچھے کہ

کند ہرچہ خواہد کہ فرمان رواست

یہ کام کیون کیا وہ فرمانروا ہے جو چاہتا ہے وہی کرتا ہے

خرد دور گردان درگاہ اوست

عقل اسکی درگاہ کے گرد چکر ارہی ہے

کہ ادراک گم گشتہ راہ اوست

کیونکہ سمجھ اسکی راہ مین کھوئی ہوئی ہے

بلے مرغ اندیشہ بالا پرد

خیالی مرغ ہرچند اونچا اوڑے تا کہ

کہ را ہے بہ اوج کمالش برد

اسکے اوج کمال کی راہ نکالین

نشانے نیابد ازان بے نشان

اس بے نشان کا نشان نہین پاتا،

مکانے نہ بیند ازان لامکان

اور نہ اس لامکان کا مکان ملتا

حجاب نظر قرب آن نور گشت

اپنی نظر اس نور پر پردہ ہو گئی، دقائق صفحہ ۴۴

بوستان

گروہے بر آتش برد ز آب نیل

ایک گروہ کو آگ پر دریائے نیل سے لیجاتا ہو

گر آن است منشور احسان اوست

اگر وہ ہی یعنی خلیل والی بات تو احسان اس کا

وراین است توقیع فرمان اوست

اور اگر یہ ہی یعنی رود نیل والا نقشہ تو یہ اسکا حکمنامہ ہے

بہ تہدید اگر برکشد تیغ حکم

اگر دھمکا کر اپنے حکم کی تلوار کھینچے تو

بمانند کروبیان صم و بکم

فرشتگان مقرب گم سم ہو جائین

وگر در دہد یک صلائے کرم

اگر بخشش کی مہمانی عام کر دے تو

عزازیل گوید نصیبے برم

شیطان تک تو یہ ہمت ہو جائے کہ اس بخشش سے ہم بھی حصہ حاصل کرین

بدرگاہ لطف و بزرگیش بر

اسکی درگاہ لطف بزرگی پر بڑے بڑے

بزرگان نہادند بزرگی ز سر

اپنی بزرگی کو سر سے اتارے ہوئے ہین

دبستان اخلاق

کہ از قرب مبصر بصر کور گشت

کہ دیکھنے والے کی نظر سے جب چیز نہایت ہی ملا دیجائیگی تو نظر آنا ناممکن

نظر چون رود بر رخ آفتاب

نظر جب منہ پر آفتاب کے پڑتی ہے تو

کشد بر رخش برق نورش حجاب

دیکھنے والے کی نظر پر حجاب ہوجاتا ہو

چو نور نظر نزد معنی رسی

جیسے کہ معنی اس کی آنکھ ہے، کہ

کہ موجود دیدن نیارد کسے

موجود تو ہے، مگر خود اس کو دیکھ نہین سکتا

وجودش بیابی بہر جزو و کل

اسکے وجود کو ہر جزو و کل مین تو پائے گا،

چو بوئے کہ یابی دراجزائے گل

جیسے خوشبو پھول کے ہر جزو مین

جہان جملہ جسم است و جانش خدائے

دنیا کل جسم ہے جس کی جان خدا ہے،

تن بے روان کے بماند بجائے

ظاہر ہو کہ بیجان جسم کیونکر قائم رہ سکتا ہے

دبستانِ اخلاق	بوستان
بہ چشمے کہ چون مہر بینا بود	فرو ماندگان را برحمت قریب
جنکی آنکھین سورج کی طرح بینا ہین	جو لوگ اپنی جگہ مجبور پڑے ہین اسکی مہربانی
زہر ذرہ خورشید پیدا بود	تضرع کنان را بہ دعوت مجیب
انکی نگاہ مین ہر ذرہ مین آفتاب ہے	انسے قریب ہے گڑگڑا کر دعا کرنیوالونکی دعا قبول کرتا ہے
رُخ ہو رتا بندہ و آشکار	براحوال نابودہ علمش بصیر
چمک والے آفتاب روشن آشکار	جو حالت ابھی نہین ہوئی ہے اس کا علم اسکو دیکھتا ہے
بود صاف روئے ہوا از غبار	بہ اسرار ناگفتہ لطفش خبیر
پردے ہوا پاک صاف ہے (جنکی نظر مثل سورج ہے)	اور جو راز چھپا ہوا ہے اسکی مہربانی اس سے خبردار ہے
جمالش نہ بیند اگر چشم کور	بقدرت نگہدار بالا و شیب
اس کے جمال کو اگر اندھی آنکھ نہ دیکھے	اپنی قدرت سے اونچان نیچان دونون کو سنبھالے
چہ نقصان بہ ہستی تا بندہ ہور	خداوند دیوان روز حسیب
تو آفتاب کے وجود کا کونسا نقصان ہے	ہوئے ہے روز حساب کی کچہری کا خداوند ہے

در سببِ تصنیفِ کتابِ مثنوی

از آن دم کہ طبع ہنر زائے من	در اقصائے عالم بگشتم بسے
جبکہ میری ہنرمند طبیعت کو دل آراستہ	دنیا مین ہم دور تک بہت پھرے ہین
پسندید نظم دل آرائے من	بسر بردم ایّام با ہر کسے
کرنے والی نظم پسند آئی	بہت لوگون کے ساتھ بسر کی ہے

در سبب تصنیف کتاب مثنوی

بوستان	دبستانِ اخلاق
تمتع ز ہر گوشۂ یافتم	دلم بود دل بستۂ این خیال
ملک کے ہر گوشہ سے کچھ نہ کچھ فائدہ اٹھایا	میرا دل اسی خیال مین پھنسا ہوا تھا سطر ع
ز ہر خرمنے خوشۂ یافتم	چو وابستگانِ خیالِ وصال
ہر کھلیان سے گویا ایک خوشہ ملا	عشاقِ وصل کے خیال مین ہر وقت پھنسے رہتے ہین
چو پاکانِ شیراز خاکی نہاد	کہ بر نام نامی والا سرے
شیراز کی خاک سے پیدا ہونیوالے	کہ کسی سردار بزرگ کے نام پر
ندیدم کہ رحمت بر آن خاک باد	خدیوِ ہنر و ہنر پروری
پاک لوگون کی طرح اور جگہ کے لوگون کو	وہ بزرگ بادشاہ ہنر پرور ہو
نہ پایا خدا اس خاک پر رحمت نازل کرے	
تولاے مردانِ آن پاک بوم	نگارم یکے نامہ چون بوستان
اس پاک ملک کے مردون کی محبت نے شام	بوستان سعدی کی طرح سے ایک کتاب
برانگیختم خاطر از شام و روم	گزین یادگاری ز ہندوستان
و روم کے سیر سے دل کو سیر کر دیا	لکھدون کہ ہندوستان کی بہترین یادگار ہو
دریغ آمدم زان ہمہ بوستان	بگلزارِ دانش بہار آورم
افسوس ہوا کہ شام و روم ایسے باغ سے	عقل کے باغ مین (گویا) بہار کو داخل کر دون
تہی دست رفتن سوئے دوستان	نہالِ خرد را ببار آورم
دوستون کے پاس خالی ہاتھ لیکر جاؤن	سمجھ کے درخت مین میوے پیدا کر دون

در سبب تصنیف کتاب مثنوی

بوستان

بدل گفتم از مصر قند آورم
دل سے کہا کہ سرزمین مصر سے قند (خرید کر کے)
پئے دوستان ارمغانے برم
دوستون کے لیے تحفے لے جاؤن
مرا گر تہی بود زان قند دست
گو کہ میرا ہاتھ اس قند سے خالی ہے، مگر میری میٹھی
سخن ہائے شیرین تر از قند ہست
باتین تو قند سے کہین زیادہ
شیرین ہین،
نہ قندے کہ مردم بصورت خورند
وہ قند نہین جسکو لوگ ظاہر مین کھاتے ہین
کہ ارباب معنی بکاغذ برند
بلکہ ارباب معنی کاغذ مین لیجاتے ہین
چون این گنج دولت بپرداختم
جب اس دولت کے خزانہ کو جمع کر دیا تو
بر وده در از تربیت ساختم
تربیت کے دس در بطور فصل و باب بنائے

دبستان اخلاق

خزانین چمن را بہارین کنم
خزانے والے چمن کو سرسبز کر دون،
صنم خانۂ نو نگارین کنم
نئے صنم خانہ کو نگار خانہ بنا دون،
رسد فیض عامش بہ غیب و حضور
جس کا عام فیض پاس والون حاضرین
کہ خورشید تابد بنزدیک و دور
اور جو نظر سے غائب ہین دونون پر پڑے
جیسے آفتاب کا نور نزدیک و دور پہنچتا ہے،
پر از نکتہا نظم نثرے نثار
چھپے ہوئے عقل کے نکتے ایسی نظم مین جسپر نثر فدا
سیکے درج در دانہ شاہوار
ہو گویا ایک ڈبا ہو شاہوار موتیون کا
بگلگونہ فکرت نکتہ یاب
عقل فکر کے پوڈر سے حسن سخن
جمال سخن را دہم آب و تاب
کو آب و تاب دے دون

در سبب تصنیف کتاب مثنوی

بوستان

بروز همایون و سال سعید
اچھے دن اور سعید سال مبارک تاریخ
بتاریخ فرخ میان دو عید
درمیان دو عید کے یعنی عید شوال و عید قربان کے
ز ششصد فزون بود پنجاه و پنج
چھ سو پچپن ۶۵۵ سال ہجری کے گذرے تھے کہ
که پُر دُر شد این نامبردار گنج
یہ خزانہ موتیون سے بھرا گیا،
الا اے خردمند فرخنده خوے
خبردار ہو اے مرد دانشمند مبارک خصلت
هنرمند نشنیده ام عیب جوے
کہ ہنرمندون کو ہم نے عیب جو نہین سنا ہے
قبا گر حریر است و گر پرنیان
قبا اگرچہ ریشمی یا زری وغیرہ
بناچار حشوش بود اندران
کی ہے مگر استر وغیرہ مین اس سے کم
قیمت کپڑا بھی ضرور ہوتا ہے،

دبستان اخلاق

ز گلہاے مضمون نو بستہ
نئے نئے پھولون سے ایک عجیب
به بندیم اعجوبه گلدستہ
گلدستہ باندھ دون
چو گلدستہ یاران بیاران برند
جسطرح گلدستہ دوست دوست کے پاس بطور تحفہ لیجاتے ہین
چه یاران بر شہریاران برند
دوستون پر کیا موقوف ہے بادشاہون کے پاس لیجاتے ہین،
فضاے سواد و بیاض سطور
سطرون کی سیاہی و سپیدی دل کو
دہد در دل و دیده نور و سرور
سرور آنکھون کو نور بخشتے،
بچشمان جویاے گنج دفین
گڑے ہوئے خزانہ کی جویا آنکھون کو
دہد بینش سرمۂ خاک بین
ویسی ہی بینائی دے جیسے وہ سرمہ جس سے
خاک کے اندر کا حال کھلتا ہے،

در سبب تصنیف کتاب مثنوی

بوستان	دبستان اخلاق
تو گر بر نیابی بر ایذا مکوش	که از نکته ہائے خرد پر دری
تو اگر ایسا نہ پاوے تو اپنے کرم سے بخشش کو	تا کہ عقل بھری باتون سے زیب و زینت
کرم کار فرما و حشوم بپوش	کنم زینت سلک نظم دری
کام مین لا اور میرے حشو (گوڈر) کو چھپا،	دے دون فارسی کی لڑی کو،
نه نازم بسرمایۂ فضل خویش	کنم ساغرے پر ز صہبائے ہوش
	شراب ہوش سے سر کے
بدریوزه آورده ام دست پیش	چو جام جم از کیف دانش بجوش
	ساغر کو بھر دون جیسے جمشید کا جام
شنیدم که در روز امید و بیم	عقل کی کیفیت سے جوش مین تھا،
ہم نے سنا ہے کہ امید و خوف	حریفان ازان بادہ مستی کنند
بدان را به نیکان ببخشد کریم	میرے حریف اس شراب کو پی کر مستی
کے دن (قیامت) مین برون کو نیکون	به بزم سخن مے پرستی کنند
کے طفیل مین خدا بخشدیگا،	کرین، بزم سخن مین مے پرستی کرین،
تو نیز ار بدے بینیم در سخن	سرم بر سر زانوے فکر بود
تو بھی اگر اس میرے سخن مین برائی پائے	اسی خیال مین زانوئے فکر مین سر اپنا
بخلق جہان آفرین کار کن	لبم ہر نفس وقف این ذکر بود
تو خدا کی اسی مہربانی کی تقلید کر،	جھکائے تھا اور میرا لب ہردم اسی کے ذکر مین مشغول،

در سبب تصنیف کتاب مثنوی

بوستان

چو بیتے پسند آیدت از ہزار
اگر ایکہزار شعروں مین سے ایک شعر بھی تجھکو پسند آجاے
بمردی کہ دست از تعنت بدار
تو اپنی مردی کی بدولت طعنہ نہ دے
ہمانا کہ در پارس انشائے من
ظاہر ہے کہ سرزمین فارس مین میرا کلام
چو مشک است بیقیمت اندر ختن
وہی حقیقت رکھتا ہے کہ ختن مین مشک
چو بانگ دہل ہولم از دور بود
میرے نقارہ کی آواز دور سے تھی لیکن
بعیب درم عیب مستور بود
میری جیب مین عیب چھپا تھا
گل آورد سعدی سوئے بوستان
گویا سعدی پھول باغ مین لایا ہے
بشوخی چو فلفل بہ ہندوستان
دل لگی سے جیسے سیاہ مرچ
ہندوستان مین لیجائین،

دبستان اخلاق

ولے از تقاضائے دور سپہر
لیکن گردش آسمان کی بدولت جس کی حالت یہ ہے
کہ روئے ہنرور نہ بیند بمہر
کہ محبت سے اہل ہنر کا منہ نہین دیکھتا ہے
ازان مے تہی ماند ما را سبوے
اس شراب آرزو سے میرا سبو خالی رہا، اور
بچوگان من در نیفتاد گوے
میرے چوگان مین وہ گو نہ آیا
مگر خار آن آرزوے درون
مگر اس آرزوے اندرونی کا کانٹا
خلیدے چو مژگان بچشم اندرون
جیسے پلک آنکھ مین چبھتی ہے گڑتا ہے
ازین فکر فارغ نبودم دمے
کوئی ساعت اسکے ذکر سے مین فارغ نہ تھا
کہ ریزم بداغ کہن مرہمے
تاکہ اس پرانے زخم پر
مرہم رکھون،

در سبب تصنیف کتاب مثنوی

بوستان

چو خرما بشیرینی اندوده پوست
خرما کی طرح چھلکا تو میٹھاس بھرا ہے
چو بازش کنی استخوانے درست
مگر چیرے تو اندر گٹھلی ہے،

دلبستان اخلاق

دلے در خیال من مستمند
لیکن مجھ آرزومند کے خیال مین ایسا شخص
نبود چنین مقبلے ارجمند
مقبول جسکے نام زد کردن کوئی نہ تھا
کہ بر نامش این نامہ نامی کنم
تاکہ ایسی کتاب کو اسکے نام سے معنون کرون
بمقدار قدرش گرامی کنم
اور جو مقدار اسکے قدر کی ہے، وہان پہنچاؤن
مرا پیکِ اندیشہ درجستجو سے
میرا قاصد اندیشہ اسی کی تلاش مین سرگردان تھا
تگاپو نمودی بہر چار سوئے
چارون طرف دوڑ دھوپ کرتا تھا
بناسازگاری دہرِ دوردی
دہر دور کی ناموافقت کی بدولت
نیامد بکف نقد این آرزوی
میری ہتھیلی اس (نقد) سے
کامیاب نہ ہوئی،

درسبب تصنیف کتاب مثنوی

دلستان اخلاق

بپایان ز فرط تقاضائے شوق

آخر فرط شوق کے تقاضا سے کہ مین شراب

کہ بودم سیہ مست صہبائے شوق

سے اس شوق کے مبہوت تھا

فزون بر ہزار و دو صد بود شست

سنہ ایکہزار پر دو سو ساٹھ برس زیادہ

کہ بردم تجریر این نامہ دست

تھا کہ اس مثنوی کو لکھنا شروع کیا،

نوشتم ازین نامۂ ارجمند

اس معزز مثنوی مین

برسم نمائش حکایات چند

بطور نمونہ کے کئی حکایتین لکھین

کہ ناگہ تقاضائے آبش خورم

یکایک آب و دانہ کے تقاضا

سوئے مرشد آباد شد رہبرم

نے مرشد آباد کی رہبری کی

(مرشد آباد آیا)

درسبب تصنیف کتاب مثنوی

دبستان اخلاق

درآن بلده درمدت چند سال

اس شہر مین مدت قیام چند سال مین

کسے را ندیدم کہ جوید کمال

کسی کو جویائے کمال نہ پایا،

بہ پیشینہ جا باز گشتم بدرد

دہان سے مین اپنی پہلی جگہ پلٹ آیا

ز افسردگیہا دلم بود سرد

افسردگی سے میرا دل سرد تھا،

وے فکر آن نامۂ مضمرم

تو بھی فکر اس مثنوی کی میرے دل مین تھی

چو شور سرم بودی اندر سرم

دماغ مین شورش کی طرح سمائی ہوئی تھی

کہ این سرزمین شکل خلد برین

جہان تک کہ یہ سرزمین حضور

شد از مقدم خسروے گل زمین

شاہی (واجد علی شاہ) کے قدم سے

بہشت برین ہوئی،

درسبب تصنیف کتاب مثنوی

دبستان اخلاق

چون این مژدہ شد مرہم داغ من

جب یہ خوشخبری میرے زخمِ دل کا مرہم ہوئی

گل خرمی کرد گل باغ من

تو خوشی کا پھول میرے باغِ دل میں پھولا

سرور ریکف داد مینائے دل

شراب امید کا مینا خوشی نے میرے ہاتھ

برآمد دل از تنگی ہمچو گل

ہاتھ میں دیا تنگی سے میرا دل مثل گل کے شگفتہ ہوگیا

سپاس آورم ایزد پاک را

اس خدا کا شکر ادا کرتا ہوں جس نے

کہ جوہر دہد گوہر خاک را

گوہر پاک (انسان) کو جوہر دیا،

چہ جوہر کہ نطقش نہادند نام

کیسا جوہر جس کا نام نطق رکھا گیا ہے

ازو می شود مرد مرد تمام

اسی جوہر سے انسان مرد کامل

ہوتا ہے،

در سبب تصنیف کتاب مثنوی

دبستان اخلاق

گزین خام سودا دماغم تہی ست

اس خام سودا (دعوی) سے میرا دماغ خالی ہے

کہ دعوئ بےمعنی از گمرہی است

کیونکہ دعوٰی بےمعنی گمراہی سے ہے،

ندانی کہ لافِ شرف می زنم

یہ نہ جاننا کہ شرافت کا لاف مارتا ہون

دمِ ہمسری با سلف می زنم

اور برابری کا دم استادانِ

سلف کے ساتھ مارتا ہون،

حریفان کہ راہِ سخن بسپرند

جو حریف راہ سخن مین چلتے ہین (اہل فن)

نباید کہ برمن گمانے برند

نہ چاہیئے کہ مجھ پر بدگمانی کرین،

کہ نفس از من این بازی اپیش برد

کہ میرا نفس یہ بازی مجھ سے جیت گیا،

سیہ مستیِ نخوت از خویش برد

نشۂ ہستیِ غرور نے بیخود بنا دیا،

درسبب تصنیف کتاب مثنوی

دلبستان اخلاق

دسے میگزارم سپاس خدائے

لیکن مین شکر خدا کا سپاس گزار

ہین آورم شکر نعمت بجاے

اتنی بات پر شکرِ نعمت بجا لاتا ہون،

کہ مارا بہ خمخانۂ راہ داد

کہ مجھ کو اس خمخانہ مین آنے دیا

زفیضِ سخن بادہ دلخواہ داد

اور فیضِ سخن کی شراب حسب خواہ دی،

چو پیمانہ پیماے فیضِ ازل

جب ازل کے پیمانے بھرنے والے نے

برآورد دستِ کرم از بغل

دست کرم کو اپنی بغل سے نکالا،

درِ فیض خمخانہ را باز کرد

اور درِ فیض خمخانہ کا کھولا، اور

کہ پیمانہ پیمودن آغاز کرد

پیمانہ پیمائی شروع

کردی،

درسببِ تصنیفِ کتابِ مثنوی

اخلاقِ دبستان

درآن انجمن ساقیِ تیزدست

اس انجمن مین ساقیِ تیزدست نے

بہ پیمودہ ساغر بہ ہشیار دست

ہشیار دست فعلون کی طرح شراب ڈھالی

بہ مجلس نشینانِ فرخندہ پے

پھر مجلس مین بیٹھنے والے نیک انجام کو

بر اندازۂ ہر یکے دادمے

بقدر اندازہ کے ہر ایک کے شراب دی،

بدریاکشان درخورِ کامِ شان

ان دریاکشون کی لیاقت کے بموجب اپنی

زدریادلی ریخت درجامِ شان

دریادلی سے ان کے جام مین شراب گرائی

کسے را بہ مینا کسے را بجام

کسی کو مینا مین کسی کو جام مین دی،

کسے را بدردی برآورد کام

کسی کو دردہی موافق ان کے

دیگر مقصد حاصل کردیا،

در سبب تصنیف کتاب مثنوی

دبستان اخلاق

بپایانِ صحبت درآن انجمن

بدورِ پسین آمده دورِ من

ازان می کہ ساقی بانعام ریخت

اسی شراب میں سے جو ساقی نے بطور انعام ڈالی

مراہم بیکے جرعہ درکام ریخت

تھی میرے منہ میں بھی گرائی،

بفیضِ ہمان بادۂ مشک بوے

فیض سے اسی مشک بو شراب کے

شد از بادہ لبریز مارا سبوے

میرا ظرف بھی بھر گیا،

ملاحت کہ میریزد از خامہ ام

یہ نمک جو میرے کلام سے

نمک زارہا جزو از نامہ ام

ٹپکتا ہے، اور گویا کہ نمک ہی نمک

میری تحریر سے ٹپکتا ہے،

در سبب تصنیف کتاب مثنوی

دبستانِ اخلاق

بشیوا زبانی کہ نامی شدم

اور اس شیوہ زبانی مین جو مین مشہور ہوا

بر نکتہ سنجان گرامی شدم

اور نکتہ سنجون مین بزرگ مانا گیا،

ہمانا کہ این ہفت گنج مراد

بلا شبہہ یہ سات خزانہ بحسب مراد یا کہ

ز اخلاصِ پاکان مرا دست داد

لوگون کے اخلاص کی بدولت ہاتھ آئے ہین

رسوخِ ہمان اعتقادِ درست

اسی اعتقاد درست نے رسوخ کی وجہ سے

دہان من از آب گوہر بشست

میرا منھ موتی کی آب سے دھلادیا

حکیم جہان دیدۂ نکتہ سنج

وہ حکیم جہان دیدۂ نکتہ سنج

بملک سخن مالک ہفت گنج

جو ملکِ سخن مین سات خزانون

کا مالک ہے،

در سبب تصنیف کتاب مثنوی

دبستان اخلاق

فصاحت گلے از گلستانِ او

فصاحت ایک پھول اسکے گلستان کا

بلاغت بہاری ز بستانِ او

بلاغت اس کے بوستان کی بہار ہے

از و بوستانِ سخن تازہ روے

بوستانِ سخن اس سے تر و تازہ ہے

گلستانِ دانش پر از رنگ بوے

اور گلستانِ عقل اسکی بدولت رنگ و بو سے بھرا ہے،

مرا پیر آموزگار آمدہ است

میرا استاد سکھانیوالا وہی بوڑھا (سعدی) ہے

ز فیضش لبم درنثار آمدہ است

جسکے فیض سے میرا لب گوہر نثار ہو گیا،

ہمانا کہ در نظم این مثنوی

اس مثنوی کی نظم مین ہم

کنم مسلک شیخ را پیروی

اسی شیخ کی پیروی کرتے

ہین،

درسبب تصنیف کتاب مثنوی

دبستان اخلاق

خدایا تو بر خاکِ آن پیر مرد

اے خدا تو خاک پر اس پیر مرد کی جو

بمیدانِ عرضِ سخن شیر مرد

میدان عرض سخن کا شیر مرد ہے،

ببار از کرامت سحابِ کرم

بخشش کا ابر برسا دے اور آبِ کرم

بدہ شست و شویش بآبِ کرم

سے اس کی شست و شو کر

باخلاصِ پاکانِ پاکیزہ راے

قسم ہے تجھکو پاک لوگوں کی پاکیزہ راے

درِ رحمتِ خویش بروے کشاے

در رحمت اپنا اس کے منہ پر کھول دے

روانش کنی از سرِ لطف شاد

اس کی روح کو اپنی مہربانی

ترا بندہ بود و مرا اوستاد

سے شاد کر وہ تیرا بندہ

اور میرا استاد تھا،

اِن بلیغ و فصیح اشعار کے بعد حضرت شیخ نے بادشاہِ وقت سعد زنگی کی تعریف مین دریا بہایا ہے، لیکن افسوس یہ ہے کہ تاریخین اس بادشاہ کے مظالم کی شاکی ہین، مجھے خیال آیا کہ شیخ مبرور نے جو اشعار اپنے وقت کے بادشاہ سعد زنگی کی تعریف مین لکھے ہین، اُن کو نقل کر کے اپنے حضرت کے وہ اشعار لکھدون جو حضرت نے واجد علی شاہ اختر شاہ اودھ مرحوم کی تعریف مین لکھے ہین؛

بوستان در مدحِ سعد زنگی؛	دبستانِ اخلاق در مدحِ واجد علی شاہ
مرا طبع زین نوع خواہان نبود	خدیوے خدا جوئے سلمان خصال
میری طبیعت اس قسم کی خواہش نہ رکھتی تھی	بادشاہ خدا جو حضرت سلمان کے سے خصال
سرِ مدحتِ بادشاہان نبود	جہاندارِ جمجاہ یوسف جمال
بادشاہون کی مدح کا خیال نہ تھا،	والا جہاندار جمشید مرتبہ یوسف کا سا حسین
دلے نظم کردم بنامِ فلان	شہ دودمان قرا یوسفے
مگر فلان کے نام پر اسلیے مین نے نظم کیا	خاندان قرا یوسف مین کا بادشاہ، آسمان
مگر باز گویند صاحبدلان	مہ آسمان قرا یوسفے
کہ جو صاحب دل ہین وہ کہین	(خاندان) قرا یوسف کا ماہتاب ہے
کہ سعدی کہ گوئے بلاغت ربود	جہان داورے ترکمانی تبار
کہ سعدی جو بلاغت مین بازی لے گیا	یہ بادشاہ ترکمانی نسب ہے
در ایام بوبکر بن سعد بود	پدر بر پدر خسروِ نام دار
زمانہ مین بادشاہ بوبکر بن سعد	پدر بہ پدر، بادشاہ اس گھر مین ہوتے آئے ہین
کے تھا،	اس کے بعد حضرت نے بادشاہ ممدوح کے
	تین اوصاف گنوائے ہین، واقفکار خوب

بوستان در مدح سعد زنگی

سزد گر بدورش بنازم چنان
سزاوار ہے کہ مین اس بادشاہ
کہ سیدؐ بدوران نوشیروان
کے زمانہ پر اسی طرح ناز کرون جیسے
پیغمبر نے نوشیروان کے زمانہ پر،
جہاندار دین پرور داد گر
یہ بادشاہ دیندار جہان پرور
نیامد چو بوبکر بعد از عمر
ہے، سچ ہے کہ ابوبکر جیسا
بعد عمرؓ کے کوئی نہین،

دبستانِ اخلاق در مدح واجد علیشاہ

جانتے ہین کہ بالکل سچی تعریف ہے، ایک تواضع، دوسرے دوسرون کے ساتھ دلی ہمدردی، تیسرے عفو، یہ اوصاف اس مرحوم کی فطرت مین تھے، یعنی سلطنت کے زمانہ مین بھی یہ اوصاف یکسان تھے، ان سچے اوصاف کو بیان کرکے کس عمدہ ترکیب سے اور کیا صداقت کے ساتھ اس مرحلہ کو طے کیا ہے،

چہ دور است گر آسمان برین
کیا بعید ہے کہ اس کے زمانہ
بدورش کند خاک بوسِ زمین
مین آسمان زمین کا
بوسہ لے،
کہ با آنچنان رفعتِ قدر و جاہ
کہ باوجود ایسے عالی قدر
چنین تن بافتادگی داد شاہ
ذی عزت ہونے کے اس کے مزاج
مین ایسی افتادگی ہے،

بوستان در مدح سعد زنگی | دبستان اخلاق در مدح واجد علیشاہ

سر سر فرازان و تاج جہان | ز مدحش ازان طبع من لب بہ بست
سرداروں کا سرادر بزرگوں کا تاج اسکے

بدوران عدلش بنازاے جہان | کہ حرفم بکرسی نخواہد نشست
زمانہ مین اے جہان تو ناز کر

گر از فتنہ آید کسے در پناہ | ستایش گرم لیک چون دیگران
اگر فتنہ و فساد سے کوئی

ندارد جز این کشور آرامگاہ | نیارم بلب مدحت سروران
ڈر کر پناہ چاہے تو بجز اس کے
ملک کے آرام گاہ نہ پاے،

فطوبیٰ لباب کبیت العتیق | کہ مداح در مدح ممدوح خویش
پس مبارک ہو اس دروازہ

حوالیہ من کلِّ فجٍ عمیق | سخن راند از حد تبلیغ بیش
مثل کعبے کہ چار طرف اسکے
کل گڑھوں سے محصون ہے،

ندیدم چنین گنج ملک و سریر | رہ حمدت آنچنان لب سپرد
مین نے کوئی ملک و تخت و خزانہ

کہ وقف است بر طفل و برنا و پیر | کہ از حد اغراق بیرون برد
نہین دیکھا جو وقف ہو ہر طفل و جوان و پیر پر

بوستان در مدح سعد زنگی | و بستانِ اخلاق در مدح واجد علیشاہ

نہ آمد برش دردناک و غمے | ازان داشتش ہم نیاید دروغ

اس بادشاہ کے در پر کوئی

کہ تنہا و برخامہ اشس مرہمے | چراغ ثنایش نگیرد فروغ

غم آلودہ ایسا نہ آیا جس کے دل

پر مرہم نہ رکھا،

طلبگار خیر است و امیدوار | بوصفِ شجاعت چو بندد کمر

یہ بادشاہ خیر کا طالب و امیدوار ہے

خدایا امیدے کہ دارد برآر | نیارد پس و پیش را در نظر

اے خدا جو امید اسکی ہو بر لا،

کلہ گوشہ بر آسمانِ برین | وہد زال زر را سپہداریش

یہ حالت ہے کہ تاج کا گوشہ

ہنوز از تواضع سرش بر زمین | برستم سپارد جلو داریش

تو آسمان تک پہنچا ہوا ہے

مگر تواضع سے سر کو زمین مین رکھے ہین،

ز گردن فرازان تواضع نکوست | گر اورا بنصفت کند اتصاف

تواضع گردن فرازون کی داخلِ حساب و نیک ہے

گدا گر تواضع کند خوئے اوست | بکسرای وہد نسبتِ اعتساف

فقیر اگر تواضع کرے تو یہ اسکی خو ہے

بوستان در مدح سعد زنگی	دبستان اخلاق در مدح واجد علیشاہ
اگر زیر دستے بیفتد چہ خواست	اگر کار وصفش رساند بعلم
زبر دست افتادہ مردِ خداست	زسقراط ہم بگزراند بعلم
نہ ذکر جمیلش نہان می رود	اگر از احتشامش نگارش کند
اس بادشاہ کا ذکر آوازہ اس کے	
کہ صیتِ کرم در جہان میرود	زجاہ و جلالش گذارش کند
کرم کا جہان مین پھیلا ہوا ہے،	
چونے خردمندِ فرخ نہاد	فریدون ز فرمان گزاران بود
ایسا عقلمند فرخ نہاد جہان کو یاد	
ندارد جہان تا جہان است یاد	سکندر ز آئینہ داران بود
نہین ہے (کہ کبھی پہلے ہوا تھا)	
نہ بینی در ایام او رنجۂ	غرض ہمچنان در صفاتِ دگر
اس کے زمانہ مین کوئی	
کہ نالد ز بیداد سر پنجۂ	ز وصافِ موصوف دارم خبر
رنجیدہ ایسا نہ پاؤ گے	
کہ کسی کی مشت زنی سے	
فریاد کرے،	

بوستان در مدح سعد زنگی — دبستان اخلاق در مدح واجد علیشاہ

کس این رسم و ترتیب و آئین ندید — بدان وصف خاصش مرا لب کشاد

کسی نے ایسی رسم و ترتیب و آئین

فریدون با آن شکوہ این ندید — کہ دادش جہان آفرین در نہاد

نہین دیکھا، حتی کہ فریدون بادشاہ

نے بھی باوجود شان شوکت کے نہ دیکھا،

ازان پیش حق پایہ گاہش قوی است — بتوصیف آن خسرو سرفراز

اسی سبب سے خدا کے نزدیک

کہ دست ضعیفان بجاہش قوی است — کہ با مدحت کس ندارد و نیاز

اس کا پایہ قوی ہے، کہ ضعیفون

کا ہاتھ اسکی قوت کی بدولت قوی ہے،

چنان سایہ گسترد بر عالمے — سپاس خداوند غیب و شہود

ایسا سایہ ہر ایک عالم پر ڈالا کہ ایک

کہ زالے نہ اندیشد از رستمے — کہ ما را سوے راستی رہ نمود

بڑھیا تک رستم سے نہین ڈرتی ہے،

ہمہ وقت مردم ز جور زمان — ازین ہرزہ لافی مرا باز داشت

ہر زمانہ مین لوگ جور زمانہ اور گردش

بنالند از گردش آسمان — سوے راستی چشم من باز داشت

آسمان سے نالہ کرتے ہین،

دبستان اخلاق	بوستان
وے یکدو کارے ازان سکار	در ایام عدل تو اے شہریار
	لیکن تیری عدالت کے زمانہ مین
نگارم درین نامۂ نونگار	ندارد شکایت کس از روزگار
	اے بادشاہ کوئی شخص زمانہ
	کا شاکی نہین ہے،
کہ دانند مردان میدان فکر	بعہد تو می بینم آرام خلق
	تیرے زمانہ مین خلایق کا آرام
برم گوئے سبقت بچوگان فکر	پس از تو ندانم سرانجام خلق
	دیکھ کر خیال ہوتا ہے اور مین
	نہین جانتا کہ انجام خلایق کا کیا ہوگا،
مرا زیر دامان طبع روان	ہم از بخت فرخندہ فرجام تست
	تیری ہی ہمت فرخندہ انجام کے سبب ہے
محیط گہرخیز باشد روان	کہ تاریخ سعدی در ایام تست
	کہ سعدی کا زمانہ تیرے زمانہ مین ہو
کنم آگہش ہر کہ آگاہ نیست	کہ تا بر فلک ماہ خورشید ہست
	جب تک فلک پر ماہ وخورشید ہین
کہ دستم ازان کار کوتاہ نیست	درین دفترت ذکر جاوید ہست
	ہمارے اس دفتر مین تیرا ذکر ہمیشہ ہے،

بوستان

ملوک از نکونامی اندوختند
بادشاہون نے اگر نیک نامیاں جمع کرلین
زپیشینگان سیرت آموختند
اور اگلون سے اچھی خصلتین سیکھ لین
تو در سیرتِ بادشاہی خویش
تو تو نے اپنے زمانۂ شاہی مین اگلون سے
سبق بردی از بادشاہانِ پیش
بھی سبقت نیک نامی مین کی،
سکندر بدیوار روئین وسنگ
سکندر بادشاہ نے لوہے
بکرد از جہان راہ یاجوج تنگ
کی دیوار اور پتھر سے یاجوج
ماجوج کا رستہ تنگ کردیا،
ترا سدِ یاجوج کفر از زر است
تیرا سدِ یاجوج کفرایون
نہ روئین چو دیوار اسکندر است
سے ہے، نہ کہ اس لوہے کی دیوار
سے جسکو سکندر نے بنایا،

دبستانِ اخلاق

اگر سایۂ نعلِ شبدیزِ شاہ
زند برق بر پارۂ سنگِ راہ
ہی سنگ پارس کند بیدرنگ
کہ آہن شود زر بدان تیرہ سنگ
اگر شاہِ ما را کلاہ و کمر
مرصع نبودے بہ لعل و گہر
نزادے زبطن صدف گوہرے
نہ کانی بدے حامل جوہرے

بوستان

زبان آوری کاندرین امن وداد
اس امن وانصاف کے زمانہ مین کوئی
سیاست نگویند گانش مباد
زبان اور سیاست نہ لکھنے والون پر اسکے نہو مین
زہے بحر بخشایش وکان جود
کیا ہی دریائے بخشش وکان جود تیرا ہے یہ
کہ تشبیہ انداز وجودت وجود
دونون تیرے وجود سے پائے جاتے ہین،
برون بینم اوصاف شہ از حساب
باہر پاتا ہون اس بادشاہ
نگنجد درین تنگ میدان کتاب
کے اوصاف حساب سے اس تنگ
میدان کتاب مین نہین سما سکتے،
گران جملہ را سعدی املا کند
اگر ان سب صفات کو سعدی
مگر دفتر دیگر انشا کند
املا کرے، مگر کہ دوسرا
دفتر انشا کرے،

دبستان اخلاق

اگر سکہ بر خویش بالا چہ دور
خطیبش بمنبر چو موسیٰ بطور
جہان را جہاندار دارا گہر
نیاورد چون ذرہ در نظر
برا ورنگ و چتر آستین برفشاند
سر بے نیازی بگردون رساند
بدین پروری گوے دولت ببرد
کہ دنیا بدنیا پرستان سپرد

دبستان الاخلاق	بوستان
چہ آب و چہ آتش چہ خاک و چہ باد	فرو ماندم از شکر چندین کرم
	بہت سے بخشائش کے بیان سے مین عاجز رہ گیا،
بفرمان واجد علی شاہ باد	ہمان بہ کہ دست دعا گسترم
	یہی بہتر ہی کہ دعا کا ہاتھ پھیلاؤن،

فردوسی نے بھی شاہنامہ مین سلطان

محمود کی تعریف مین چند شعر کہے ہین

منجملہ جنکے چند یہان لکھتا ہون،

تعریف محمود بادشاہ

زیزدان ابر شاہ باد آفرین

خدا کی طرف سے بادشاہ پر آفرین ہے کہ اس

کہ نازد برو تخت و تاج و نگین

بادشاہ پر تخت و تاج و نگین ناز کرتے ہین،

بگیتی بہ کان اندرون زر نماند

دنیا مین اور کان مین روپیہ باقی نہ رہے کیونکہ

کہ منشور نام ورا بر نخواند

شاہی فرمان مین سبکے نام بتائے مطلب یہ ہو کہ دنیا مین

کوئی ایسا روپیہ ہو نہ جواہر کہ بادشاہ کے فرمان نہ

تعریف محمود بادشاہ

جہان آفرین تا جہان آفرید
جہان کے پیدا کرنے والے نے جب سے
چو او مرزبانے نہ آمد پدید
جہان کو پیدا کیا مثل اس بادشاہ
کے کوئی بادشاہ پیدا نہین ہوا،
جہاندار محمود شاہِ بزرگ
جہان دار محمود شاہ بزرگ
بہ آبش خور آرد ہمی میش گرگ
ہے، آب ودانہ کے لیے میش و
گرگ ایک ساتھ آئے ہین،
ز کشمیر تا پیش دریائے چین
کشمیر سے لیکر دریائے چین تک
براو شہریاران کنند آفرین
سب اس پر آفرین کہتے ہین،
چو کودک لب از شیر مادر بشست
جب بچہ کا دودھ مان چھڑا دیتی ہے
بہ گہوارہ محمود گوید نخست
تو گہوارہ مین پہلے پہل وہ بچہ محمود کا نام لیتا ہے،

تعریف محمود بادشاہ

به بزم اندرون آسمان وفاست

بزم کے اندر تو وہ وفا کا آسمان ہے،

به رزم اندرون شیر جنگ آزماست

اور لڑائی کے اندر شیر حملہ آور ہے

به تن زنده پیل و بجان جبرئیل

از روئے جسم کے زندہ ہاتھی ہے اور از روئے

بکف ابر بهمن، بدل رود نیل

باطن جبرئیل فرشتہ ہے، ہتھیلی ابر بہمن ہے

اور دل دریائے نیل ہے،

از بوستان حضرت سعدی در صفت قناعت

خدا را ندانست طاعت نه کرد
که بر بخت روزی قناعت نه کرد
قناعت توانگر کند مرد را
خبر کن حریصِ جهان گرد را
سکونے بدست آور اے نیک ذات
که بر سنگِ گردان نروید نبات
مپرور تن ار مرد رائے و هشی
که اورا چو می پروری می کشی

دبستان اخلاق در صفت قناعت

حصیر قناعت سریر غنا است
که خاکِ درش بهترین کیمیاست
قناعت گدا را توانگر کند
مسِ تیرهٔ عقل را زر کند
قناعت گزین مردِ والا گهر
عزیز دو عالم بود اے پسر
به نانے قناعت کند گر گدائے
بفرط فریدون زند پشت پائے

از بوستان حضرت سعدی در صفت قناعت

خردمند مردم هنر پرورند
که تن پروران از هنر لاغرند
کسے سیرت آدمی گوش کرد
که اول سگ نفس خاموش کرد
خور و خواب تنها طریق دد است
بدین بودن آئین نابخرد است

دبستان اخلاق در صفت قناعت

بعالی مقام سکون آورد
ز نفر طبیعت برون آورد
سمند هوا را اچابک زنی
برآرد ز بد سیرت توسنی
چو گنج قناعت بدست آوری
بیازار قارون شکست آوری

بوستان در حفظ اسرار

نکش باغلامان یکے راز گفت
که این را نباید بکس باز گفت
بسالے بیامد ز دل بر دهان
بیک روز شد منتشر در جهان
بفرمود جلاد را بے دریغ
که بردار سرہائے اینان بتیغ
کسے زان میان گفت و زنہار خواست
مکش بندگان کین از تو خاست
تو اول نہ بستی که سرچشمه بود
چو سیلاب شد پیش بستن چه سود

دبستان اخلاق در کتمان اسرار

کسے را که دانش بکار آیدش
بکتمان اسرار فرمایدش
بکتمان اسرار کوشیدنت
نہان کردنی راز پوشیدنت
براوج سعادت رساند ترا
ز بند عنا وارهاند ترا
کسانیکه این راه پیموده اند
دو حرفے باندازه فرموده اند
چو خواهی که کامت برآید شتاب
برویت کشاید در فتح باب

بوستان در حفظ اسرار

تو پیدا مکن راز دل بر کسے
کہ او خود نگوید بر ہر کسے
جواہر بہ گنجینہ داران سپار
ولے راز با خویشتن باز دار
سخن تا نگوئی برو دست ہست
چو گفتہ شود یابد او بر تو دست
سخن دیو بندیست در چاہ دل
بہ بالائے کام و زبانش مہل
توان باز دادن رہ نرہ دیو
ولے باز نتوان گرفتن بہ ریو
تو دانی کہ چون دیو رفت از قفس
نیابد بلا حول کس در قفس

دبستانِ اخلاق در کتمان اسرار

مگردان ز اسرار انبار خویش
منہ در میان با کسے رازِ خویش
چو بیرون فتد بخیہ از کارِ تو
بزوری بگردد در وا کارِ تو
منش امتحان کردہ ام بارہا
کہ تاخیر دیدیم در کارہا
اگر محرم راز بیگانہ
چو افشا کنی سخت دیوانہ
اگر محرمِ رازِ سلطان شوی
نگہبانِ آن گنج پنہان شوی
زبان را کہ باشد کلید درش
بہ بندی بحفظ در و گوہرش
مبادا کہ از لب بر آید برون
کہ غلطی بپاداش در خاک و خون

قطعات

قطعۂ ذیل ایک علمی مضمون کا سرنامہ ہے

تا طبع را بفکرِ سخن ربط دادہ اند
سرکیسۂ جواہرِ معنی کشادہ اند

گنجے کہ شکل جوہر جانست گوہرش اندر خرابۂ تن خاکی نہادہ اند

ایضاً

مژدہ باد ایدل و اے دیدۂ غم دیدۂ دہر
کہ بسر بردہ زمانے بغم تنہائی

دل کہ گنجینۂ دانش ز برش گمشدہ بود
جائے بگرفت بدل بار دگر دانائی

چشمِ روشن بنظر گفت فروغ بینش
دیدہ گر دیدہ و گر دیدہ در از بینائی

بینش افزا رقمے جلوہ گر آمد در چشم
کہ بر آمد گہرے از صدفِ گویائی

بہ نثار سخنش گوہر تحسین افشاند
کہ شنیدہ سخن نغز بدین زیبائی

مرد رہ در رہ وصفش نہ نہد بیہدہ پائے
زانکہ بے صرفہ بود بیہدہ رہ پیمائی

ناید از عہدہ توصیف کمالش بیرون
نطق چندانکہ زند لافِ سخن آرائی

سخن سختہ بمدحش بود از من مشکل
حرف دانش کہ برآید ز لب صحرائی

دانست اندیشہ چنان طبع مضامین خرم
کہ دہد در صفتش دادِ سخن پیرائی

از سر دیدہ وری گفت بمن عقل سلیم
کہ نہ زیبد بہ تو این گونہ بساط آرائی

شکلِ طاؤس کہ بر بال و پر خود نازد
پائے خود چون نگرد بگذرد از رعنائی

دانشِ خویش بسنج و ز خیالش بگذر
کہ بماند بخیالات سر سودائی

رباعیات

حضرت نے جس افراط سے ہر واقعہ پر ایک رباعی کہی تھی اور اخبار آئینۂ گیتی نما میں برابر رباعیاں مندرج ہوتی رہیں، اس معزز اخبار کے پڑھنے والے اسکو شاید بھولے نہ ہونگے حضرت خود فرماتے تھے کہ بطور ابوالخیر ابوالحسنات کے بیشتر رباعیاں فلسفۂ الٰہیات تصوف

مین اور عمر خیام کے خمریات کے استعارہ مین بہت رباعیان کہنے کا اتفاق ہوا، مگر رباعیون کا مجموعہ بھی معدوم ہوگیا، ذیل کی چند رباعیان ہاتھ آئین، راقم انھین کو غنیمت سمجھکر درج کرتا ہے، ایک طویل مضمون کے افتتاح مین فرماتے ہین،

اے آنکہ مداد خامہ از تست ہم نامہ نگار و نامہ از تست
این نامہ و نامہ گرچہ باشد پیدا و نہان تمامہ از تست

وَلَہٗ

اصل ہمہ ہست ہا تو ہستی از ہستی تست جملہ ہستی
از دفتر قدرت تو حرفے است گیتی ز بلندی و ز پستی

حضرت کی بدیہہ گوئی

تلامذہ کو اجازت بدیہہ گوئی کی نہ تھی، حضرت فرماتے تھے کہ کلام پر جب تک نظرثانی وثالث نہ کیجائے، اکثر وہ کلام خام رہجاتا ہے، اور ربا اتفاق لفظی غلطی رہ جانے کا احتمال بھی رہتا ہے، جب تک یہ ملکہ کثرت مشق سے حاصل نہ ہوجائے کہ جو عبارت زبان سے ادا کرے بغیر سوچے وہ صحیح بھی ہو، دوسرے یہ کہ بعض اوقات بدیہہ گوئی انسان کو چھچھورا بنا دیتی ہے، کبھی یہ شبہہ ہوتا ہے کہ اپنے کمال کا اظہار مقصود ہے، اسلیے جب تک پختگی وصحت خیال و درستی الفاظ کا ملکہ نہ ہوجائے اور متانت کے برخلاف نہ ہو ذہن مین کیسا ہی مضمون بہ بداہت آئے اور چاہے اس صحبت مین نقادان سخن نہ بھی ہون بدیہہ گوئی کی جرأت نہ کرے، کیونکہ ملکہ پیدا ہونے کے قبل حصول ملکہ تامہ مین ایسی جرأتین خلل انداز ہوتی ہین، با اینکہ مرزا غالب کے ذہن وذکا کے ہمارے استاد جیسے معترف تھے کوئی کم ہو گا، حضرت فرماتے تھے کہ دیکھو اتنے بڑے سخن سنج نے اس بدیہہ گوئی کی بدولت چکنی ڈلی والے قطعہ مین کیسا بودا مصرعہ کہا ہے، ہرگز غالب کی شان اس بودے مصرعہ کی مقتضی نہ تھی یعنی "اور اس چکنی سپاری کو" ایک مصرعہ کیسا ڈھیلا، دوسرے سپاری کا لفظ متانت سے گرا ہوا ہے، فرماتے تھے کہ مجھے بھی بدیہہ گوئی کا اتفاق ہوا ہے مگر شاذ، جب حضور عالم نواب سید علی نقی خان مرحوم وزیر شاہ اودھ سے اور مجھ سے کلکتہ مین ربط بڑھا تو بیشتر وہ مٹیا برج سے سہ پہر کو میرے یہان آیا کرتے کچھ دیر بیٹھکر چائے پیکر مجھ کو ساتھ لیکر ہواخوری کے لیے ولایتی چکر جاتے پھر لوٹ کر

میری کوٹھی مین مجھ کو اتار دیتے، ایک دن عجب اتفاق ہوا کوئی انگریز بگی مین سوار خود ہانکتا جارہا تھا، جیسے ہی نواب صاحب کی فٹن سے آگے نکل جانے کا ارادہ کیا فٹن کے پہیے مین بگی کا پہیا اٹک گیا، بگی اونچی ہوئی قریب تھا کہ نقصان عظیم ہو کہ نواب صاحب کی خواصی مین الماس نامی سولہ سترہ برس کی عمر کا ایک قوی حبشی جو ہمیشہ نوابصاحب کے ہمراہ رہتا تھا فوراً اپنی جگہ سے کودا اور بجلی کی طرح بگی کی پشت پر آکر بگی کے اٹکے ہوئے پہیے کو نکال باہر کر دیا، یہ کام اس چالاکی اور پھرتی سے کیا کہ اس طرف سے گاڑیون مین جو انگریز سوار جارہے تھے سب نے خوش ہو کر تالیان بجائین، نوابصاحب نے فرمایا رسیدہ بود بلائے ولے بخیر گذشت، اور وہان سے جو اس حبشی کی تعریف شروع کی تو جب ولایتی چکر مین رہے اسکی خوبیان بیان کرتے رہے، اثنائے کلام مین مجھکو ایک مضمون سوجھا مین مسکرا دیا تو نواب صاحب نے مسکرانے کا سبب پوچھا، مین نے کہا اس لڑکے کی تعریف مین ایک رباعی ذہن مین آئی ہے، نوابصاحب نے اصرار کیا کہ پڑھیے مین نے رباعی پڑھ دی نواب صاحب نے خوب تعریفین کین، جب لوٹ کر مجھکو میرے گھر اتارنے آئے تو کہا رباعی لکھدیجئے، چنانچہ دوات قلم منگا کر وہ رباعی لکھکر دیدی وہ رباعی یہ ہے،

الماس کا رنگ کس قدر تیرا ہی ۔۔۔ اس پر چمک ایسی کہ نظر خیرا ہے
خود مدح کرین جسکی حضورِ عالم ۔۔۔ الحق کہ وہ الماس نہین ہیرا ہے

تماشا یہ کہ اس وقت سے اس کو لوگ ہیرا پکارنے لگے۔۔

ایکدفعہ کا واقعہ یہ ہے کہ عشرۂ محرم کا زمانہ تھا کہ حضور عالم نواب سر علی نقی خان بہادر جی، سی، اس، آئی، نے حضرت سے فرمایا کہ آپ کے ہموطن شیخ غلام علی راسخ جب لکھنؤ آئے تھے تو کسی مشاعرہ مین یا میر تقی مرحوم کے مسکن پر میر صاحب کی فرمائش پر فی البدیہہ یہ مطلع کہا تھا

ہوئے ہین ہم ضعیف اب یدنی رونا ہمارا ہی   مژہ پر اپنے آنسو صبح پیری کا ستارا ہے

یہ مطلع مجھے بہت پسند آیا اور اسی وجہ سے یاد رہگیا، آپ اسی زمین مین بزنگ سلام

ایک مطلع فرمائین، چنانچہ بلا توقف اسی وقت حضرت نے یہ مطلع ارشاد کیا،

غم شبیر مین کیا جانفزا رونا ہمارا ہے   کہ ہر قطرہ مژہ پر صبح جنت کا ستارا ہے،

نواب صاحب پھڑک گئے، راقم نے حضرت کے حالات قیام کلکتہ باب سیوم مین بھی اس مطلع کو لکھا ہے لیکن خصوصیت سے اس جگہ پر اسلیے لکھا کہ حضرت کی بدیہہ گوئی کا تذکرہ مقصود تھا، کلکتہ کا یہ بھی ذکر ہے کہ کسی صحبت مین بلحاظ موقع و محل یہ رباعی فی البدیہہ ارشاد فرمائی تھی،

کمزور مسوڑھون کو دکھانا کیسا؟   صحبت والون کا منھ چڑھانا کیسا

جب دانت تھے منھ مین لطف پانو نکا بھی تھا   جب دانت نہون تو پان کھانا کیسا

حق تعالی غریق رحمت کرے میرے ماموں صاحب نواب سید جلال الدین حسین خان تاثیر تخلص فرماتے تھے کہ میرے دوستون مین ایک صاحب میرزا کفایت حسین تھے بڑے نیک بخت ہر وقت وظیفہ اور دعائین پڑھا کرتے تھے، جس صحبت مین جہان بیٹھے کوئی دعا زیرلب پڑھی، ہاتھ اٹھا کر پھونکا، میر غلام حسین مرحوم کا جس طرح تخلص شجر مشہور ہوگیا تھا، لوگون نے مرزا کفایت حسین کا تخلص دعا رکھدیا، اس پر وہ بہت خوش تھے، جب ماموں صاحب مغفور حضرت استاد علیہ الرحمہ کے پاس حاضر ہوتے تو دعا بھی ساتھ ہوتے، ایک دن دعا استاد مغفور کی خدمت مین بغیر معیت میرے ماموں صاحب کے گئے، ہمارے حضرت نے فی البدیہہ یہ رباعی پڑھی

تدبیر کی کیا چلے جو تقدیر نہ ہو   کیا لطف سخن جو حسن تقریر نہ ہو

بیکار رہے منھ اپنا تھکانا فریاد   کیا کام کرے دعا جو تاثیر نہ ہو

کلکتہ مین مرزا کربلائی مرحوم ایک کروڑپتی تاجر تھے ان کا بنایا ہوا امام باڑہ محلہ

کولوٹولہ مین اچھی حالت مین ابتک موجود ہے، ان کے ہان کسی مجلس مین ہمارے حضرت شریک ہوئے، بعد اختتام مجلس جب رخصت ہونے لگے تو حاجی مرزا کربلائی نے ایک خاک پاک کی تسبیح جسکی مٹی خود کربلائی صاحب نے مرقد امام حسینؑ علیہ السّلام کے سرداب کے اندر جاکر اٹھائی اور تسبیح بنوائی تھی، کربلائے معلّی سے لائے تھے اور وہ تسبیح ہاتھ پر رکھکر کہا کہ اور کیا تدر کرون یہ تسبیح حاضر ہے، اور تسبیح کی پھر کیفیت وصفت بیان کی، اس وقت بڑے بڑے تجار وعلمائے عجم حضرت کو گھیرے کھڑے تھے حضرت نے فورًا یہ رباعی کہکر سنائی،

یارب بدر شاہ رسائی یابم | توفیق ادائے جبہہ سائی یابم
زیباست کہ بر بخت رسا نازکنم | تسبیح ز دست کربلائی یابم

مذکور الصدر چند بار کی بدیہہ گوئی سے راقم کا مقصد یہ نہین ہے کہ مدت العمر مین حضرت کو ان اوقات کے سوا بدیہہ گوئی کا اتفاق ہی کبھی نہین ہوا، ہوا اور ضرور ہوا ہوگا، لیکن راقم نے اسی قدر لکھا جس قدر یاد آیا،

شمہ از کمال قدرت حضرت فریاد بر نثر از سطور ذیل توان یافت

دیباچہ کتاب تاریخ نادری،

کلید حصار در بند گویای تیغ پر جوہر زبان ثناگستر است، کہ داستان ہفت خوان رستم تمنہ ازکارنامہاے کشایش او، وشمشیر معرکہ سخن گذاری دشنۂ آبدار خامہ ستایشگر است کہ بارقہ تیغ جہانگیری نادری پرتویست از جلوہای نمائش او، یکہ تازان میدان سخن کہ چار دانگ جہان معنی راکشادہ اند تیغ زبان ودشنۂ خامہ را بزلال حمد پادشاہی آب دادہ کہ غبار راہ خاک نشینان آستانش توتیای دیدۂ اقبال مندان است، وپرتو نظر سعادت یابان دیوانش فروغ اختر بخت بلندان، شہر یار نادرہ کاری کہ قصر شوکت ملوک ممالک ستان بنانہادۂ دست قدرت

اوست، قهرمان لامکان ایوانی که اسباب دولت تاجداران تاج بخش بباد، داده فرمان مشیت او، قبهٔ بارگاه صاحب دولتی بذردهٔ مهر و ماه نیفراخته که آفتاب تربیتش برگوهر همایون او پرتو نینداخته، بر سر بے سر و سامانی افسر جهانبانی نه نهاده که تاجداران سرفرازشش تاج همداستانی نداده، سر پرشور شوریده بختی گوئی بازیچهٔ اطفال نساخته که از سر بیگناهان اساس کله منارها نینداخته، دمیکه تند باد بے نیازیش در وزیدن آید بالا کشیدن نهال هستی در خمیدن زمانیکه ابر آزار فیضش آغاز چکیدن نماید آتش سنگ اندازه دمیدن، دورباش کوکبهٔ کمالش عجز زمان و هم و خیال را از سر راه ادراک باز رانده، و متر ترک بارگاه جلالش بے ادبان فکرت و اندیشه را بچوب سیاست از پا نشانده، و اگر از دریائی قهرش موجی بکین آتش برخیزد و دود از کرهٔ اثیر برانگیزد، و گر آتش خانه عقبش شرارهٔ در بحر محیط جهاند بوی کباب ماهی بماه رساند، سلیمان که نگین سعادت بدست آورده در پیشگاه سلطنتش مهرداری خلیل که حریم کعبه را بنیاد نهاده در خانهٔ صنعتش معماری، داداری دیر گیر که صبح پاداش را تا دمیدن صور نفس در گلو شکسته، آمرزگاری عذر پذیر که برروئے گناهگاران کسته امید و بخشایش نبسته گلی را که بلطفش سیراب ساخت صرصر عاد و ثمودش از هم نریزد، و نهالی را که تند باد قهرش از پا در انداخت بدستیاری آب خضر و باد مسیح برنخیزد، پاے گریز اعدائش لنگ است و دست قدرت خصمانش زیر سنگ،

مثنوی

خداوند بخشندهٔ تاج و گاه | که آسایش بنده دارد نگاه
بیارد یکی را پس از دیگری | نماند جهان بے جهان داوری

در عجز معرفت گوید

خدایا تو دانی که خود کیستی — چگویم که چون هستی و چیستی
چو یکتا بود ذات یکتای تو — نباشد بجز تو شناسای تو
ز اندازهٔ دانش بخردان — نشانت برون آمد ای بی نشان
ز خود رفته ام تا چه خوانم ترا — چو خود را ندانم چه دانم ترا

در نعت سراید

هرگاه یکه تازان جگردار عرصهٔ سخن گستری در میدان ثنای ایزدی جگر باخته، و شهسواران مضمون شکار عرصهٔ معنی پروری درین وادی هولناک سپر انداخته باشند، من هرزه لاف جگرباز راچه زهره که زبان دعوی سیاحت این وادی کشایم پس مناسب که پای زیاده روی را ازین مرحله پس کشیده قدمی چند در ساحت نعت برفتارایم، و میکه سپاه فیروزی کلاه وصفش در فضای گذارش نگاور انگیزد و قشون سیه پوشان نقش بر صحرای نگارش عنان ریز گردد، نسیم فتح و فیروزی پر پرچم علم خامه در وزیدن آید، و نوای نفیر دولت از نغمهٔ جان نواز صریر در دمیدن تیغ جهان کشائش ناخن عقدهٔ روزگار، تیر جان ربائش با عقاب مرگ هم شکار، شش جهت عالم را صدای پنج نوبت تکبیرش چنان فروگرفته که آوازهٔ دولت بیدارش تا دم صور نخواهد، و به نیروی همت توانا گرش کاه ناتوان دستی نیافته که سرپنجهٔ روئین تنان کوه شکوه برنتابد، از چین جبینش بساط بسیط زمین پر چین گردد، و تندی نگاهش آتش قهر الهی را آستین، طائر جان فتنه جویان گوش بر آواز پرواز تیرش، کام دل شعله خویان تشنهٔ آب دم شمشیرش، خم کمند عدو بندش جان خصمان را طوق گردن، سم سمند آسمان نوردش گرز گران سر و فرق دشمن، سرفراز یکه چتر برسر سکهٔ دولت برسیم و زر نزده بندگان درگاهش خورشید کلاه و گردون سریر گدایان

آستانش تاج بخش و باج گیر، غنچهٔ دلهاے پژمرده که به نسیم لطفش نخندد، ز آب و رنگ خرمی جاوید
رنگی نه بندد، وچندانکه پای سعی خامه در عرصهٔ نگارش اوصافش آبله ریزد جدول نامه بسطور ستایش
موجه خیز گردد، آن را سر انفعال بر زمین واین را عرق شرم بر جبین، خاقان عرش ایوانی که دبیر
قضا میر دفتر دیوان اوست، شاهسوار یکه تاز یکه فضائی لامکان جولان گاه یکران او، دانهٔ
توحید را در زمین دلها چنان سبز نکرده که بهجوم سبزه بیگانهٔ کفر سر بر نیا کرده، بر آب و رنگ لاله زار
آتشکدها چهرهٔ قهر بیرنگی افروخته که غنچهٔ امید نوبهارش دیگر نخندد، وخارستان شرک را آتش
برق توحید چنان پاک سوخته که باز ریشهٔ سرسبزی بندد، دم ستایش او اگر نفس در گلو نمی شکست
معنی در نفس در گلو شکستن صورت نمی بست، رسولے اولوالعزم که به تیغ زبان و زبان تیغش دعوی
سفارت و امارت بکرسی نشسته، نبی خاتم که خاتم ختم نبوت بنام همایون خطا بخش نقش خاتمی بسته
آفتاب وجودش را با صبح نخست نسبت، خورشید با سحر و گلبن حدوث را با گلزار قدمش
پیوند ثمر با شجر، روشن روانیکه از جرم فلک مانند نگاه از عینک درگذشته، سبک عنانی که بهعنانی
تائید ایزدی از فرش تا بعرش در نوشته، یکران همت را بزیر دوران کشیده از پستی مکان باوج
لامکان رسیده، کور سوادانیکه در پیکر انسان و بگوهر نشناسند، وسواد ضلالت را از بیاض هدایت
باز نشناسند، مضمون تیره بختی خویش دریافتند، که سر از خط فرمانش برتافتند، رضوان که پردهٔ دماغ از
برگ و گل دارد گلبن هوائی نکهتش در چمن دل می کارد، مسیح را بهوادارییش دم اعجاز جانفزائی، کلیم را
بدستیارش دست ید بیضا نمائی، بالانشینی که باوج قدرش بلندی آسمان پستی زمین، دیده دری که
از نظر عنایتش چشم دوربینان یگانه بین، ظلمت آباد جهالت به نور هدایتش روشن، وخرابهٔ عالم
بسیرابی عدالتش گلشن، پیشوائی که خضر با همه رهنمائی اگر پیرویش نمی کرد، در بیابان گمرهی سرگشته می گردید
دستگیری که نوح با کمال ناخدائی اگر دست بدامنش نمی بازید سر بساحل نجات نمی کشید، تا دست

عنایت الہی تاج شفاعت بر سرش نہادہ کوتاہ داستان را از سرِ آزادگی کلاہِ نشاط بر ہوا افتادہ

مثنوی

شہ خورشید چتر انجم سپاہی
شفاعت منصبی رحمت پناہی

بنام ایزد چہ نامی روح پرور
زبان و گوش را گیرد بگوہر

در اقلیم رسالت شہریاری
بہ گلزار نبوت نو بہاری

اما بعد، فقیر الفت تخمیر سید الفت حسین موسوی عظیم آبادی متخلص بہ فریاد کہ حال عمر تند خرامش در پایان عشرۂ چہارم ست، و در دبستان بی ہنری ہنوز در سہامیگرد، بر نکتہ یابانِ دانش ایاب عرض می دارد، کہ از آغازِ دولتِ اسلام و شیوع علم تاریخی و سیر فراوان نسخہای گزین شیرازۂ تدوین بستہ کہ بذکر کشورکشائی ملوک ممالک ستان و صادراتِ روزگار دولت این صاحب دولتان مشحون است، خامۂ نامہ نگاران چنانکہ باید داد سخن طرازی ہا دادہ اند، و در گنجینۂ معنی بر روے سخنوران نکتہ سنج کشادہ، اما تاریخ نادری از انشای مغفور مبرور میرزا مہدی خان منشی الممالک قہرمان بہرام نگاہ نادر شاہ، تاریخ نادری است کہ دست اندیشۂ بلند فکران از دامن تعریفش کوتاہ است، حرفی بی سخن میگویم، کہ از روزی کہ خامۂ انشا در دست دبیر قضا افتادہ روزنامہ نگاری کمتر باین قدرت سخن در عرصۂ وجود قدم نہادہ، بزور تیغ دو زبانِ خامہ در معرکۂ انشا پردازی رایت فتح و فیروزی برافراختہ، و در کشور پہناور سخن طرازی نوبت بلند نامی بنام خود بلند آوازہ ساختہ، چنانکہ نادر شاہ در جہان کشائی نادر روزگار بود میرزاے مبرور نیز در کشور ندرت بیانی نادرہ کار، سلاستِ عبارتش بر چہرۂ شاہد مقصود غازہ بستہ، و تازگی مضمونش کہنہ بیاض معنی را شیرازہ، اشارات لطیفش ادای مدعا بارداے بینماید، کہ فہم کند فہمان در یافتہ زبان بر ردّ ایرادہای کشاید، در مقامی کہ بساط بسطِ بیان میگستراند

مدعا را ماتکہ انداز پیہنائے سخن میرساند، دماغ خیال نازکش بر فلک رسیدہ، ومغز معنی انشا از پوست بدر چیدہ، بنائی کاخ سخن از متانت کلامش محکم اساس، وقامت استعارات بدیعش رنگین لباس، زمانیکہ در نگارش وقایع طریقہ اختصار می پوید اصل مطلب داستانی راکہ بہ نکتۂ باز میگوید، ودر پلہ سنجیدگی فقرا تیش ابیات ابروسئے موزون قامتان نا سنجیدہ ودر پایہ طلاقت بیانش زبان گفتار شیرین دہنان پیچیدہ، بالجملہ از محاسن کلامش اگر شمہ بورق بزم سخن لبطول انجامد، وخوش نفسان ملول گردند، ازانجا کہ شاہد رعنائی آن کتاب ازعنوان حمد وثنا گلگونۂ زیبائی برچہرہ نداشت، ارشاد مکرمت بنیاد مطاع ومقتدا ے برنا وپیر جناب تقدس مآب ثقہ دستار علم وحکمۃ حافظ الملت حضرت مخدومی حافظ احمد کبیر، حماہ اللہ القدیر امین مدرسہ عالیہ کلکتہ بانشای سطری چند بہ نفاذ پیوست، چندانکہ از رہگذر بی حضوری وہجوم درد ورنجوری عذرہا خواستم پذیرائی نیافت ناگزیر بہ نگارش فقراتے چند انگشت خامہ را برسوای خویش علم کردم، ہنر سنجان معذور دارند وخردہ گیران مجبور شمارند،

جو حضرات فارسی زبان کی چاشنی سے آگاہ ہین وہ ان عبارتون کو پڑھین کہ باوجود سچے اور عالی مضامین کے کس قدر سلاست ونمکینی ہے کہ نظم کا مزہ آتا ہے،

سطور چند از تقریظ کتاب امیر نامہ

تو ئی کہ از اجزائے پریشانی کہ بیک جا فراہم نیایند بتالیف مجموعۂ عجیبی پرداختی آنگاہ برشتہ اتحاد شیرازہ بستہ گنجنامۂ اسرار خود ساختی، معنی را در لفظ ولفظ را بر زبان آفریدی جمال مضامین در آئینہ الفاظ جلوہ بخشیدی،

تا طبع را بفکر سخن ربط دادہ اند | سر کیسۂ جواہر معنی کشادہ اند
گنجی کہ تنگ جوہر جانست گوہرش | اندر خرابۂ تن خاکی نہادہ اند

جہان آفرین کہ انسان را از جم آفرینش برچیدہ، نفس ناطقہ را پیرایۂ حاش گردانیدہ

انگاه ختم رسالت را بدوستی خویش برگزیده سخن را از زبان وحی بیانش بعرش الکمال رسانیده، و براستی که سخن را مقامی است بلند که کمند خیال را بر کنگرا و راکش رسائی دست نداده، و کاخی است رفیع که دست اندیشه از بام بلندش کوتاه افتاده،

اکنون باید دریافت که نظم سخن بازیچه نیست دست فرسود کودکان نی سوار، نی گذرگاه هر پیاده و هر سوار، عقبه ایست دشوار گذار، چندین هزار رهگذار درین دشت پهناور در آغاز تگ و تازه تنگ آمده، و پائی پی سپار بسیار درین وادی سنگلاخ بسنگ،

اما ازان مایه مردم که بکام خود رسیده اند، و روی شاهد مقصود در آئینه حال خود دیده، دندان بر جگر فشرده اند، تا رخت بمنزل برده اند و در این راه بر اندازه تر دهش جایگاه و توان رفتار است و جنس هر کس به تفاوت مایه دانش و پایه دریافت در بار، درین روزگار رفته بار که جنس کمال ناروا است و کالای بی هنری را در بازار، بویژه که درین تیره خاک هند که نامردی را دیو سار و ناکسی را تنگ بر آمده، و هنرمندان گم گشته و بی هنران بر روی کار، پس روزگار دیر باز که دیده انتظار کامل تلاشان سپیدی آورد، عنایت ایزدی از نهانخانه مشیت خویش آن شاهد زیبا جمال را آشکار کرد، سخن سرایان بیار، و که حرفی از داستان فصاحتش بر زبان رانند و قلم معنی نگار نتوانند که نقشی ازان ارژنگ بلاغت بر کرسی نشانند، سخن آشنا داند که گوهر شاهوار سخن آبدار هر غوطه زنی را بدست نیاید، و هر مایه داری که بساط هنر آراید ازان سوداسودی نه بردارد، خامه صفحه پیما را زده راه ستایش آبله در پا خیزد و زبان سخن آشنا را از درازی داستان وصفش عقده ها ریزد، هر لفظی ساغریست از باده حکمت لبریز، هر نقطه نافه ایست نفحه دانش انگیز، بدرگاه بخشنده بی منت دست و دامن آرزو دراز داریم که سر این کارنامه به بن گرائیده هیولائی مقصود صورت پذیرد، و این چراغ بینش رهنمون دانش فروغ پیدائی گیرد این نامه نامی که به امیرنامه روشناس آمده اگرچه سیریست

دلکشا مشتمل بر نکات سہ گانہ دانش کردار کہ بحکمت علی نام برآوردہ، درحقیقت زادیست کہ رہ نوردان مرحلہ ناتجربہ کاری را بسر منزل آزمودہ کاری رساند، رہ آوردیست کہ نو سفران خام عقل را بہ تعلیم آداب سیاحت پختہ کار گرداند،

مثنوی

خان والا مکان امیر علی — جان جسم جہان امیر علی
بوزارت خجستہ دستوری — طرفہ گنجی و طرفہ گنجوری
این خرد نامہ تا رقم زدہ است — بربسی نا مہا قلم زدہ است
طرفہ دیباچۂ کتاب کمال — کہ ازو تافت آفتاب کمال
نام این نامۂ خرد بنیاد — لب دانش امیرنامہ نہاد

بنام حضرت شہنشاہ ہنر پرور ہنرمند، اورنگ نشین کشور ہند و انگلنڈ و آیرلینڈ ملکۂ ممالک آرا کوئن وکٹوریہ خلد اللہ ملکہا و سلطانہا و افاض علی العالمین بر ہا نہا و احسانہا توشیح یافتہ امید کہ ہمین نام ہمایون شہنشاہی نامہ و نامہ نگار زندگانی جاوید یابد خلاف پیش نہاد دیگران کہ نوشتہ ہائے خود را وسیلہ بقائے نام ممدوحان خویش دانستہ کامیاب گشتہ اند و بقلاوزی ہمت بلند ممدوح منزل مقصود سر برآوردہ، انتہی

واقف کار جانتے ہین کہ کتاب امیرنامہ جس وقت تصنیف ہوئی ہے بسبب اقتدار مصنف کے اس وقت کون ایسا تھا جس نے صورت حال مصنف ممدوح دیکھکر تعریف کے پل نہ باندھ دیئے ہون، لیکن باین ہمہ عبارت مندرجہ بالا پر اگر نظر کیجائے تو کوئی کلمہ برخلاف واقعہ یا خوشامدانہ ہمارے حضرت کی زبان قلم پر نہ آیا،

تقریظ

از

کلک گہر سلک شاعر نازک خیال تاریخ گو بیشال خان بہادر مولنا سید احمد علی خان بی اے متخلص بہ علیم مصنف کتب کثیر وظیفہ یاب ڈپٹی مجسٹریٹ و رئیس عظیم آباد،

وہ باکمال سلامت رہے نہ کام اُن کے   دلون نے ٹانک کے رکھ لیے ہین نام اُن کے

خاکِ پاک صوبہ بہار کو اور خاصکر شہر عظیم آباد پٹنہ کو اللہ تعالی جلّ شانہ نے یہ شرف تو ضرور عنایت فرمایا ہے کہ ہر زمانہ مین کوئی نہ کوئی ایسا ذی جوہر و صاحب کمال اس مبارک و مردم خیز سرزمین پاک سے پیدا ہوتا رہا جو اپنی جگہ صاحب کمالی و پرمایگی مین اپنی نظیر آپ ہوا، ایک مرزا عبد القادر بیدل و شیخ غلام علی راسخ ہی پر منحصر نہین ہے، اور بھی بہت سے ذی جوہر ایسے گذرے ہین جو اپنے علم و فن مین متفرد تھے صوبہ بہار کی زمین پاک کبھی باکمالون سے خالی نہین رہی ہے، چنانچہ حضرت فریاد علیہ الرحمۃ اپنی ایک غزل کے مقطع مین فرماتے ہین،

خالی رہا ہی میرا وطن نامیون سے کب   فریاد اب ہے راسخ مرحوم کی جگہ

لیکن ساتھ ہی اس کے یہان کی خاک کی یہ بھی خصلت ہی کہ ارباب وطن کے صرف

دلون ہی کے اندر وہ پاک نام اور ان کے کمالات چکر لگا کر رہ جائین، مگر زبان پر لانے اور
ان کی شہرت پھیلانے کی گویا قسم کھالی ہے، یہ بے حسی تو ارباب وطن مین نہین ہے، کہ قدر
شناسی کا مادہ ہی سرے سے نہین ہے، اگر یہ بات ہوتی تو پردیسیون کے ساتھ بھی ہوتی،
حالانکہ باہر کے ذی جوہرون کی جیسی جیسی قدر کیگئی اور ان کے ساتھ جس سلوک سے پیش آئے
اور آتے ہین شاید ہی اور جگہ اسکی نظیر ملے، خاک پاک عظیم آباد، نے جہان بڑے بڑے
ذی جوہر سابق مین پیدا کئے ان مین سب سے بالاتر وجود ذی وجود کیا باعتبار اپنے علوئے
حسب نسب کے اور کیا باعتبار حسن صفات و کمالات کے جو نہ صرف ہمارے صوبۂ بہار ہی کے لئے
باعث فخر تھا، بلکہ سارے ہندوستان کے لیے موجب ناز تھا جسکی شاگردی مین در آنا بڑے
بڑے مشاہیر صوبہ ہائے بہار و بنگالہ اپنے لیے عزت و شہرت کا سبب سمجھا کئے جس کے فارسی
کلام کو با کمال اہل عجم پڑھ پڑھ کر وجد کرتے اور سر دھنتے تھے وہ وجود پاک عالیجناب نظام الملۃ
سیدنا مولٰنا حضرت سید الفت حسین فریاد تخلص برد اللہ مضجعہ کا تھا جسکی عالی نسبی کے حالات
سے کتب سیر پر ہین، حضرت امام موسیٰ بن جعفر علیہ السلام سے لیکر بنی عباس کی آخر حکومت
تک اور پھر جب ہندوستان مین ان کے اجداد و بزرگوار داخل ہوئے تو تغلق بادشاہ سے
لیکر عہد آخر اسلام تک طبقہ بہ طبقہ کوئی نہ کوئی یا تو فرمانروائے ملک نظر آتا ہے یا اعلیٰ درجہ کا
محتشم و منصب دار یا خانقاہ نشین مرتاض جسکے سامنے سر نیاز شاہان اسلام کا جھکا ہوا ہے،
پایا جاتا ہے جس کے بزرگون کو خطاب نظام الملۃ کا شاہان اسلام کی طرف سے موروثی ملا تھا،
جس سے بڑھکر وقیع خطاب دین و دنیا کے اعتبار سے مسلمانون مین نہین ہے، چنانچہ حضرت
فریاد اپنے بزرگون کی نسبت فرماتے ہین،

مرجع شاہان بدند ملک پناہان بدند — فیض نگاہان بدند جملہ نیاگان من

پھر فرماتے ہین،

دو گوہر ز گنج عطائے بزرگ — عطا کرد ما را خدائے بزرگ
یکے گوہر پاکِ آبائے من — دگر جوہر طبع والائے من
ملاذ سر سروران بودہ اند — بگیتی بنام ونشان بودہ اند
پدر بر پدر جملہ آبائے من — بزرگان ارشاد فرمائے من
پدر را نسب از سر آگہی — بموسیٰ بن جعفر شود منتہی
علی بن موسیٰ جد مادری است — کہ روشن دُر درج پیغمبری است

حضرت بوجہ اپنی عالی نسبی وجوہر کمالات کے اس قدر باوقار اپنے عہد مین تھے کہ نواب بہادر نواب عبداللطیف خان سی، ائی، ای، سابق رئیس اعظم ولیڈر مسلمانان کلکتہ نے اپنی انگریزی سوانحعمری مین حضرت کی نسبت جو الفاظ استعمال کیے ہین وہ یہ ہین، "کلکتہ کے مسلمانون مین سب سے بڑھ کر ذی اثر اور سب سے بڑھکر ذی علم فخر الملک وزیر السلطان نواب سیّد امیر علیخان مرحوم اپنے امیر نامہ مین حضرت کو ان الفاظ سے یاد فرماتے ہین " استاذی حضرت سیّد شاہ الفت حسین مدظلہم العالی"

حضرت آغا سید علی شوستری مخاطب بہ سلطان العلما نواب سناد الملک بہادر استاد حضور نظام و استاد مولوی سید حسین بلگرامی عماد الملک مرحوم وغیرہ، بدوران تقریظ حضرت کی نسبت یون رطب اللسان ہین،

"امارت دستگاہ سیادت پناہ حضرت سیّد شاہ الفت حسین متخلص فریاد کہ خاطر ز مثل او یاد ندارد کہ در عہد خود صاحب جاہ و دستگاہ در دولت بنگالہ را سفیر و کبیر و در دربار آن دولت امیر عدیم النظیر از ہر خصال مرزا با صاحب فطرت بلند و طبع ارجمند

کلام نثر ایشان نثرہ نثار بودہ وکلام معجز نظام نظم ایشان ثریا وثار واقع شاعرے در فن شعر باین استعدادات ذاتیہ وکسبیہ ہر نقطہ معنیش ظاہر است بلکہ توان گفت کہ مادر دوران خصوص ملک ہندوستان چنین روئدے نزائیدہ"

مولانا سید محمد مرحوم ضمیمہ جواہر منتخب مین حضرت فریاد کا تذکرہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہین؛

"بالجملہ بعد از مرزا عبدالقادر بیدل وشیخ غلام علی راسخ ہمچون حضرت سید شاہ الفت حسین فریاد از خاک عظیم آباد برنخاستہ"

مولانا عبدالمنعم رئیس کلکتہ ایک تقریظ کے دوران مین حضرت کی نسبت یون قمطراز ہین

"پیر طریقت انشاد انشاد ساقی کوثر ابداع وایجاد حضرت سید شاہ الفت حسین فریاد کہ از افاضل شعرا بودو از اکابر فضلا، ہم خمخانہ سخن را پیرمے فروش، وہم صہبائے شعر تلامذ الرحمن را رطل گران نوش چنانچہ کلامش را حکم ملوک الکلام زیبا وچسپان است شاگردانش را خطاب ملوک الشعرا درخورد شایان وغیرہ وغیرہ،

رائٹ انریبل مسٹر سید امیر علی با لقابہ حضرت فریاد کی نسبت اپنے خط مین جو عموی مولوی سید ہمایون میرزا صاحب کو لکھا تھا، تحریر فرماتے ہین "مین حضرت سید شاہ الفت حسین مرحوم کو بڑی قدر کی نگاہون سے دیکھتا تھا، ان کا انتقال بہت بڑا قومی نقصان ہے، الخ"

طوالت کا خوف نہ ہوتا تو اور بھی متعدد صاحب کمالون اور باوقار امرا کی رایون سے بہت سے صفحے سیاہ کر دیتا، مگر عطر آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار گوید اسی کتاب حیات فریاد مین حضرت کا کلام موجود ہے، نسب نامہ بھی ہے جس سے ناظرین پر تمکین پر حضرت کی عالی نسبی وکمالات کا اظہار خود ہو جائے گا، القصہ اتنے بڑے ذی جوہر یکتائے روزگار بزرگ کی ابتک کوئی مستقل سوانحمری اور مفصل حالات جو قلمبند کر کے نہین شائع کئے گئے، درحقیقت بہت

بڑا الزام ارباب وطن پر تھا، اگر اتنا بڑا ذی جوہر یکتائے روزگار کسی متمدن ممالک کی خاک سے پیدا ہوتا تو اس کے ہموطن اسکی رحلت کے بعد سے اب تک کتنی یادگارین قائم کرچکے ہوتے، یہی وجہ ہے کہ ان ممالک مین روز افزون ترقی ہے، کیونکہ محصلانِ کمال کی حوصلہ افزائی اور قدردانی ہوتی رہتی ہے، بہرحال اس کمی کو گو اپنی عمر کے آخر وقت ہی مگر فخر وطن سرمایۂ ناز وطن خان بہادر سیدنا مولانا حضرت سید علی محمد شاد مرحوم شاگرد وارشد حضرت فریاد نے پورا کیا، اور یہ کتاب جو اس وقت میرے زیر ریویو ہے بحمداللہ تکمیل کو پہنچی، مین کیا اور میری ہستی کیا، بقول شخصے چھوٹا منہ بڑی بات کہ مین ایسی نادر الوجود تالیف پر جس کے مداح و ممدوح دونون اپنے اپنے عہد مین بے مثل ہون ریویو لکھون، عام طور سے سوانحعمری کا مرتب کرنا آسان کام نہین ہے نہ کہ ایسے یکتائے روزگار بزرگ کی سوانحعمری جو کئی حیثیتون سے اپنی نظیر آپ تھا مرتب کرنا، کاریست مشکل و امریست دشوار، درحقیقت یہ حضرت شاد ہی کا حصہ تھا اور یہ سعادت انھین کی قسمت مین لکھی تھی حضرت شاد کے متعلق مین کیا زبان ہلا سکتا ہون، ان کے کمالات کی دنیا قائل ہے، چنانچہ مولوی ابوالمکارم محمد انواراللہ صاحب صدیقی اپنے رسالہ ترقی جلد (۱) نمبر (۱۱) بابتہ ماہ محرم ۱۳۴۲ھ مین لکھتے ہین حضرت سید علی محمد شاد تو ایک ہی فرد ہین جنکو بہار و بنگالہ نے اب تک پیدا کیا،،

جناب سید اشرف صاحب ندوی رسالہ اردو جلد سوم حصہ نہم بابتہ جنوری ۱۹۲۳ء مین جو مضمون (بعنوان اردو زبان کی ترقی مین صوبۂ بہار کا حصہ) تحریر فرمایا ہے، اس کے الفاظ یہ ہین "حضرت شاد کے بارے مین صرف اس قدر کہدینا کافی ہے کہ جس وقت سر شیخ عبدالقادر

بیرسٹرایٹ لا خان بہادر سابق وزیر تعلیمات و پریسیڈنٹ لیجسلیٹو اسمبلی حال ممبر اکزیکیٹو کونسل گورنمنٹ پنجاب سابق اڈیٹر رسالہ مخزن نے اردو سبھا کی تحریک کی تھی اس وقت حضرت شاد اس سبھا کے اندر

گئے تھے،

مولانا سید سلیمان ندوی نے اپنے مقدمۂ کلامِ شاد مین حضرت شاد کو اپنے عہد کا میر لکھا ہے،
علاوہ ازین مولانا حسرت موہانی و ڈاکٹر سر اقبال وغیرہ جیسے نقادانِ سخن نے جنکی صاحب کمالی
کا اعتراف کیا ہو اسکی شاد توصیف محتاج میرے قلم فرسائی کی نہین ہے، البتہ حضرتِ شاد
کی عالی نسبی کی نسبت چند سطرین لکھنا مناسب موقع سمجھتا ہون، یہ بھی عجب حسن اتفاق ہو کہ جسطرح
حضرت کے استاد علیہ الرحمۃ اپنے ذاتی کمالات کے علاوہ اپنے اجداد کے نسب و کمالات
کے لحاظ سے بے نظیر تھے، اسی طرح حضرت شاد بھی علاوہ اپنے کمالات ذاتیہ و کسبیہ کے اپنے
اجداد کی عالی نسبی و کمالات پر جس قدر ناز کرتے کم تھا، حضرت شاد کے حقیقی نانا نواب شمس الدولہ
نواب لطف اللہ خان صادق کے پوتے تھے، فارسی اور عربی کے بہت بڑے ادیب اور
بڑے نازک خیال شاعر تھے، حضرت شاد کے حقیقی ماموں نواب جلال الدین حسین خان تاثیر
سابق سب جج بڑے پایہ کے شاعر تھے، اور حضرت فریاد علیہ الرحمۃ کے شاگردانِ خاص مین تھے،
حضرت شاد کے نانا صاحب کے حقیقی چچا، نواب باقر علی خان پانی پتی تھے، جنکی تصنیف سیر الانصار
ان کے مبلغِ استعداد و تاریخی معلومات پر اچھی طرح روشنی ڈالتی ہے، حضرت شاد کے اجداد
مین نواب محمد علیخان انصاری مؤلف تاریخ مظفری و بحر مواج نواب سراج الدولہ ناظم بنگالہ
نواب اسمعیل قلیخان تھے، و نیز نواب معین الدولہ، نواب عنایت خان راسخ بخشی الممالک بھی
تھے جنکا علمی پایہ ان کی تصنیف عنایت نامہ سے ظاہر و ہویدا ہے، غرض حضرت شاد کے
خاندان عالی مین بڑے بڑے بزرگ صاحب علم و صاحب حکومت و ثروت گذرے ہین،
کمالات ذاتی اور اس پر عالی نسبی دونون نعمتون کا ملنا ہر کسی کا حصہ نہین ہے، اور نہ کسی کا
اختیاری فعل ہے، خدائے لم یزل کی عطا ہے،

این سعادت بزورِ بازو نیست   تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

غرض علمی مذاق ایک تو آبائی، اس پر صحبت باکمالون کی پائی سونے پر سہاگہ ہوا، پھر چونسٹھ سال کا شب و روز کا ریاض کتب بینی اور تصنیف و تالیف کے مشغلہ کے سوا دنیا کو الٹ کر جس نے نہ دیکھا ہو وہ ذات اکمل نہ ہو تو تعجب ہے، یہ سب سہی لیکن بڑی تعجب خیز بات یہ ہے کہ جسوقت حضرت کا سن شریف بیاسی سال کا تھا، وہ زمانہ اور وہ عمر ہے کہ دوسرون سے اس وقت ہلا نہین جاتا، نکہ حیاتِ فریاد جیسی کتاب کا مرتب و مدون کرنا وقایع کا جمع کرنا تاریخ و سنین کا لحاظ رکھنا، حضرت فریاد علیہ الرحمۃ کے خصوصًا ایسے کلام کو جو اساتذۂ سابق کے ہم قالب و ہم زمین ہین اپنی یاد سے جمع کرنا اوران پر تبصرہ کرنا پھر ترتیب کی خوش اسلوبی یہ باتین ایسی ہین کہ بڑے بڑے باکمال جنکی معلومات وسیع نظرین بسیط عمرین بھی کم ہین، اگر ایسی کتاب تالیف کرین تو گھٹنے زمین پر ٹیک دین، ایک قدم آگے نہ بڑھ سکین درحقیقت این کار از تو آید و مردان چنین کنند، زبان سے نکالنا آسان لیکن کرنا کارے دارد، کتاب زیر ریویو جو مفید معلومات کا گنجینہ حضرت شاد کے کمالات و جوہر کا آئینہ ہے، علاوہ اس کے کہ اس کتاب سے استاد و شاگرد دونون کے کمالات صوری و معنوی پر پوری روشنی پڑتی ہے، اور گو حضرت شاد کی متعدد تصنیفین ہین اور سب اپنی اپنی جگہ پر جوہر نمائے کمالات مصنف ہین لیکن حیاتِ فریاد ایک ایسی کتاب ہے جو اپنی نرالی خوبیون کی وجہ سے تا ابد بے مثال رہے گی، حضرت شاد نے اس کتاب کی تکمیل سے ایک بڑے فرض سے سبکدوشی حاصل کی، نہ اس وجہ سے کہ اپنے استاد کے حالات و کمالات سے دنیا کو آگاہ کیا بلکہ اس وجہ سے کہ خود باکمال و واقف حالات ہو کر اس کو شایع نہ کرتے تو بڑی ذمہ داری اُن کے دوش پر رہتی اب حق حقدار کو پہنچایا، اپنے استاد کا نام بلند کیا اور

ایک بڑی ملکی و قومی خدمت ادا کی، اب دنیا کو معلوم ہوگا کہ عظیم آباد نے بھی ایک ایسی متفرد فرد پیدا کی تھی جس پر تمام صوبۂ بہار ہمیشہ ناز کرے گا، اور حضرت شاد کا مرہونِ منت رہیگا، اور درحقیقت رہنا چاہیئے، ایک اور خوبی اس کتاب کی یہ ہے کہ حضرت شاد نے اس کتاب کے ذریعہ سے بہت سے اور بھی صاحب کمال بہاری بزرگون کے نام کو جنسے زمانہ حال واقف نہ تھا زندہ کر دیا ہے، کتاب حیاتِ فریاد مجموعی صفات کے لحاظ سے اس قدر بلند پایہ تالیف ہے کہ اس پر ریویو کرنا مجھ جیسے کم سواد سے بہت دشوار امر ہے، بڑی جامعیت درکار ہے، راقم اپنے مین ان جامعیت کی کمی کو محسوس ضرور کرتا ہے، ایسی حالت مین جو یہ چند سطرین لکھین وہ نہ بغرض اظہارِ قابلیت بلکہ وجہ تحریک ہوئی کہ حضرت فریاد علیہ الرحمہ راقم کی دادی صاحبہ کے حقیقی بڑے بھائی تھے، اور جب کہ دادی صاحبہ کا انتقال ہوا تو راقم کے والد بزرگوار جناب مولوی سید ہادی علیخان مرحوم سابق اسپشیل رجسٹرار بہت ہی صغیر سن تھے، اور دادا صاحب نے دوسرا عقد کر لیا تھا، علاوہ ازین ہمارے چچا صاحب جناب سید شاہ ہمایون مرزا صاحب اس وقت پیدا نہین ہوے تھے، حضرت فریاد علیہ الرحمہ کو اولاد نرینہ کی بھی بیحد آرزو تھی، اور یہ بھی خوف تھا کہ حضرت کے بھانجے کو یعنی راقم کے والد مرحوم کو انکی علاتی والدہ اس محبت و شفقت سے جیسی کہ حقیقی مان تعلیم و تربیت کا خیال رکھتی ہے، مبادا تعلیم نہ دین، حضرت نے والد مرحوم کو اپنا فرزند آغوشی بنایا، اور اپنے ساتھ کلکتہ مین رکھکر تعلیم و تربیت دی، کلکتہ کے مدرسہ عالیہ مین داخل کر دیا، اور تا الفراغ تحصیل علوم اپنے ساتھ رکھا، اور تا دم زیست مثل اپنے فرزند کے چاہا، یہی وجہ تھی کہ جب کہ حضرت نانا دادا صاحب یعنی حضرت فریاد علیہ الرحمہ اخیر دفعہ عظیم آباد تشریف لائے، باوجودیکہ ان کی صاحبزادی اہلیہ میر سید علی صاحب مرحوم زندہ تھین، اور بوجہ صاحب معاش و جائداد ہونے کے خوشحالی سے زندگی بسر کر رہی تھین، ان کے گھر نہین اترے

اور راقم کے مکان مین اس وقت تک قیام فرما رہے، جب کہ نواب بہادر نواب سید ولایت علیخان
مرحوم نے اپنے دولتکدہ کے قریب ایک مکان مین حضرت کو رہنے پر مجبور کیا،

ان خصوصیات کیوجہ سے راقم نے اپنا ایک خوشگوار فریضہ سمجھکر ریویو کیا لکھا ہے ریویو کا منہ چڑھایا ہے
خدائے تبارک تعالی کتاب حیات فریاد کو مقبول خاص وعام کرے، اور ناظرین باتمکین صدیون
اس سے مستفید ہوتے رہین، افسوس اسکا ہے کہ حضرت شاد نے اس کتاب کو ایسے وقت مین لکھنا شروع
کیا تھا جب کہ ان کے کل قوائے جسمانی و دماغی مضمحل ہوکر جواب دیچکے تھے اور بقول خود مرحوم
کے کہ جیسا میرا دل چاہتا تھا وہ بات مین اس کتاب مین پیدا نہ کرسکا، تا اینکہ کتاب ختم کرتے ہی
سخت علیل ہوئے نظر ثانی بھی کرنے نہ پائے اور انتقال فرمایا، کیا اچھا ہوتا کہ یہ کتاب انکی
زندگی مین چھپکر شائع ہوجاتی، تاکہ ان کو اس امر کی خوشی ہوتی کہ محنت کا پھل مل گیا، بڑی حسرت
لیکر دنیا سے گیے، خدائے تعالی مرحوم کو اپنی جوارِ رحمت مین جگہ دے، آمین،